رُوح کی تاریخ

تحقیق وتالیف:
یاسر جواد

روح کی تاریخ
یاسر جواد

روح کی تاریخ

تحقیق و تالیف:

یاسر جواد

روح کی تاریخ

یاسر جواد

انسان کے تمام قدیم اور موجودہ مذاہب میں روح یا دیوتاؤں کا تصور موجود ہے۔ عیسائیوں میں باپ، بیٹا اور روح القدس؛ ہندومت میں پیدا کرنے، قائم رکھنے اور مارنے والے تین دیوتا؛ اسلام میں اللہ، امر ربی (روح) اور ابلیس (شر) کی تثلیث میں روح کو برابر کی حیثیت حاصل ہے۔ دوبارہ جنم یا یوم حساب پر یقین رکھنے والے مذاہب تصورِ روح کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ مگر ان کے یہ تصورات زرتشتی اور قدیم مصری تصورات کی تبدیل شدہ صورت تھے۔ ان کا اثر اسلام پر بھی کافی پڑا۔ مثلاً کلام الٰہی میں روح کی حقیقت آشکار نہیں کی گئی اور اللہ نے اپنے پیارے نبیؐ سے کہا کہ "یہ جو یہودی تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو تم ان سے کہہ دو کہ روح امر ربی ہے اور میرے رب کے سوا روح کے متعلق کوئی نہیں جانتا" (مفہوم)۔ یوں اسلام میں روح پر بحث ختم کر دی گئی مگر مسلمانوں میں جاری رہی۔ حتیٰ کہ روح کے حوالے سے کئی غیر اسلامی اعتقادات بھی اپنا لیے گئے۔ مثلاً قبر پر دیا جلانا۔ ہندو لوگ قبر پر دیا اس لیے رکھتے تھے کہ روح کو اگلے جہان میں سفر کرتے ہوئے راستہ دکھائی دیتا رہے۔ یہ دستور مسلمانوں کے ہاں بھی رواج پا گیا۔

اس کتاب کی تدوین کا مقصد یہی ظاہر کرنا ہے کہ روح سے وابستہ موجودہ تصورات قدیم انسان کے خطرات و خدشات اور توہمات کا ہی عکس ہیں جو کسی نہ کسی طریقے سے ثقافت در ثقافت اور تہذیب در تہذیب منتقل ہو کر نئی صورتیں اختیار کرتے رہے۔ روح کی حقیقت کو بیان کرنا روح الارواح یعنی اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو منکشف کرنے کے مترادف ہے، اور اس سلسلے میں تمام کوششوں کے مقدر میں ناکامی لکھی ہے۔

نگارشات پبلشرز
24 مزنگ روڈ، لاہور پاکستان
Ph: +92-42-37322892 Fax: 37354205
E-mail: nigarshat@yahoo.com
www.nigarshatpublishers.com
THE SOURCE OF KNOWLEDGE

روح کی تاریخ

تحقیق و ترجمہ
یاسر جواد

نگارشات

نام کتاب: روح کی تاریخ
تحقیق و ترجمہ: یاسر جواد
ناشر: آصف جاوید
برائے: نگارشات پبلشرز، 24۔مزنگ روڈ، لاہور
Ph:0092-42-37322892 Fax:37354205
مطبع: حاجی حنیف پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ: عبدالستار 0333-4900629
سال اشاعت: 2011ء
قیمت: -/350 روپے

فہرست

حصہ دوم

❖ ○ ❖

انسان اور تصور روح

انسان نے کائنات میں سب سے پہلے جس مظہر کا مشاہدہ کیا وہ بظاہر ٹھوس اور مادی نظر آنے والی چیزوں کی داخلی یا خارجی حرکت تھی۔ آسمان کے کالے غلاف پر چمکے ہوئے ستارے ٹوٹ کر گر پڑتے۔ پہاڑ زلزلوں کے باعث ہل جاتے' پُر سکون دریاؤں کی سطح غیر محسوس طور پر گھٹتی بڑھتی' چاند کے مدارج بدلتے' سورج روزانہ آسمان ناپتا' پودے مرجھا جاتے یا پھل پھول لاتے۔ ''حرکت'' پیدائش وافزائش اور زندگی کا نام تھی اور آج بھی ہے! ابتدائی عہد کے انسان کا ذہن' ستاروں' پودوں' پہاڑوں اور دریاؤں وغیرہ میں اس تغیر وتبدل کی وجہ سے جاننے کا اہل نہیں تھا۔ مگر آہستہ آہستہ اسے یہ محسوس ہونے لگا کہ کوئی نہ کوئی ''باطنی قوت'' ہی اس حرکت کا باعث ہوگی۔ اس کے اپنے اندر یہ چیز سانس تھی۔ لہٰذا جب کوئی شخص مرنے لگتا تو اس کی ناک بند کر دیتے تاکہ وہ متحرک وزندہ رکھنے والی سانس باہر نہ نکل جائے۔ عربی کے لفظ ''روح'' عبرانی کے ''روح'' یونانی کے ''سائیکی'' سنسکرت کے ''آتما''، لاطینی کے ''اینیما'' کا مطلب ہوا کا جھونکا ہی ہے۔ لہٰذا انسان کو لگا کہ جیسے اس کے اپنے اندر روح یا ہوا کا جھونکا زندگی وحرکت کا باعث ہے' اسی طرح ہر حرکت کرنے والی چیز میں روح موجود ہے۔ اس نتیجہ میں تمام موجودات کے ساتھ روح کا تصور منسلک ہو گیا۔ ان ارواح کو خوش رکھنا ضروری تھا۔ انسان کو خود جن چیزوں سے خوشی ملتی تھی وہ ارواح کو بھی پیش کی جانے لگیں: کنواری لڑکیاں' پھل پھول' گھی جانور...... یوں انسانی پسندیدگیوں کی مالک بن جانے پر ان روحوں کی شخصیت متشکل ہوئی اور

بعدازاں وہ دیوتا بن گئیں۔

دیوتاؤں یا ارواح کو خوش کرنے کی ذمہ داری چالاک انسانوں نے سنبھالی جو بعدازاں ساحر بن گئے۔ شروع میں ہر شخص شکار میں کامیابی' بچے کی پیدائش' فصل کی پیداوار جیسے عوامل کو اپنے حق میں بہتر بنانے کے لیے متعلقہ دیوتاؤں کے حضور جادو کی کوئی نہ کوئی رسم ادا کرتا تھا۔ قبیلوں کے باہمی ٹکراؤ اور جنگوں میں فتح کے لیے ایسے ساحر کی ضرورت محسوس ہوئی جو شکست کے خلاف ماورائی قوتوں کی مدد حاصل کر سکے۔ شکست کی صورت میں تو اس ساحر کی اہلیت پر شک کرنے والے زندہ ہی نہ رہتے۔ البتہ جیت کی صورت میں وہ ماورائی قوتوں کو تحریک دلانے کا وسیلہ مان لیا جاتا۔ یوں اس ساحر کے لیے سرداری حاصل کرنا ممکن ہوگیا۔ جب تک وہ دیوتاؤں کو مائل کرنے کا دعویٰ کرتا اس کا اقتدار بھی قائم رہتا۔ اس نے اپنے تمام افعال کو ماورائی قوتوں سے ہدایت یافتہ قرار دیا۔ یہی مذاہب کا نقطۂ آغاز ہے' اور سائنس کا بھی۔

انسان کے تمام قدیم اور موجودہ مذاہب میں روح یا دیوتاؤں کا تصور موجود ہے: عیسائیوں میں باپ' بیٹا اور روح القدس؛ ہندومت میں پیدا کرنے' قائم رکھنے اور مارنے والے تین دیوتا؛ اسلام میں اللہ' امر ربی (روح) اور ابلیس (شر) کی تثلیث میں روح کو برابر کی حیثیت حاصل ہے۔ دوبارہ جنم یا یوم حساب پر یقین رکھنے والے مذاہب تصور روح کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ مگر ان کے یہ تصورات زرتشتی اور قدیم مصری تصورات کی تبدیل شدہ صورت تھے۔ ان کا اثر اسلام پر بھی کافی پڑا۔ مثلاً کلام الٰہی میں روح کی حقیقت آشکار نہیں کی گئی اور اللہ نے اپنے پیارے نبیؐ سے کہا کہ "یہ جو یہودی تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو تم ان سے کہہ دو کہ روح امر ربی ہے اور میرے رب کے سوا روح کے متعلق کوئی نہیں جانتا" (مفہوم)۔ یوں اسلام میں روح پر بحث ختم کر دی گئی مگر مسلمانوں میں جاری رہی۔ حتیٰ کہ روح کے حوالے سے کئی غیر اسلامی اعتقادات بھی اپنا لیے گئے۔ مثلاً قبر پر دیا جلانا۔ ہندو لوگ قبر پر دیا اس لیے رکھتے تھے کہ روح کو اگلے جہان میں سفر کرتے ہوئے راستہ دکھائی دیتا رہے۔ یہ دستور مسلمانوں کے ہاں بھی رواج پا گیا۔

اس کتاب کی تدوین کا مقصد یہی ظاہر کرنا ہے کہ روح سے وابستہ موجودہ تصورات قدیم انسان کے خطرات وخدشات اور توہمات کا ہی عکس ہیں جو کسی نہ کسی طریقے

سے ثقافت در ثقافت اور تہذیب در تہذیب منتقل ہو کر نئی صورتیں اختیار کرتے رہے۔ روح کی حقیقت کو بیان کرنا روح الارواح یعنی اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو منکشف کرنے کے مترادف ہے' اور اس سلسلے میں تمام کوششوں کے مقدر میں ناکامی لکھی ہے۔

آج ہم اپنے فلسفہ' ادب' محبت اور اخلاقیات میں سے روح کو منفی کر دیں تو یقیناً ہمیں شدید دھچکا پہنچے گا۔ اور ذہن میں ایک خلاء سا پیدا ہو جائے گا۔ لیکن علم و جستجو کے نتائج ہمیشہ سے یہ خلا پیدا کرتے رہے ہیں۔ ذرا سوچیں کہ جب زمین کے گرد سورج کی گردش کے بجائے سورج کے گرد زمین کی گردش کا اصول دریافت ہوا تو خود کو پوری کائنات کا مرکز سمجھنے والا انسان اپنی نظر میں یکدم کیسے بے وقعت ہو گیا ہوگا۔ ہندو سمجھتے تھے کہ دنیا ایک کچھوے پر قائم ہے' ہندوؤں کے خیال میں اسے ایک بیل نے سر پر اٹھا رکھا تھا۔ آج زیادہ تر لوگ اس دلچسپ اور افسانوی عقیدے سے محروم ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ کوئی معروف سائنس دان علم فلکیات پر لیکچر دے رہا تھا (کچھ کے خیال میں وہ برٹرینڈ رسل تھا)۔ اس نے بیان کیا کہ کس طرح زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور کس طرح سورج ستاروں کے ایک وسیع مجموعے یعنی کہکشاں کے گرد گردش کرتا ہے۔ لیکچر کے اختتام پر ایک بوڑھی عورت ہال میں کھڑی ہو کر بولی: "تم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بکواس ہے۔ دنیا اصل میں ایک چپٹی طشتری ہے جو ایک بہت بڑے کچھوے پر دھری ہے۔" سائنس دان جواب دینے سے پہلے مسکرایا "یہ کچھوا کس چیز پر کھڑا ہے۔" بڑھیا بولی "تم بہت چالاک بنتے ہو' نوجوان۔ بہت چالاک' لیکن یہ سارے کچھوے ہی تو ہیں جو نیچے تک گئے ہوئے ہیں۔" یقیناً بہت سے لوگ روح کے حوالے سے بھی اسی قسم کے جواب دیں گے۔

انسان اپنے داستانوی نظریات سے بہت آہستہ آہستہ نجات پاتا ہے۔ ارسطو نے زمین کے گول ہونے کا خیال پیش کیا تھا مگر اس کے پاس دوربین اور ریاضی کے کلیے نہیں تھے جن کی مدد سے اپنا مفروضہ ثابت کر سکتا۔ سکندر کے اراتو ستھینز نے کرۂ ارض کی پیمائش کی۔ مگر کہیں پندرھویں اور سولہویں صدیوں میں کاپرنیکس اور گلیلیو گلیلی ہی اسے ثابت کر سکے۔ غالباً بیسویں صدی کی ابتداء میں بھی بہت سے لوگ زمین کو گول ماننے سے انکار کرتے رہے ہوں گے۔ کیا روح کے بارے میں ایسا ہونا ممکن نہیں؟ یقیناً ہے' بلکہ کہیں زیادہ۔ زمین کی گولائی یا اس کا کچھوے پر قائم نہ ہونا تو سائنس کی مدد سے ثابت کیا جا سکتا

تھا کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے۔ جبکہ روح مادی نہیں' مابعد الطبیعیاتی ہے۔ اس کے بارے میں تحقیق کے لیے مابعد الطبیعیاتی میدان میں ہی تگ ودو کی ضرورت ہے۔

انسان نے جو کچھ جانا اس سے آزاد ہو گیا۔ اس آزادی نے اسے بہت سی کہانیوں اور داستانوں سے محروم کر دیا۔ چاند پر انسانی قدم پڑنے کے بعد پیدا ہونے والے بچے چاند کی بڑھیا کی چرخہ کاتنے والی کہانیاں نہیں سنتے۔ کسی اور ستارے اور سیارے سے مخلوق کی آمد انہیں زیادہ لبھاتی ہے۔ علم بڑھنے کے ساتھ ساتھ داستانیں ختم ہوتی جاتی ہیں' توہماتی عقائد منتشر ہونے لگتے ہیں۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ جن اقوام نے اپنے یہ توہمات ختم کیے وہ غالب آ گئیں۔

آج سائنس اور گردوپیش کی ترقی کے ساتھ جدید انسان کے عقائد بدل رہے ہیں۔ سائنس اسے توہمات سے باہر کھینچ رہی ہے۔ اب کالی بلی کے راستہ کاٹنے پر کوئی واپس نہیں مڑتا۔ ہر رات سڑکوں پر کتنی ہی بلیاں نکل جاتی ہیں اور مسافر بخیریت منزل پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ شاید وہ وقت بھی آئے گا کہ انسان کسی موقعہ پر روح سے متعلقہ توہمات کو بھی اسی طرح روند کر گزر جائے۔

میں اپنی اس محنت کو اپنی بیوی سعدیہ کے نام معنون کرتا ہوں۔

یاسر جواد

2005ء لاہور

1

اسلام کی امرِ ربی

مذہب اسلام عرب کے سابق مذاہب اور قدیم تہذیبی و عقلی روایات کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے لیے اللہ کی جانب سے ارسال کردہ قطعی و قابل عمل شریعت یعنی قرآن کا حامل بھی ہے۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نازل فرمایا۔ توحید' نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج دینِ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں۔

جب یہودیوں نے رسول اللہؐ سے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی نازل کی:

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ؕ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي

یہودی آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں' آپ کہہ دیجئے کہ روح اللہ کی مخلوق ہے اور تمہیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل' آیت 85)

قرآن مجید میں روح کا ذکر کئی معنوں میں آیا ہے:

1- روح بہ معنی وحی: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا

اسی طرح ہم نے اپنے حکم پر آپ پر وحی اتاری۔ (سورۃ شوریٰ آیت 52)

ایک اور جگہ پر:

يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں......

(سورۃ المومن' آیت 15)۔

2- قوت وثبات اور نصرت وحمایت:

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ

اللہ نے اپنی قوت سے اُن کی تائید فرمائی۔

3- حضرت جبرئیل ؑ نے فرمایا:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُo عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ

اس کو روح الامین (جبریل) نے اتارا ہے تیرے دل پر تا کہ تو ڈرانے والوں میں ہو۔ (الشعرآء' آیات 193-194)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

(اے نبی ﷺ) کہہ دے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے (ہوا کرے) اس نے (قرآن کو) اللہ کے حکم سے تیرے دل پر اُتارا ہے۔ (سورۃ البقرۃ' آیت 97)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

(اے نبی ﷺ) کہہ دے کہ اس (قرآن کو) روح القدس نے اتارا ہے۔ (سورۃ النحل' آیت 102)

4- وہ روح جس کے بارے میں یہودیوں نے آپ ؐ سے پوچھا تھا' اور اُنہیں جواب دیا گیا کہ وہ اللہ کی مخلوق میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی روح ہے جو مندرجہ ذیل دونوں آیات میں مذکور ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

اور جس روز تمام ذی روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے.....

(سورۃ النبأ' آیت 38)

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ

اس شب میں روح القدس اور فرشتے اپنے پروردگار کے حکم سے ہر حکم کو لے کر زمین پر اترتے ہیں۔ (سورۃ القدر' آیت 4)

5- حضرت مسیح ؑ نے فرمایا: "میں اللہ کی روح ہوں۔" (رُوْحٌ مِّنْهُ)

قرآن میں انسانی روح کے حوالے سے "نفس" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے:

يآيتها النفس المطمئنة یعنی اے اطمینان والی روح۔

الاقسم بالنفس اللوامه یعنی قابل ملامت روح کی قسم۔

إن النفس لامارة بالسوء یعنی روح تو برائی کی طرح کھینچتی ہے۔

اخرجوا انفسكم یعنی اپنی روحیں نکالو۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا یعنی روح کو ٹھیک کرنے والے کی قسم

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ یعنی ہر شخص موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔

حدیث میں روح انسانی کے لیے لفظ نفس بھی آیا ہے اور لفظ روح بھی۔ بہر حال روح کا اللہ کے امر سے ہونا اس کی قدامت وغیر مخلوقیت پر دلالت نہیں کرتا۔

- کیا نفس اور روح ایک ہی چیز ہیں یا دو الگ الگ چیزیں؟
- پہلے روحیں پیدا ہوئیں یا اجسام؟
- ہاتھ سے پیدا کرنے اور روح پھونکنے میں کیا فرق ہے؟
- کیا روح قدیم ہے یا حادث ومخلوق؟
- کیا اجسام کے ساتھ روحیں بھی فنا ہو جاتی ہیں؟
- موت کے بعد قیامت تک روحیں کہاں رہتی ہیں؟
- کیا روحوں میں تمیز وتشخیص موجود ہے؟ جسموں سے نکلنے کے بعد وہ کیسے شناخت ہوتی ہیں؟
- کیا روحیں آپس میں ملاقات اور مذاکرہ کرتی ہیں؟
- کیا مُردوں کی روحوں کو زندوں کے کسی عمل سے فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

گزشتہ تقریباً چودہ صدیوں کے دوران مسلمان مبلغین اور علماً کو اِن جیسے بہت سے سوالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مختلف فرقوں نے بھی مخالفین کے علماً کو نیچا دکھانے کی غرض سے لطیف و پیچیدہ مسائل اٹھائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ناقص وضعیف روایات کے انبار لگ

گئے۔ احادیث کس کثرت سے گھڑی گئیں! اس مقدار کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ تفسیر سے متعلق احادیث ہزاروں کی تعداد تک پہنچتی ہیں۔ امام بخاری کی "صحیح" میں موجود سات ہزار احادیث میں سے تین ہزار احادیث مکرر ہیں۔ محدثین کا بیان ہے کہ یہ وہ حدیثیں تھیں جو امام بخاری کے خیال میں درست قرار پائیں اور جنہیں اُنہوں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کیا تھا۔ علامہ احمد امین مصری کے خیال میں احادیث وضع کرنے کا اہم ترین سبب اُس زمانہ میں لوگوں کا یہ غلو بھی تھا کہ وہ علم کی کوئی بات اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک اس کا رشتہ کتاب و سنت تک نہ جوڑ دیا جاتا۔ مسئلۂ روح کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ پندرھویں صدی میں حافظ ابن القیم نے "کتاب الروح" میں روح کی مختلف حالتوں اور متعلقہ مسائل پر غور و فکر کرتے ہوئے احادیث کے حوالے بکثرت دیے۔ ان احادیث کے مستند ہونے یا نہ ہونے سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔ ہم انہیں جوں کا توں تسلیم کریں گے کیونکہ مسلمانوں کی ایک وسیع اکثریت انہیں تسلیم کرتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ روح کے متعلق ان خیالات کا تعلق قرآن سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اب ہم مندرجہ بالا مسائل کے جوابات ابن القیم کی آراء کی روشنی میں باری باری پیش کریں گے۔

کیا نفس اور روح ایک ہی ہیں یا مختلف؟

نفس کے متعدد معانی ہیں:

1- روح جوہری: نفس روح ہے۔ خرجت نفسہ یعنی اس کی روح نکل گئی۔

2- خون: سالت نفسہ یعنی اس کا خون نکل گیا۔ روایت میں ہے: ما لا نفس و سائلۃ لاینجس الماء اذا مات فیہ یعنی جس کے بہنے والا خون نہ ہو اگر وہ پانی میں مرجائے تو پانی گندا نہیں ہوگا۔

3- جسم: نبئت ان بنی تمیم ادخلوا...... ابناء ھم تامور نفس المنذر، یعنی "مجھے بتایا گیا کہ بنو تمیم نے اپنے بیٹوں کو منذر کے جسم کے خون میں شامل کر دیا۔"

4- نظر: کہتے ہیں کہ اصابت النفس فلانہ یعنی فلاں کو نظر لگ گئی۔ غالباً جملے میں نفس کا مطلب روح ہے۔ چونکہ نظر کے راستے سے روح اپنا اثر ڈالتی ہے اس لیے کہتے ہیں کہ نظر لگ گئی۔

5- ذات، شخص: قرآن نے ذات کے لیے بھی نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے: فسلموا علی انفسکم یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسھا کل نفس بما کسبت رھینۃ "یعنی اپنی ذاتوں پر سلام کرو۔ جس دن ہر ذات اپنی ذات کی طرف سے جھگڑتی ہوئی آئے گی۔ ہر شخص اپنی کمائی کے ساتھ گروی ہے۔" اور روح کے لیے بھی: یایتھا النفس المطمئنۃ، اخرجوا انفسکم، ونھی النفس عن الھوی، ان النفس الامارۃ بالسوء، یعنی اے اطمینان والی روح! اپنی روحیں نکالو۔ اور اس نے روح کو خواہش سے روک لیا۔ واقعی روح برائی کی طرف کھینچنے والی ہے۔" روح کا اطلاق نہ تنہا بدن پر ہوتا ہے اور نہ روح و جسم دونوں پر۔

قرآن کریم میں روح کے بھی کئی معنی ہیں: 1- حکم :2- وحی۔ (ان سے متعلقہ آیات کا حوالہ باب کے آغاز میں دیا گیا ہے۔) روح کو وحی اس لیے بھی کہتے ہیں کہ اس سے مفید زندگی حاصل ہوتی ہے کیونکہ زندگی وحی کے بغیر صاحب زندگی کے لیے نفع بخش نہیں بلکہ اس سے بہتر جانور کی زندگی ہے کیونکہ وہ انجام کے اعتبار سے سلامتی والی ہے۔

روح کو روح اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے بدن کو زندگی ملتی ہے۔ ریح یا ہوا کو بھی ریح اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے بھی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی جمع ارواح آتی ہے:

اذا نعبت الارواح من نحو ارضکم

یعنی "جب تمہاری زمین کی طرف تمہاری ہوائیں چلتی ہیں تو ان میں سے ایک اپنے کلیجے میں ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔" اسی سے روح، ریحان اور آرام مشتق ہے۔

نفس کو روح اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے زندگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ لفظ یا تو نفیس سے بنا ہے اور اپنی نفاست و شرافت کی وجہ سے نفس کہلایا یا پھر تنفس (سانس لینا، نکلنا) سے بنا ہے اور جسم میں آنے جانے کی وجہ سے نفس کہلایا۔ اسی سے نفس یعنی سانس، مہلت ہے۔ ایک رائے کے مطابق سونے کی حالت میں انسان کی روح نکل جاتی ہے اور بیدار ہونے پر واپس آجاتی ہے۔ اسی طرح موت کے وقت بھی روح جسم کو چھوڑ کر چلی جاتی اور قبر میں سوال کے وقت لوٹ آتی ہے، وغیرہ۔ نفس اور روح میں فرق ذاتی نہیں بلکہ صفاتی ہے۔

خون کو نفس اس لیے کہتے ہیں کیونکہ زیادہ خون نکلنے سے موت آجائے تو نفس کا

نکلنا لازم ہوتا ہے' اور نفس کی طرح زندگی خون پر بھی موقوف ہے۔

تسیل علی حد الظباة نفوسنا

یعنی "تلواروں کی دھار پر ہمارے خون بہتے ہیں۔"

اسی طرح کہتے ہیں:

فاضت نفسہ' خرجت نفسہ' فارقت نفسہ

یعنی "اس کا خون بہہ گیا' روح نکل گئی' روح جدا ہو گئی۔"

محدثین' فقہا اور صوفیا کے ایک گروہ کا قول ہے کہ روح اور نفس دونوں میں ذاتی نوعیت کا فرق پایا جاتا ہے۔ مقاتل بن سلیمان کے مطابق انسان کی زندگی روح اور نفس ہے۔ سونے کی حالت میں اس کا نفس (جو صاحبِ عقل و شعور ہے) نکل جاتا ہے لیکن جسم سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ پھر سونے والا شخص اپنے نکلے ہوئے نفس کی وجہ سے ہی خواب دیکھتا ہے۔ بیدار ہونے پر نفس تیزی سے اور فوراً لوٹ آتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اُسے خواب میں ہی مارنا چاہتا ہے تو اُس کے نکلے ہوئے نفس کو روک لیتا ہے۔ دوسری جگہ کہا گیا کہ حالتِ خواب میں نفس نکل کر اوپر چڑھتا ہے اور خواب دیکھتے وقت لوٹ کر روح کو خبر کر دیتا ہے۔ روح انسان کو خبر دیتی ہے اور صبح آنکھ کھلنے پر اُسے تمام خواب یاد ہوتا ہے۔

بعض کے نزدیک روح اللہ کی مخلوق ہے جس کا علم انسان پر پوشیدہ رکھا گیا۔

بعض کے نزدیک روح اللہ کے نور و حیات میں سے نور و حیات ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا ارواح اجسام و نفوس کی موت سے مر جاتی ہیں یا نہیں۔ بعض کے نزدیک روحوں کو فنا نہیں اور نہ ان میں بوسیدگی آتی ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک روح انسان کی طرح ہاتھ پاؤں' آنکھ' ناک' کان اور زبان رکھتی ہے۔ بعض کے نزدیک مومن کی تین روحیں ہیں اور کافر و منافق کی ایک ہی ہے۔ بعض کے نزدیک انبیاء کرام اور صدیقوں کی پانچ روحیں ہیں۔ بعض کے نزدیک ارواح روحانیہ ہیں اور ملکوت سے پیدا ہوئیں اور جب صاف و شفاف ہو جاتی ہیں تو عالمِ ملکوت کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔

پہلے روحیں پیدا ہوئیں یا جسم:

حق تعالیٰ نے فرمایا: ولقد خلقناکم ثم صورناکم الخ (ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری شکلیں بنائیں) پھر ہم نے فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے

کے لیے کہا' کہتے ہیں "ثم" ترتیب و تاخیر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ خلق سجدہ آدم پر مقدم ہے۔ اور بدیہی طور پر معلوم ہے کہ بدن بعد میں پیدا ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ خلق سے خلق ارواح مراد ہے۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہے: واذ اخذ ربک من بنی آدم الخ (اور جب تمہارے رب نے آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اس پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں) ظاہر ہے کہ یہ اقرار روحوں سے لیا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت بدن کہاں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا' آپ نے فرمایا "میں نے سرورِ رحمتِ عالم ﷺ سے بھی اس بارے میں پوچھا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر ان کی پشت پر اپنا سیدھا ہاتھ پھیرا' اس سے ان کی تمام اولاد نکالی۔ اور فرمایا میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا۔ یہ جہنم والوں کے سے عمل کریں گے۔ اور میں نے ان کو جنت کے لیے پیدا کیا۔ اور یہ جنت والوں کے سے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے پوچھا' یا رسول اللہ ﷺ پھر عمل کی کیا ضرورت رہی؟ فرمایا جب اللہ کسی کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنت والوں کے سے عمل کراتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا خاتمہ اچھے عمل پر ہوتا ہے۔ اور اسے اس کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اور جب کسی کو جہنم کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جہنم والوں کے سے عمل کراتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے۔ اور اسے اس کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔" (موطا امام مالکؒ) حاکم فرماتے ہیں' یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ حاکم کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی مرفوع روایت یہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے تمام روحیں جو قیامت تک آنے والی ہیں چیونٹیوں جیسی نکل آئیں۔ پھر اللہ نے ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر نور کی چمک رکھی۔ اور انہیں حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا' اے رب یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام ان میں سے ایک شخص کی پیشانی پر نور دیکھ کر متعجب ہو کر بولے' اے رب یہ کون ہیں؟ فرمایا' یہ تمہارے بیٹے داؤدؑ ہیں۔ جو آخری قوموں میں سے ہوں گے۔ پوچھا' ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا' ساٹھ سال۔ بولے انہیں میری عمر میں سے چالیس سال اور دے دیجئے۔ فرمایا' پھر لکھ کر مہر لگا دی جائے اور تبدیلی نہیں ہوگی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ملک الموت ان کے

پاس آئے۔ بولے ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ فرشتے نے کہا کیا آدم نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا۔ لہٰذا ان کی اولاد میں بھی یہی عادت ہے۔ یعنی آپ بھول گئے اور آپ کی اولاد میں بھی بھول جانے کی عادت ہے اور آپ سے غلطی ہو گئی اسی لیے آپ کی اولاد میں بھی غلطی کی عادت ہے۔ (ترمذی حسن صحیح)

امام احمد بھی یہ حدیث ابن عباس سے لائے ہیں۔ فرماتے ہیں جب قرض والی آیت اتری تو رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام منکر ہے تھے۔ محمد بن سعد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے پورے ہزار سال کر دیے اور حضرت داؤد کے پورے سو سال برقرار رکھے۔ حاکم کی ابوہریرہ والی حدیث میں اسی آیت کی تفسیر ہے کہ اللہ نے اس دن قیامت تک دنیا میں آنے والوں کو جمع فرما دیا اور روحیں بھی پیدا کر دیں۔ پھر ان کی صورتیں بنائیں اور ان سے اقرار کرایا۔ وہ بولے انہوں نے اللہ کی ربوبیت کا پکا وعدہ کیا۔ اللہ نے فرمایا میں اس پر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو بھی کہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو بالکل بے خبر تھے۔ خبردار میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا۔ جو تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلائیں گے۔ اور تم پر اپنی کتابیں بھی اتاروں گا۔ سب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے رب اور معبود ہیں۔ آپ کے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ ان کے سامنے ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام لائے گئے۔ آپ نے اپنی اولاد میں امیر و غریب اور خوبصورت و بدصورت سب دیکھے۔ بولے اے رب تیرے بندوں میں برابری ہوتی (تو کیا اچھا ہوتا)۔ فرمایا مجھے شکر محبوب ہے۔ اور ان میں انبیاء چراغوں کی طرح دیکھے۔ انبیا سے رسالت کا عہد لیا گیا۔ جیسا کہ اس آیت واذ اخذنا من النبیین الخ (جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا) سے ثابت ہے۔

غرضیکہ قرآن و حدیث کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے جسم پیدا کرنے کے بعد روح پھونکی اور اس پھونکنے سے روح پیدا ہوئی۔ اگر جسم سے پہلے اور روحوں کے ساتھ روح ہوتی تو فرشتوں کو ان کی پیدائش پر تعجب ہوتا اور نہ یہ پوچھتے کہ یہ آگ کس کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی روحوں کو دیکھتے اور انہیں معلوم ہوتا کہ ان میں مومن

وکافر کی اچھی بری روحیں موجود ہیں۔

ہاتھ سے پیدا کرنے اور روح پھونکنے میں فرق یہ ہے کہ ہاتھ غیر مخلوق ہے اور روح مخلوق۔ اور پیدا کرنا اللہ کا فعل ہے۔ اور روح پھونکنا آیا اللہ کے ان افعال میں سے ہے جو اس کے ساتھ قائم ہیں یا ایک مفعول ہے ان مفعولات میں سے جو اللہ کے ساتھ قائم نہیں بلکہ بالکل جدا ہیں۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ برعکس اس کے حضرت مریم علیہا السلام والا نفخ اللہ کا ایک مفعول ہے۔ اور اللہ نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ اس کے حکم سے انجام پایا۔ بہرحال آدم علیہ السلام والا نفخ خواہ اللہ کا فعل ہو یا مفعول ہر حال میں پھونکی گئی روح مخلوق وغیر قدیم ہے۔ اور یہی مخلوق روح آدم کا مادہ ہے۔ لہٰذا ان کی روح بھی بدرجہ اولیٰ حادث و مخلوق ہوگی۔

کیا روح قدیم ہے یا حادث و مخلوق؟

اگر اسے حادث و مخلوق تسلیم کرلیں اور یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ روح اللہ کے امر میں سے ہے تو اللہ کا امر کس طرح حادث و مخلوق ہو سکتا ہے؟ حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے آدم میں اپنی روح پھونکی۔ یہ اضافت روح کی قدامت پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟ اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے خبر دی کہ اس نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی۔ اس میں ہاتھ اور روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے۔ اس اضافت کی کیا حقیقت ہے؟

یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں دنیا کے قدم ڈگمگا گئے اور بہت سی جماعتیں گمراہ ہو گئیں۔ اس پر انبیائے کرام کا اجماع ہے کہ روح حادث و مخلوق ہے اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اس کی پرورش دائرہ تدبیر کے اندر ہے۔ جس طرح انبیائے کرام کے دین میں یہ بات بدیہی ہے کہ عالم حادث ہے زندگی بعد الموت یقینی ہے تمام چیزوں کا صرف اللہ ہی خالق ہے اور اس کے سوا تمام چیزیں مخلوق ہیں اسی طرح روح کا حادث ہونا بدیہی ہے۔ بہترین زمانوں میں روح کے حادث و مخلوق ہونے پر اتفاق رہا ہے۔ کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ جب تابعین کا زمانہ ختم ہو گیا تو ان کے بعد ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے دعویٰ کیا کہ روح قدیم و غیر مخلوق ہے اور دلیل دی کہ روح اللہ کے امر میں سے ہے اور اللہ کا امر غیر مخلوق ہے۔ اللہ نے علم کتاب قدرت سمع بصر اور ہاتھ کی طرح روح کو بھی اپنی طرف

سے منسوب فرمایا ہے۔ پھر جس طرح وہ قدیم و غیر مخلوق ہیں اسی طرح یہ بھی قدیم و غیر مخلوق ہے۔ بعض لوگوں نے توقف سے کام لیا اور کہا کہ ہم نہ مخلوق ہی کہتے ہیں اور نہ غیر مخلوق۔

اس سلسلے میں ابن مندہ سے پوچھا گیا تو آپ نے یہ جواب دیا: ''ایک شخص نے مجھ سے روح کے بارے میں 'جسے اللہ نے مخلوق کے نفوس و اجسام کا منتظم بنایا ہے' پوچھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں نے روح پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے گمان میں روح غیر مخلوق ہے۔ (ان روحوں میں سے بعض نے قدسی ارواح کو خاص کیا ہے) اور اللہ کی ذات میں سے ہے۔''

اس میں اختلاف ہے کہ روح کیا ہے اور نفس میں اس کا مقام کہاں ہے:

1- بعض کے نزدیک تمام روحیں مخلوق ہیں اہلسنت والحدیث اسی کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رحمت عالمؐ نے فرمایا کہ روحیں جمع کیے ہوئے لشکر ہیں۔ پھر ان میں سے جن میں تعارف ہو جاتا ہے ان میں محبت ہو جاتی ہے اور جن میں تعارف نہیں ہوتا ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ روحیں مخلوق ہیں کیونکہ جمع کیا ہوا لشکر مخلوق ہی ہوتا ہے۔

2- بعض کہتے ہیں کہ روحیں اللہ کے امر میں سے ہیں اور اللہ نے مخلوق سے ان کی حقیقت و معرفت چھپا دی ہے۔ ان کی دلیل آیت قل الروح من امر ربی ہے' یعنی ''آپ ﷺ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے۔''

3- بعض کے نزدیک روحیں اللہ کے انوار و حیات میں سے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اللہ پاک نے اندھیرے میں مخلوق پیدا کی اور پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ پھر یہ اختلاف بیان کیا کہ روحیں مرتی ہیں یا نہیں۔ برزخ و آخرت میں جسموں کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے یا نہیں اور یہ کہ آیا روح نفس ہی ہے یا نفس کے علاوہ کچھ اور ہے؟

محمد بن نصر مروزی کے مطابق بے دینوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح کے بارے میں وہی تاویل کی ہے جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی روح کے بارے میں کی کہ روح اللہ کی ذات سے جدا ہو کر مریم میں آ گئی۔ اسی بنا پر عیسائیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی پرستش شروع کر دی کیونکہ ان کے گمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح ہیں جو مریم علیہا السلام پر اتر آئی۔ اس لیے روح ان کے نزدیک

غیر مخلوق ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح بھی اسی طرح غیر مخلوق ہے۔ یہ لوگ و نفخت فیہ من روحی (میں نے ان میں اپنی روح پھونک دی) ثم سواہ و نفخ فیہ من روحہ (پھر اللہ نے انہیں درست کر کے ان میں اپنی روح پھونک دی) کی باطل تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آدم کی روح غیر مخلوق ہے۔ جیسے روح کو نور کہنے والے یہ تاویل کرتے ہیں کہ رب کا نور غیر مخلوق ہے۔ کہتے ہیں پھر روح حضرت آدم کے بعد ان کے وصی میں آ گئی۔

مسلمانوں میں اس بات میں اختلاف نہیں کہ تمام روحیں مخلوق ہیں' خواہ انبیاء کی ہوں یا غیر انبیاء کی۔ اللہ نے انہیں ایجاد و اختراع کیا اور انہیں خلعت وجود بخشا۔ پھر دیگر مخلوق کی طرح انہیں بھی اپنی طرف منسوب کیا جیسے اس آیت وسخر لکم مافی السماوات و مافی الارض جمیعاً منہ (اللہ نے اپنی آسمان اور زمین کی تمام مخلوق تمہارے تابعدار بنادی) میں اللہ کی طرف تمام مخلوق کی نسبت ہے۔

تخلیق آدم کے سلسلے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے دن پیدا کیے گئے۔ اگر روحیں جسموں سے پہلے پیدا ہو چکی ہوتیں تو ان تمام مخلوقات میں داخل ہوتیں جو چھ دن میں پیدا کی گئی تھیں۔ چونکہ ان چھ دنوں میں تخلیق ارواح کی خبر نہیں دی گئی' اس لیے معلوم ہوا کہ خلق ارواح اولاد آدم کی پیدائش کے تابع ہے۔ ان چھ دنوں میں صرف آدم کی پیدائش ہوئی اور ان کی اولاد کی پیدائش حسب مشاہدہ ہر زمانے میں ہے۔ اگر روح کا بدن سے پہلے وجود ہوتا اور وہ زندہ اور علم و شعور والی اور صاحب گویائی ہوتی تو اسے کچھ تو دنیا میں' ''کہ اس عالم کی یاد ہوتی جہاں وہ ایک طویل زمانہ بسر کر چکی ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ روح میں حیات' علم' نطق اور ادراک ہو اور وہ روحوں کی جماعت میں ایک طویل زمانہ بھی گزارے' پھر جب بدن میں منتقل ہو تو اسے اپنے ماضی کا ذرا سا حال بھی معلوم نہ ہو۔ جب بدن سے جدا ہو کر اسے اپنے تمام تفصیلی حالات معلوم رہتے ہیں (حالانکہ بدن میں آ کر اس کے کمالات میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں) تو اسے اس زمانے کے حالات بدرجہ اولیٰ معلوم ہونے چاہئیں۔ جب کہ کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔

روحیں کہاں ٹھہرتی ہیں؟

موت کے بعد قیامت تک کے درمیانی وقفہ میں روحیں کہاں ٹھہرتی ہیں؟ کیا

آسمان میں رہتی ہیں یا زمین میں؟ کیا جنت میں ہیں یا نہیں؟ کیا انہیں کوئی نیا جسم دے دیا جاتا ہے جس میں انہیں ثواب و عذاب ہوتا ہے یا مجردہی رہتی ہیں؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور اس میں لوگوں کا بہت بڑا اختلاف ہے۔

درحقیقت اس قسم کے مسائل نقل پر موقوف ہیں۔ بعض کے نزدیک مومنوں کی روحیں اللہ کے پاس جنت میں رہتی ہیں خواہ شہید ہوں یا نہ ہوں بشرطیکہ کوئی کبیرہ گناہ یا قرض حائل نہ ہو۔ ان سے ان کا رب عفو و رحم سے پیش آتا ہے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا یہی قول ہے کہ بعض کے نزدیک وہ جنت کے دروازوں پر رہتی ہیں اور انہیں جنت کی ٹھنڈی ہوائیں، اس کی نعمتیں اور روزیاں پہنچتی رہتی ہیں۔ بعض کے نزدیک روحوں کی جماعت اپنی اپنی قبروں کے صحنوں میں رہتی ہے۔ امام مالکؒ کا بیان ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ روحیں آزاد ہیں اور جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ امام احمدؒ کے نزدیک کافروں کی روحیں جہنم میں اور مومنوں کی جنت میں رہتی ہیں۔ ابن مندہ کے مطابق صحابہؓ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مومنوں کی روحیں اللہ کے پاس رہتی ہیں۔ اسی طرح صحابہؓ اور تابعین کی دوسری جماعت کے نزدیک مومنوں کی روحیں جابیہ میں اور کافروں کی روحیں برھوت (حضر موت کے ایک کنویں) میں رہتی ہیں۔ صفوان بن عمر کے مطابق میں نے ابوالیمان عامر بن عبداللہ سے پوچھا "کیا مومنوں کی روحیں اکٹھی ہوتی ہیں؟" فرمایا "وہ زمین جس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ذکر کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے وہ زمین ہے جہاں قیامت تک مومنوں کی روحیں جمع رہتی ہیں۔" دیگر لوگوں نے کہا یہ وہ زمین ہے جس کا وارث اللہ دنیا میں مومنوں کو بنائے گا۔ کعب کی رائے میں مومنوں کی روحیں علیین میں ساتویں آسمان پر رہتی ہیں اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین پر سجین میں ابلیس کے لشکر کے نیچے رہتی ہیں۔ بعض کے نزدیک مومنوں کی روحیں زمزم میں اور کافروں کی حضر موت میں رہتی ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا کہ مومنوں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان رہتی اور جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔ اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں۔ بعض کے نزدیک مومنوں کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں اور کافروں کی روحیں ان کے بائیں طرف رہتی ہیں۔

ابن حزم وغیرہ کی رائے میں جہاں روحیں اجسام پیدا ہونے سے پہلے تھیں وہی

ان کی قرارگاہ ہے۔ یہی قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا "واذ اخذ ربک من بنی آدم" الخ (اور جب آپ کے رب نے آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی اور ان سے انہیں کے بارے میں، قرار کرایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ ہیں تاکہ تم سب قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔) فرمایا "ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم" الخ (ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔) معلوم ہوا کہ اللہ نے ایک ہی دفعہ تمام روحیں پیدا کیں۔ اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے بتایا کہ روحیں جمع کیا ہوا لشکر ہیں جن میں تعارف ہو جاتا ہے۔ ان میں دنیا میں محبت پیدا ہو جاتی ہے، ورنہ اجنبیت ہی رہتی ہے۔ اللہ نے روحوں سے اپنی ربوبیت کا قرار کرا لیا ہے اور انہیں گواہ بنایا ہے۔ روحیں مخلوق و مصور اور عقل والی تھیں، قبل اس کے کہ فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ملا اور قبل اس کے کہ روحیں جسموں میں داخل ہوں۔ اس وقت اجسام مٹی اور پانی تھے۔ پھر اللہ نے انہیں جہاں چاہا ٹھہرا دیا۔ اور وہ برزخ ہے جس کی طرف موت کے وقت لوٹ کر جاتی ہیں۔ پھر اللہ پاک ان کی یکے بعد دیگرے جماعتیں مٹی سے پیدا ہونے والے اجسام میں بھیجتا رہتا ہے۔ ابن حزم آگے فرماتے ہیں: "معلوم ہوا کہ ارواح اجسام ہیں جن میں ایک دوسرے کو پہچاننے کی صلاحیت ہے۔ بعض میں تعارف اور بعض میں اجنبیت رہتی ہے۔ ان میں تعارف پایا جاتا ہے اور پہچان کی قوت بھی۔ پھر اللہ انہیں جس طرح چاہتا ہے دنیا میں آزماتا ہے، پھر انہیں مار دیتا ہے اور وہ برزخ کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ اسی برزخ میں رحمت عالم ﷺ نے شب معراج میں پہلے آسمان پر دیکھا کہ سعادت مندوں کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف تھیں۔ اور بدبختوں کی بائیں طرف۔ یہ مقام عناصر کے ختم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ مگر انبیاء اور شہداء کی روحیں جنت میں ہیں۔ ابن راہویہ کا بھی یہ قول ہے اور اسی پر اہل علم کا اجماع ہے۔ قرآن حکیم بھی یہ کہتا ہے۔ فرمایا "فاصحاب المیمنۃ" الخ (دائیں والے کیا ہیں اور بائیں والے کیا ہیں بائیں والے اور سبقت کرنے والے ہیں، وہی مقرب ہیں اور نعمت والی جنتوں میں ہیں۔) ایک جماعت پہلوں میں سے ہے اور تھوڑے سے لوگ پچھلوں میں سے ہیں۔ فرمایا "فاما ان کان من المقربین" (اگر وہ مقرب لوگوں میں سے ہے تو

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے اور روزی ہے اور نعمت والی جنت ہے۔) پس روحیں مستقل طور پر وہاں رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ صور سے پھونکی جانے والی روحوں کی تعداد پوری ہو جائے اور قیامت قائم ہو جائے پھر اللہ پاک انہیں ان کے جسموں میں پھونک دے گا۔ یہی ثانوی زندگی ہے جس میں مخلوق سے حساب لیا جائے گا۔ ابن عبدالبر نے کہا شہداء کی روحیں جنت میں اور عام مومنوں کی روحیں اپنی اپنی قبروں کے صحن میں رہتی ہیں۔ مجاہد کے مطابق روحیں جنت میں تو نہیں ہیں۔ البتہ اس کے پھل کھاتی ہیں اور اس کی خوشبو سے لذت اندوز ہوتی ہیں۔ ابن شہاب سے روحوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا "مجھے خبر ملی ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی طرح عرش سے لٹکی ہوئی ہیں۔ صبح و شام جنت کے باغوں میں آتی جاتی ہیں۔ اور روز اللہ رب کے پاس جا کر سلام کر آتی ہیں۔ ابن عبدالبر نے ابن عمرؓ والی حدیث کی شرح میں فرمایا کہ مرنے کے بعد مردے پر صبح و شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت اور اگر جہنمی ہے تو جہنم۔ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ قیامت آنے کے بعد یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ روحیں قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ یہی صحیح ترین قول ہے کیونکہ صحیح حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ یہی قبروں کے صحن میں ہوتی ہیں یہ نہیں کہ وہیں رہتی ہیں اور وہاں سے کبھی ہٹتی نہیں۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا "ہمیں خبر ملی ہے کہ روحیں جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں اور وہاں سے کبھی ہٹتی ہی نہیں۔" امام مالک نے فرمایا "ہمیں خبر ملی ہے کہ روحیں جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں۔"

مجاہد سے ایک یہ بھی روایت ہے کہ روحیں مرنے کے بعد ابتدائی سات دن تک قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ اور وہاں سے ہٹتی نہیں۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ روحیں جسم کی طرح معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ روح کو حیات و ادراک کی طرح جسم کے عوارض میں سے مانتے ہیں۔ لیکن یہ قول قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ روحیں اپنے مناسب اخلاق و صفات والی روحوں کے اجسام میں رہتی ہیں۔ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں اور زندگی بعد الموت کو نہیں مانتے۔ یہ قول تمام اہل اسلام کے اقوال سے جدا گانہ ہے اور باطل ہے۔ اب ہم روحوں کے متعلق ان تمام خیالات پر تبصرہ اور تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

جو اس بات کے قائل ہیں کہ روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ ان کے حسب ذیل دلائل ہیں۔ (1) "فاما ان كان من المقربين" الخ (پھر اگر وہ مقرب حضرات میں سے ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے اور روزی ہے اور نعمت والی جنت ہے۔) روح کی یہ حالت موت کے وقت جسم سے نکلنے کے بعد بتائی گئی ہے۔

روحوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں: مقرب روحیں (ان کے بارے میں بتایا گیا کہ نعمت والی جنت میں ہیں) دائیں جانب والی روحیں (ان پر سلامتی کا حکم لگایا جو عذاب سے محفوظ رہنے پر بھی مشتمل ہے) اور جھٹلانے والی گمراہ روحیں (ان کے بارے میں بتلایا گیا کہ ان کی کھولتے ہوئے پانی اور دخول جہنم سے تواضع کی جاتی ہے)۔ ظاہر ہے کہ یہ احکام روحوں پر بدنوں سے جدا ہونے کے بعد لاحق ہوتے ہیں۔ اسی سورۃ کے شروع میں روحوں کے قیامت کے دن والے احوال بتائے گئے ہیں۔ یعنی اول سورۃ میں قیامت کبریٰ کے بعد والے حالات ہیں۔ اور آخر میں قیامت صغریٰ کے بعد کے حالات ہیں۔

(2) "يا ايتها النفس المطمئنة" الخ (اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف راضی خوشی لوٹ جا۔ رب بھی تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں میں شامل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔)

بعض علماء کہتے ہیں کہ مومنوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ خواہ شہید ہوں یا نہ ہوں۔ بشرطیکہ کوئی گناہ کبیرہ یا قرض انہیں جنت سے نہ روکے۔ اور حق تعالیٰ ان سے اپنی مہربانی اور معافی سے پیش آتا ہے۔ ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ مومنوں کی روحیں علیین میں اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں۔ مگر اس قول سے حدیث ٹکراتی ہے کہ مرنے کے بعد مردے پر اس کا جنتی یا جہنمی ٹھکانا صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اور قیامت تک پیش کیا جاتا رہے گا۔ بعض علماء کے نزدیک حدیث کا یہ مطلب ہے کہ عام مومنوں کی نہیں بلکہ شہیدوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے: "ولا تحسبن الذين قتلوا" الخ یعنی جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس سے روزی ملتی ہے اور اللہ کے عطا کردہ فضل سے خوش ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ شہید صبح و شام جنت میں آتے جاتے ہیں اور عرش سے لٹکی ہوئی قندیلوں میں ان کا ٹھکانا ہے۔ حق تعالیٰ ان سے

پوچھتا ہے کہ میں نے تمہیں جو عزت دے رکھی ہے کیا تمہارے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی عزت ہے؟" کہتے ہیں" نہیں۔ ہاں یہ تمنا ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ ہم پھر تیری راہ میں شہید ہوں جب (احد کے دن) تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھیں۔ وہ جنت کی نہروں پر آتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے سائے میں لگی ہوئی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ جب انہوں نے عمدہ کھانا اور رہائش گاہ دیکھی تو تمنا کی کہ ہمارے بھائیوں کو بھی خبر ہو جائی کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں تاکہ وہ جہاد سے نہ رکتے۔" حق تعالیٰ نے فرمایا۔" تمہارا پیغام میں پہنچائے دیتا ہوں۔" چنانچہ یہ آیت ولا تحسبن الـذین۔ الخ اتاری گئی (احمد' ابوداؤد)

حضرت ابن مسعود سے اسی آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا" ہم نے بھی اس کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں' اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں۔ پھر قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ ایک دفعہ حق تعالیٰ نے انہیں جھانک کر دیکھا اور پوچھا کچھ خواہش ہے؟ بولیں' جنت میں سب کچھ میسر ہے' اور کیا خواہش ہو۔ مگر حق تعالیٰ نے بار بار یہی سوال کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جواب دیے بغیر چارہ نہیں تو بولیں' یارب ہم چاہتی ہیں کہ ہمیں پھر جسموں میں لوٹا دیا جائے تاکہ پھر تیری راہ میں شہید ہوں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کی کوئی خواہش نہیں تو چھوڑ دیا۔" (مسلم) ام حارثہ بن سراقہ نے رسول ﷺ سے آ کر کہا اے اللہ کے نبی آپ مجھے حارثہ (جو بدر کے دن نامعلوم تیر سے شہید ہو گئے تھے) کے بارے میں بتایئے۔ اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی ورنہ جہاں تک ممکن ہوگا روؤں گی۔ آپ نے فرمایا" اے ام حارثہ کئی جنتیں ہیں' اور تمہارا بیٹا سب سے اعلیٰ جنت الفردوس میں ہے۔"

ابن عباس کا بیان ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں متحرک ہیں اور جنت کے پھل کھاتی پیتی ہیں۔ قتادہؒ کا بیان ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ شہیدوں کی روحیں سفید پرندوں کی اشکال میں ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔ ابن عمروؓ کا بیان ہے کہ شہیدوں کی روحیں چڑیا سے کچھ بڑے پرندوں میں ہیں جن میں باہمی تعارف بھی ہے اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

کیا اجسام کے ساتھ روحیں بھی فنا ہو جاتی ہیں؟

یہ ان کا عقیدہ ہے جو روحوں کو عوارض اجسام میں سے مانتے اور انہیں زندگی سمجھتے ہیں۔ جیسے ابن باقلانی وغیرہ۔ یہی ابو الہذیل علاف کا قول ہے لیکن انہوں نے روح کی حیات سے تعبیر نہیں کی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جسم کی موت سے دیگر تمام اعراض کی طرح روح بھی مر جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا ہر تغیر کے بعد ایک نئی روح کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ یعنی زندگی کے تھوڑے سے زمانے میں انسان کی ہزاروں روحیں پیدا اور ختم ہوتی رہتی ہیں اور مرنے پر پچھلی روح بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آسمان پر چڑھنے اترنے اور قبر میں آنے جانے' فرشتوں کے پکڑنے چھوڑنے اور عذاب و ثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس اللہ تعالیٰ جسم کو عذاب اور ثواب پہنچاتا ہے اور جب جسم کو عذاب و ثواب پہنچاتا ہے تو اس وقت زندہ کر دیتا ہے۔ روحوں کا بالذات و مستقل وجود نہیں ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ زندگی محض دمچی کی ہڈی میں لوٹائی جاتی ہے اور اسی کو عذاب و ثواب پہنچتا ہے۔

یہ قول قرآن و حدیث اور اجماع کے خلاف ہے اور عقلی و فطری دلائل بھی اسے رد کر دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے روحوں کو نکلنے اور داخل ہونے کا اور لوٹ آنے کا حکم دیا ہے۔ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور وہ سجدہ اور گفتگو کرتی ہیں۔ وہ پانی کے قطرے کی طرح جسم سے نکل آتی اور جنت یا جہنم کے کفنوں میں لپٹی جاتی ہیں۔ انہیں ملک الموت اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور پھر اس کے ہاتھ سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ ان سے خوشبو یا بدبو نکلتی ہے۔ انہیں ایک آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان تک پہنچاتے ہیں' پھر وہ فرشتوں کے ساتھ زمین ہی پر بھیج دی جاتی ہیں۔ مرنے والا شخص روح کو نکلتے ہوئے دیکھتا ہے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں ایک سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ حلق تک پہنچ جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں ارواح کی باہمی ملاقات اور ان میں باہمی تعارف بھی ہوتا ہے اور وہ ایک جگہ جمع کیا ہوا لشکر ہیں۔ یہ تمام دلائل مذکورہ بالا قول کی تردید کرتے ہیں۔

روح کا اجسام پر قیاس نہیں کرنا چاہیے' بلکہ روحیں جنت میں ہونے کے باوجود آسمان پر بھی ہیں اور قبر کے پاس بھی۔ نیز قبر والے بدن میں بھی ہیں۔ یہ اترنے چڑھنے میں انتہائی تیز رفتار ہیں۔ روحیں آزاد بھی ہیں' محبوس بھی' علوی بھی اور سفلی بھی۔ انہیں مل

سے جدا ہونے کے بعد صحت وبیماری اور لذت ودکھ بدنی حالت اتصال سے کہیں زیادہ پہنچتا ہے۔ ان کا حال جنین سے اور پیدا ہونے کے بعد بچے سے ملتا جلتا ہے۔

روحوں کے چار گھر ہیں اور ہر گھر سابق گھر سے بڑا ہے۔ پہلا گھر ماں کا پیٹ ہے جو محدود' تنگ' تاریک اور تین تین اندھیروں سے گھرا ہوا ہے۔ دوسرا گھر دنیا ہے جہاں انسان خیر وشر اور سعادت وشقاوت کی کھیتی کرتا اور ان کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ تیسرا گھر برزخ ہے جو دنیا سے وسیع اور بہت بڑا ہے' بلکہ ان دونوں کی نسبت وہی ہے جو سابقہ دو گھروں میں تھی۔ چوتھا گھر آخرت ہے' یعنی جنت یا جہنم۔ آگے کوئی گھر نہیں۔ حق تعالیٰ بتدریج انسان کو ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل کرتا ہوا آخری گھر (آخرت) میں لے آتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا تھا اور جس کی تخلیق سے غرض اس گھر کی شقاوت و سعادت کا حصول تھا۔ ہر گھر کے حالات واحکام جداگانہ ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو دنیا میں آ کر سعادت کے اسباب پیدا کرتے ہیں اور شقاوت کے کانٹوں سے دامن بچا کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ توحید اتباع رسولؐ اور خواہشات سے بچنے سے حاصل ہوتی ہے۔

کیا روحوں میں بھی تمیز ہے؟

جب روحوں کے اوصاف ہیں تو اجسام سے زیادہ ان میں تشخص وامتیاز ہے۔ بلکہ اجسام میں تو کبھی کبھی مشابہت پائی بھی جاتی ہے مگر روحوں میں قطعی مشابہت نہیں۔ ہم نے انبیاء' صحابہ اور آئمہ کے اجسام نہیں دیکھے' حالانکہ وہ ہمارے علم میں شخصی خصوصیات کے مالک ہیں یہ امتیازی خصوصیات محض ان کے اجسام ہی کے نتائج نہیں (گو ان کے اجسام کی خصوصی صفتیں بتا دی گئی ہیں) بلکہ ان کی ارواح کی صفات وعوارض کے نتائج ہیں۔ صفات کے اعتبار سے اجسام سے زیادہ ارواح میں تشخص ہے۔ مومن وکافر کے جسم بہت باتوں میں ملتے جلتے ہیں۔ لیکن روحوں میں عظیم ترین فرق وامتیاز ہے۔ دو حقیقی بھائیوں کے اعضاء میں کافی مشابہت ہوتی ہے مگر اس سے زیادہ ان کی روحوں میں فرق ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں روحیں اپنے' اپنے بدنوں سے جدا ہو جائیں تو ان کا باہمی تمیز وفرق صاف ظاہر ہوگا۔ احوال روح احوال جسم سے جداگانہ ہیں۔ دو متناسب اور ہم مثال روحوں میں انتہائی قرب ہوتا ہے۔ اگرچہ تن میں انتہائی دوری ہوتی ہے۔ روح کا اترنا چڑھنا اور نزدیک ودور ہونا بدن کے اتار چڑھاؤ اور قرب وبعد کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ روح ذرا سی دیر میں (قبض

کیے جانے کے بعد سے قبر میں رکھے جانے تک) ساتویں آسمانوں پر چڑھ کر اتر بھی آتی ہے جو بدن کے لیے ناممکن ہے۔ اسی طرح خواب وبیداری میں روح چڑھتی واترتی ہے۔

بعض کے نزدیک روحیں بھی مرتی ہیں کیونکہ روح بھی نفس ہے اور ہر نفس کے لیے موت ہے۔ معلوم ہوا کہ بجز حق تعالیٰ کے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ جو روئے زمین پر ہیں سب فنا ہو جائیں گے' بس جلال وعزت والے رب کی ذات باقی رہے گی۔ جب فرشتوں کو موت ہے تو ارواح بشریہ کو بدرجہ اولیٰ موت ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے جہنمیوں کی طرف سے نقل فرمایا کہ وہ کہیں گے' اے رب تو نے دوبارہ ہمیں موت دی اور دوبارہ ہی زندگی بخشی۔ لہٰذا ان دونوں موتوں میں سے پہلی موت تو جسم کی ہے اور دوسری روح کی۔ لیکن بعض کے نزدیک روحوں کو موت نہیں ہے۔ کیونکہ انہیں زندگی ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ بس جسم ہی مرتے ہیں۔ کیونکہ بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر بدن میں آنے تک روح پر عذاب وثواب ہوتا ہے' جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر روحیں بھی مر جاتیں تو پھر ان پر عذاب وثواب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ''ولاتحسبن الذین قتلوا'' الخ یعنی تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ نہ سمجھو' بلکہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رب کے پاس روزیاں دی جاتی ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انہیں دیا ہے اس سے خوش ہیں' اور اپنے پسماندگان سے (جو ان سے نہیں ملے) خوش ہیں۔ حالانکہ ان کی روحیں جسموں سے جدا ہو چکیں اور وہ موت کا ذائقہ چکھ چکے۔ اگر روحوں کی موت سے ان کا بدنوں سے جدا ہونا مراد ہے تو بلاشبہ روحیں بھی مرتی ہیں۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ وہ جسموں کی طرح عدم محض میں گم ہو جاتی ہیں تو بلاشبہ روحیں نہیں مرتیں' بلکہ پیدا ہونے کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہیں۔ خواہ ثواب میں رہیں یا عذاب میں۔ صریح دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روحیں عالم برزخ میں عذاب وثواب میں رہتی ہیں۔ جب تک اللہ پھر انہیں ان کے جسموں میں نہ لوٹا دے۔

احمد بن حسین کندی نے اس اختلاف کو دو شعروں میں بیان کر دیا ہے'' کہ لوگوں میں یہاں تک اختلاف ہے کہ بجز موت کے کسی بات پر بھی اتفاق نہیں۔ بلکہ موت میں بھی اختلاف ہے۔'' بعض کہتے ہیں روح صحیح سالم رہے گی اور بعض کہتے ہیں روح کو بھی موت ہے۔ اللہ نے فرمایا و نفخ فی الصور۔ الخ یعنی صور پھونکا جائے گا پھر تمام آسمانوں و

رہنے والے مر جائیں گے مگر جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ بعض کے نزدیک شہید موت سے مستثنیٰ ہیں۔ بعض کے نزدیک چاروں بڑے فرشتے' بعض کے نزدیک حوریں اور جنتی اور جہنم کے محافظ وغیرہ۔ امام احمد سے منقول ہے کہ نفخ صور کے وقت حور و غلمان نہیں مریں گے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا'' لایذوقون فیها الموت الاالموتته لاولی'' یعنی جنتی جنت میں موت نہیں چکھیں گے۔ بس انہیں دنیا میں موت آ چکی ہے۔ ورنہ دو موتیں ہو جائیں گی۔ رہا جنتیوں کا یہ قول کہ'' اے رب تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندگی بخشی'' تو اس کی تفسیر بقرہ والی آیت'' کیف تکفرون باللہ '' الخ میں ہے۔ یعنی تم اللہ کا کیسے انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے' پھر اللہ نے تمہیں زندگی دی۔ پھر وہ تمہیں مار دے گا اور پھر زندگی دے دے گا۔ یعنی باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں میں نطفوں کی شکلوں میں مردہ (معدوم) تھے' پھر اس کے بعد اللہ نے حیات بخشی۔ پھر مار کر قیامت کے دن حیات بخش دے گا۔ اس آیت میں قیامت سے پہلے نفخ صور سے روحوں کو مارنا مراد نہیں ہے۔

کیا روحیں آپس میں زیارت و ملاقات اور مذاکرہ کرتی ہیں؟

یہ ایک اہم اور عظیم مسئلہ ہے روحوں کی دو قسمیں ہیں' تجین والی روحیں اور علیین والی روحیں۔ تجین والی روحیں تو عذاب میں مبتلا ہیں' ان کو ملنے جلنے کی کہاں فرصت۔ لیکن راحت والی اور آزاد روحیں آپس میں ملتی جلتی ہیں اور دنیا میں ان پر جو واقعات گزرے ہیں انہیں یاد کرتی ہیں۔ اور وہ ان واقعات پر بھی گفتگو کرتی ہیں جو دنیا والوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔

ہر روح اپنی رفیق اور ہم شکل عمل والی روح کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ اسی لیے پیغمبر اسلام کی روح رفیق اعلیٰ میں ہے۔ فرمایا'' ومن یطیع اللہ و رسولہ '' الخ یعنی جو اللہ کی اور رسول کی تابعداری کرے گا وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کا انعام ہے۔ یعنی انبیاء' صدیق' شہید اور نیک حضرات کے ساتھ اور وہ بہترین رفیق ہیں۔ مل جل کر رہنا دنیا میں بھی پایا جاتا ہے' اور برزخ و عالم آخرت میں بھی پایا جائے گا۔ ان تینوں گھروں میں انسان اپنے احباب کے ساتھ رہتا ہے۔

مسلمان علماء کے خیال میں جس طرح کافر اور اہل ایمان یا مسلم اور غیر مسلم اپنی دنیاوی زندگی میں مختلف ہیں' اس طرح ان کی آخری زندگی یا موت کے بعد روحوں سے

سلوک بھی مختلف ہوگا۔ اس کے بعد اہل ایمان میں بھی روحانی حالتوں کے مختلف مدارج ہیں۔ قرآن کریم میں روح کے اوصاف کئی جگہوں پر بیان کیے گئے۔ قرآن کے مطابق روح اندر یا باہر آتی جاتی ہے۔ روح کو قبض کیا اور اٹھایا جاتا ہے۔ روح اپنے مستقر کی طرف چڑھتی ہے اور اس کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے یا بند کر دیے جاتے ہیں:
'' ولوتری اذا الظالمون فی غمرات '' الخ' کاش آپ دیکھتے جب ظالم سکرات موت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتے ہیں اپنی روحیں نکالو۔ فرمایا'' یاایتها النفس المطمئنة '' الخ اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ تو بھی اس سے خوش ہے اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے۔ لہٰذا میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب روح جسم سے الگ کی جاتی ہے۔ فرمایا'' ونفس وماسواها '' الخ' روح کی اور روح کو ٹھیک ٹھاک کرنے والے کی قسم جس نے اس کے دل میں اس کی برائی اور بھلائی ڈالی۔ یہاں اللہ نے فرمایا کہ اس نے بدن کی طرح روح بھی ٹھیک ٹھاک کی۔ فرمایا'' یاالذی خلقک فسواک '' الخ' جس نے تجھے بنایا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر کیا' بلکہ بدن کو اس لیے درست کیا کہ روح کا قالب بن جائے۔ لہٰذا بدن کا درست کرنا روح کے درست کرنے کے تابع ہے' کیونکہ بدن روح کا محل ہے جیسے قالب کسی چیز کا محل ہوتا ہے جس میں وہ چیز ڈھالی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ روح کی بھی شکل و صورت ہے اور بدن سے مل کر حسی صورت اختیار کر لیتی ہے جس سے انسان ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتا ہے کیونکہ بدن کی طرح روح بھی متاثر و منفعل ہوتی ہے اور جسم پاکیزہ یا گندی روح سے پاکیزگی یا گندگی حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا بدن و روح میں جس قدر ربط و تناسب اور تاثیر و انفعال ہے ایسا کسی جوڑے میں نہیں۔ اسی وجہ سے جدا ہونے کے وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ اے پاکیزہ روح جو پاکیزہ جسم میں ہے' اور اے گندی روح جو گندے جسم میں ہے نکل آ۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے فرمایا'' اللہ یتوفی الانفس '' الخ' اللہ موت کے وقت روحیں پوری پوری لیتا ہے اور جن کی موت نہیں انہیں خواب میں لے لیتا ہے' پھر جن پر موت کا فیصلہ ہو چکا انہیں روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقررہ مدت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس آیت میں روحوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہیں اٹھایا' روکا اور چھوڑا جاتا ہے۔ جیسے پہلی آیتوں میں کہا گیا تھا

کہ وہ داخل' خارج ہوتی' لوٹتی ہیں اور انہیں درست کیا جاتا ہے۔ رحمت عالمؐ نے بتایا کہ جب قبض کیے جانے کے بعد روح اوپر چڑھتی ہے تو مرنے والے کی آنکھ اسے دیکھتی ہے اور یہ بھی بتایا کہ ملک الموت روح قبض کرتے ہیں' پھر ان کے ہاتھ سے فرشتے لے لیتے ہیں' پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکلتی ہے یا سڑی ہوئی لاش کی بدبو سے بھی زیادہ بدبو نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عوارض کی نہ بو ہوتی ہے نہ انہیں روکا جاتا ہے اور نہ انہیں ہاتھ بہ ہاتھ لیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ روح آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اس پر آسمان و زمین کے درمیان کا ایک ایک فرشتہ نماز پڑھتا ہے' اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک چڑھتی ہوئی اس آسمان تک پہنچ جاتی ہے جہاں حق تعالیٰ ہے' پھر اس کے سامنے کھڑی کر دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام علیین میں یا سجین والوں کے کھاتے میں لکھ لیا جائے۔ پھر زمین کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور کافر کی روح پھینک دی جاتی ہے۔ نیز روح قبر میں سوال کے لیے بدن کے ساتھ داخل ہوتی ہے۔ رحمت عالمؐ نے یہ بھی بتایا کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کا پھل کھاتا رہتا ہے' جب تک حق تعالیٰ پھر اسے اس کے جسم میں نہ لوٹا دے۔ یہ بھی بتایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں جو جنت کی نہروں پر آتی جاتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔ روح پر برزخ میں قیامت تک عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے قوم فرعون کی روحوں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں قیامت تک صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا۔ شہیدوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔

اس زندگی سے روحوں کی زندگی مراد ہے اور انہیں برابر غذا ملتی رہتی ہے۔ ورنہ ان کے جسم تو کبھی کے فنا ہو چکے پھر آپ ﷺ نے اس زندگی کی تفسیر بیان فرمائی کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے جوف میں ہیں۔ جن کے لیے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ وہ جنت میں چرتی پھرتی ہیں' پھر ان چراغوں میں آ کر بسیرا کرتی ہیں۔ ان کا رب انہیں جھانک کر پوچھتا ہے کہ کچھ خواہش ہے؟ وہ کہتی ہیں کہ ہم جنت میں حسب مرضی چرتی پھرتی ہیں اب اور کیا خواہش ہوگی۔ حق تعالیٰ تین دفعہ بار بار یہی پوچھتا ہے۔ جب وہ دیکھتی ہیں کہ جواب دیئے بغیر چارا نہیں تو کہتی ہیں کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمیں اپنے جسموں کی

طرف لوٹا دیا جائے۔ تاکہ ہم دوسری دفعہ تیری راہ میں شہید ہو جائیں۔ آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں اور جنت کے پھل کھاتی رہتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا' "جنگ احد میں جب تمہارے بھائی شہید ہو گئے تو حق تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دی جو جنت کی نہروں اور پھلوں میں سے کھاتی پیتی ہیں اور عرش کے سائے میں سونے کے چراغوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ پھر جب انہوں نے اپنا پاکیزہ کھانا پینا اور آرام کی خوبصورت جگہ دیکھی تو کہنے لگیں کاش ہمارے بھائیوں کو بھی معلوم ہو جاتا کہ اللہ نے ہمارے لیے کیا نعمتیں فراہم کر رکھی ہیں تاکہ انہیں بھی جہاد کی رغبت ہو اور لڑائی سے پیچھے نہ ہٹیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں خبر کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت اتاری کہ تم انہیں جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس روزی پہنچائی جاتی ہے (احمد) یہ روایت روحوں کے کھانے پینے' حرکت و انتقال اور بات چیت کرنے کے بارے میں صاف ہے۔"

یہ امر ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مسلمانوں میں مسئلۂ روح اہل تصوف کی جانب سے بھی آیا جو روحانی ترقی پر زیادہ زور دیتے تھے۔ عام مسلمان کے عقائد تو صرف اتنے سے ہیں کہ خدا نے روز ازل مٹی کے پتلے میں روح پھونکی' انسان کو دنیا میں بھیجا' موت کے بعد روح آسمان پر چلی جاتی ہے' قیامت کے دن روحوں کو حاضر کر کے اعمال کا حساب ہوگا' نیک جنت اور بد دوزخ میں جائیں گے۔
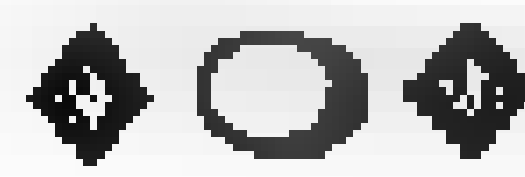
2

عیسائیت کی ''روح القدس''

عیسائیت غالباً واحد ایسا وسیع مذہب ہے جس میں روح کا تصور ہی سب سے بڑی بنیاد ہے۔ عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ انسان ذات خداوندی تک نہیں پہنچ سکتا' وہ انسانی فہم وادراک سے ماوراء ہے۔ ہم خدا کے بارے میں صرف اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا وہ اپنے آپ کو ظاہر کرے۔ خدا واحد ہے اور اس وحدت میں کثرت ہے' اور یہ کثرت تثلیثی ہے جو باپ اور بیٹے اور روح القدس پر مشتمل ہے: ''میں وہی ہوں' میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں ۔۔۔ اور اب خداوند نے اور اس کی روح نے مجھ (بیٹا) کو بھیجا۔'' (یسعیاہ) تثلیث فی التوحید کی مثال پانی سے دی جاتی ہے یعنی یہ مائع' ٹھوس (برف) اور بھاپ کی شکل میں ہوتا ہے' لیکن ہے تو بہر حال پانی۔ لہٰذا باپ اور بیٹا ایک ہی ہوتے اور ان دونوں کا باہمی وسیلہ روح القدس ہے۔ روح القدس کا تصور اپنے اندر کافی پیچیدگی رکھتا ہے' لیکن اس پر بات کرنے سے پہلے عیسائیت میں روح القدس اور جسم اور جان کے تعلق پر غور کرتے ہیں۔

عیسائی عقیدے کے مطابق انسان سہ جزی ہستی ہے' یعنی انسان تین اجزا' بدن' جان اور روح پر مشتمل ہے۔ ''خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے آپ ہی تم کو بالکل پاک کرے اور تمہاری روح اور جان اور بدن ہمارے خداوند یسوع مسیح کے آنے تک پورے پورے اور بے عیب محفوظ رہیں۔'' تھسلنیکیوں کی یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ انسان کے تین حصے ہیں جو امتیازی ہیں' ان کا امتیاز بہت خفیف ہو سکتا ہے لیکن ان میں فرق ضرور ہے۔ خدا نے

انسان کو زمین کی مٹی سے بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو وہ جیتی جان ہوا۔

1۔ انسان کا جسم

یہ انسان کا طبعی حصہ ہے اور ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ ''میں تیرا شکر کروں گا کیونکہ میں عجیب و غریب طور سے بنا ہوں۔'' بائبل بتاتی ہے کہ انسان کا بدن زمین کی مٹی سے ترتیب دیا گیا۔ پیدائش 193 میں انسان کی برگشتگی کے بعد خدا اسے لعنت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ''تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا جب تک کہ پھر زمین میں لوٹ نہ جائے اس لیے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے کیونکہ تو خاک ہے اور خاک میں پھر لوٹ جائے گا۔'' زبور 14:139

انسان کے بدن میں پانچ حواس ہیں (حواس خمسہ)' دیکھنا' سننا' چکھنا' چھونا' سونگھنا۔ ہر قسم کے سرور' درد' احساس یا لیاقت / صلاحیت کا اظہار اس طبعی بدن ہی کے وسیلہ سے ہوتا ہے۔

برگشتگی کے بعد یہ بدن مرنے والا (جس کا انجام موت ہو) بدن بن گیا۔

''آدمیوں کے لیے ایک بار مرنا ۔۔۔ مقرر ہے۔'' باغ عدن میں گناہ میں گرنے (برگشتگی) کے بعد انسان کے لیے۔ عبرانیوں 27:9۔

2۔ انسان کی روح

روح انسان کو خدا کا شعور بخشتی ہے' یعنی خدا کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔

خدا نے انسان کے نتھنوں میں زندگی کا دم (ہوا' سانس) پھونکا۔

کسی نے کہا ہے کہ انسان ''مٹی ہے جس میں خدا نے دم پھونکا۔''

روح بدن اور جان کی وساطت سے خارجی اور مادی اشیا کے تاثرات وصول کرتی ہے لیکن اس کا تعلق اعلیٰ سطح سے ہے اور اپنی افضل تر صلاحیتوں اور حواس کے باعث خدا کا براہ راست عرفان حاصل کر سکتی ہے۔ روح انسانی شخصیت میں خدا کا صدر مقام ہے۔

''خدا روح ہے۔'' یوحنا 24:4۔ انسانی روح انسان کا وہ حصہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ ایمانداروں کی نجات کی تسلی سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ رومیوں 16:8۔ ''روح خود ہماری روح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔''

واعظ 7:12۔ سکھاتا ہے کہ موت کے وقت بدن مٹی میں واپس جاملتا ہے اور روح خدا کے پاس واپس جاتی ہے ''اور خاک سے جاملے جس طرح آگے ملی ہوئی تھی اور روح خدا کے پاس جس نے اسے دیا تھا واپس جائے۔''

واعظ 21:3۔ کون جانتا ہے کہ انسان کی روح اوپر چڑھتی اور حیوان کی روح زمین کی طرف نیچے کو جاتی ہے؟''

لوقا 20:12۔ ''مگر خدا نے اس سے کہا' اے نادان! اسی رات تیری جان تجھ سے طلب کرلی جائے گی۔''

''غریب آدمی کی جان ابرہام کی گود میں پہنچی۔'' لوقا 22:16۔ اور ''امیر آدمی کی جان دوزخ میں ڈالی گئی۔'' لوقا 23:16۔

چنانچہ موت کے وقت انسان تین جگہوں کو جاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سہ جزی ہستی ہے۔

3- انسان کی جان

جان اپنے آپ کا شعور رکھتی ہے۔ یہ انسان کی انفرادی اور شخصی زندگی کی نمائندہ ہے۔ بائبل میں بھوکی جان' تھکی جان یرمیاہ 25:31' پیاسی جان زبور 2:42' آزردہ جان ایوب 25:30' پیار کرنے والی جان غزل الغزلات 7:1 کا ذکر آیا ہے۔

جان انسان کا وہ حصہ معلوم ہوتی ہے جو جسم اور روح کی درمیانی حیثیت رکھتا ہے۔ تو بھی وہ دونوں کی آمیزش نہیں' البتہ ایسا لگتا ہے کہ وہ بعض اوقات روح یا جسم کی کوئی نہ کوئی صفت اختیار کرتا ہے۔ جان مادی اور روحانی عالموں کو جوڑتی ہے۔

جان کا یہ کام ہے کہ جسم اور روح کی سرگرمیوں میں ہم آہنگی پیدا کرے۔

جسم سب سے ادنیٰ اور روح سب سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ جان کا کام جسم کو روح کے تابع رکھنا ہے۔

خدا نے مقرر کیا ہے کہ پاک روح انسانی روح میں بسے اور اس پر حاکم ہو۔ اور انسانی روح انسان کو ہر وقت خدا سے آگاہ رکھے' بدن اور جان پر حکمران ہو اور ہر چیز میں اپنی فوقیت برقرار رکھے۔

مسیح صلیب پر اس لیے موا کہ انسان کی جان کا فدیہ دے...... بلکہ ایمان رکھنے

والے ہیں کہ جان بچائیں۔'' عبرانیوں 39:10۔

''کلام۔ تمہاری روحوں کو نجات دے سکتا ہے۔'' یعقوب 21:1۔

''کیونکہ ان کی جان کا فدیہ گراں بہا ہے۔'' زبور 8:49۔

لوقا 23:6 سے پتا چلتا ہے کہ جان کو سزا ملتی ہے۔

روح القدس کا تصور اپنے اندر بہت سی پیچیدگیاں اور Paradoxes لیے ہوئے ہے۔ بہت سے عیسائی روح القدس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اصل میں ان کا ایمان صرف خدا باپ اور خدا بیٹے پر ہی ہوتا ہے اور وہ روح القدس کو محض ایک خادم سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ روح القدس بھی تثلیث کے باقی دو ارکین کے برابر ہے۔ عیسائیت کے مطابق روح القدس ایک زندہ ہستی ہے کیونکہ ہم اس سے مخاطب ہو سکتے ہیں یا اس سے دور رہ سکتے ہیں' اس پر اعتماد یا شک کر سکتے ہیں' اس سے محبت یا نفرت کر سکتے ہیں اور اس کی تعریف یا اس کی بے عزتی کر سکتے ہیں۔

اگر روح القدس زندہ شخص ہے' پاک خدا ہے اور باپ اور بیٹے کے برابر ہے تو اس کی بھی ان ہی کی طرح پرستش ہونی چاہیے۔

کلمات برکت اور بپتسمہ کے کلمات میں روح القدس کا نام باپ اور بیٹے کے نام کے ساتھ آتا ہے۔

اگر روح القدس محض اثر یا قوت ہے تو پھر اس کے لیے غیر ذاتی اسما اور غیر ذاتی اسمائے ضمیر استعمال کرنے چاہئیں۔ روح القدس کو اثر یا قوت سمجھنا غیر مسیحی تصور ہے۔ اگر وہ ایک شخص یا ہستی ہے تو اسے ذاتی اسم یا اسم معرفہ سے مخاطب کرنا چاہیے۔

اگر وہ شخص ہے تو ہماری اس سے ذاتی اور قریبی واقفیت یا پہچان ہونی چاہیے۔

بائبل مقدس میں روح القدس کے لیے اسمائے ذات استعمال ہوئے ہیں۔ اردو کی گرامر کا یہ فرق نمایاں نہیں ہے لیکن جو لوگ انگریزی زبان سے واقف ہیں وہ غیر ذاتی اسم It اور اسم ذات He کے فرق کو بخوبی سمجھتے ہیں۔

''لیکن جب وہ مددگار آئے گا...... تو وہ میری گواہی دے گا۔'' یوحنا 26:15۔

''اور وہ آ کر دنیا کو...... قصور وار ٹھہرائے گا۔'' یوحنا 13:16 ''لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔'' یوحنا 8:16۔

''لیکن جب وہ Hoe میرا اجلال ظاہر کرے گا۔ اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔'' یوحنا14:16۔

یونانی زبان میں ''روح'' کے لیے عام طور پر بے جنس اسم ضمیر استعمال ہوتے ہیں لیکن نئے عہد نامہ میں خلاف معمول مذکر اسمائے ضمیر استعمال ہوئے ہیں۔

یوحنا 7:16، 15-18 میں روح القدس کے لیے بارہ دفعہ یونانی مذکر اسم ضمیر ایکینوس (ekeinos) استعمال ہوا ہے۔

روح القدس شخصی خصوصیات کا حامل ہونے کی وجہ سے ایک شخص بھی ہے۔ وہ قوت ارادی، فہم، علم، قدرت، محبت اور رنجیدگی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

الف) قوت ارادی: ''لیکن یہ سب تاثیریں وہی ایک روح کرتا ہے اور جس کو جو چاہتا ہے بانٹتا ہے۔'' کرنتھیوں 11:12۔

ب) فہم: ''اور تو نے اپنی نیک روح بھی ان کی تربیت کے لیے بخشی۔'' اشیا قوت میں علم نہیں ہوتا کہ وہ کسی کی تربیت کر سکے۔ نحمیا 20:9۔

ج) علم: ''......انسانوں میں سے کون کسی انسان کی باتیں جانتا ہے سوا انسان کی اپنی روح کے جو اس میں ہے؟ اسی طرح خدا کے روح کے سوا کوئی خدا کی باتیں نہیں جانتا۔'' کرنتھیوں 12-10:2۔ روح القدس کے پاس علم ہے۔ اور وہ باتوں کو جانتا ہے۔

د) قدرت: ''جب روح القدس تم پر نازل ہوگا تو تم قوت پاؤ گے۔'' اعمال 8:1۔ روح القدس نے بڑی قدرت سے پطرس کو تبدیل کر دیا۔

ہ) محبت کی صلاحیت: ''......روح کی محبت کو یاد دلا کر......'' رومیوں 30:15۔

و) رنجیدہ ہونے کی صلاحیت: ''خدا کے پاک روح کو رنجیدہ نہ کرو۔'' افسیوں 30:14

چونکہ روح القدس سوچتا ہے، محسوس کرتا ہے، ارادہ کرتا ہے، علم رکھتا ہے، خواہش کرتا ہے، محبت کرتا ہے اور رنجیدہ ہوتا ہے اس لیے وہ ایک شخص ہے۔ روح القدس وہ کام کرتا ہے جو صرف کوئی شخص ہی کر سکتا ہے۔ وہ خدا کی تہہ کی باتیں دریافت کر لیتا ہے، وہ کلام کرتا ہے، پکارتا ہے، شفاعت کرتا، گواہی دیتا، تعلیم دیتا، رہنمائی اور ہدایت کرتا، حکم دیتا، انسانوں کو بلاتا اور خدمتیں سپرد کرتا اور اپنا مشن پورا کرتا ہے۔

روح القدس کو خاص رتبہ دیا گیا ہے۔ وہ مخصوص مددگار ہے۔ ''......وہ تمہیں

دوسرا مددگار بخشے گا۔'' یوحنا16:14۔ یہاں یونانی لفظ پاراکلیتس (Parakletos) عربی ''فارقلیط'' استعمال ہوا جس کے معنی ہیں ''ساتھ ساتھ رہنے والا''۔ وہ ایک شخصی اور ذاتی ساتھی ہے۔ چونکہ وہ ایک شخص ہے، اس لیے وہ ہمارا بہترین دوست بن جاتا ہے تاکہ ہماری راہنمائی کرے اور ہمیں مدد دے۔

روح القدس جذبات بھی رکھتا ہے۔ اس کی بے عزتی ہو سکتی ہے، اس سے جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔

یہاں عیسائی عقیدہ ایک تناقض سے دوچار ہوتا ہے جب وہ روح القدس کو شخص تو مانتا ہے لیکن انسانی شخص نہیں۔ وہ ہماری طرح انسانی جسم نہیں رکھتا۔ وہ الٰہی شخص ہے۔ عیسائی پیروکار روح القدس کی الوہیت پر اس لیے ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہ الٰہی صفات کا حامل ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف) وہ ازلی ہے: ''تو مسیح کا خون جس نے اپنے آپ کو ازلی روح کے وسیلہ سے خدا کے سامنے بے عیب قربان کر دیا......'' عبرانیوں 14:9۔

ب) وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے: ''میں تیری روح سے بچ کر کہاں جاؤں اگر آسمان پر چڑھ جاؤں تو، تو وہاں ہے۔ اگر میں پاتال میں بستر بچھاؤں تو دیکھ! تو وہاں بھی ہے۔'' زبور 10-7:139۔

ت) وہ قادر مطلق ہے: ''مسیح روح القدس کی قدرت سے ماں کے پیٹ میں پڑا۔'' لوقا 35:1۔

''خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔'' پیدائش 2:1۔

ج) وہ علیم اور ہمہ دان ہے: ''روح سب باتیں بلکہ خدا کی تہہ کی باتیں بھی دریافت کر لیتا ہے۔'' کرنتھیوں 11-10:2۔

''لیکن مددگار...... تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔'' یوحنا 26:14۔

''جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔'' یوحنا 13,12:16۔

د) وہ پاک ہے: ''......روح القدس......'' القدس اسم نہیں بلکہ اسم صفت ہے جو اس کے کردار کو بیان کرتا ہے۔ لوقا 13:11۔

ہ) وہ سچائی ہے "اور جو گواہی دیتا ہے وہ روح ہے کیونکہ روح سچائی ہے۔" یوحنا 7:5۔

ط) وہ نیک اور فیض رساں ہے۔ "اور تو نے اپنی نیک روح بھی ان کی تربیت کے لیے بخشی۔" نحمیاہ 20:9۔

ع) وہ رفاقت و شراکت رکھتا ہے۔ " اور روح القدس کی شراکت...... کرنتھیوں 14:13۔

روح القدس وہ کام کرتا ہے جو صرف خدا کر سکتا ہے

الف) وہ تخلیق کرتا ہے۔ "خدا کی روح نے مجھے بنایا ہے۔" ایوب 4:33

ب) وہ نجات دیتا ہے۔1- " بلکہ تم خداوند یسوع مسیح کے نام سے اور ہمارے خدا کے روح سے دھل گئے اور پاک ہوئے اور راست باز بھی ٹھہرے۔" کرنتھیوں 11:6۔

افسیوں 13:1 میں اسے "روح کی مہر" بھی کہا گیا ہے۔

ت) وہ زندگی بخشتا ہے۔ "زندہ کرنے والی تو روح ہے۔ جسم سے کچھ فائدہ نہیں۔ جو باتیں میں نے تم سے کہی ہیں وہ روح ہیں اور زندگی بھی ہیں۔" یوحنا 63:6۔

(4) وہ نئی پیدائش کا سرچشمہ ہے۔ "... جب تک کوئی آدمی پانی اور روح سے پیدا نہ ہو...... جو روح سے پیدا ہوا ہے روح ہے۔ یوحنا 6,5:3۔

ج) نبوت کی تحریک بخشتا ہے۔2- "نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے۔" پطرس 21:1

ہ) وہ لوگوں کو عدالت اور راست بازی کے بارے میں قصوروار ٹھہراتا ہے۔ یوحنا 11-8:16

روح القدس باپ اور بیٹے سے امتیاز رکھتا ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روح القدس "باپ کی روح" یا "بیٹے کی روح" ہے اور الگ اور امتیازی اقنوم نہیں۔

لوقا 22,21:3 میں یسوع کے بپتسمہ کے موقعہ پر تینوں اقنوم نمایاں اور امتیازی حیثیت میں نظر آتے ہیں:

الف) خدا باپ نے فرمایا "تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ تجھ سے میں خوش ہوں۔"

ب) خدا بیٹا نے یردن میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کے ہاتھوں بپتسمہ لیا۔

ج) خدا پاک روح جسمانی طور پر کبوتر کی شکل میں نازل ہوا۔

متی 19:28 بپتسمہ کے کلمات میں تینوں اقانیم میں امتیاز بالکل واضح ہے۔

یوحنا 16:14 بیٹا درخواست کرتا ہے، باپ عطا کرتا ہے اور روح القدس سکونت کرنے کو آتا ہے۔

اعمال 33:2 بیٹا باپ کے دہنے سرفراز ہے، باپ تخت پر جلوہ افروز ہے اور بیٹا روح القدس حاصل کر کے کلیسیا کو عنایت کرتا ہے۔

باپ، بیٹا اور روح القدس تین الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے باہمی تعلق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو تسلیم کرتے ہیں۔ (تُوری)

روح القدس باپ اور بیٹے کے تابع ہے

باپ روح القدس کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ اور وہ حکم مانتا ہے۔ یوحنا 26:16

بیٹا روح القدس کو ایمانداروں اور کلیسیا کے پاس بھیجتا ہے۔ یوحنا 26:15

روح القدس کو "یسوع کا روح" کہا گیا ہے۔ اعمال 7:16

روح القدس کو "خدا کا روح" کہا گیا ہے۔ رومیوں 9:8

روح القدس خود کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ سنتا ہے اسی کو دہراتا ہے۔

"وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔" یہ حقیقی فروتنی اور انکساری ہے "یوحنا 13:16۔

روح القدس مسیح کو جلال دیتا ہے۔ "وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔" یوحنا 14:16۔

جب تینوں اقانیم کا نام ایک فقرے میں اکٹھا ہو تو روح القدس کا نام باقی دونوں کے بعد آتا ہے۔ "باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے..." متی 19.28۔ بیٹا'

باپ اور روح القدس۔ کرنتھیوں 14:13۔

عہد نامۂ قدیم اور جدید میں روح القدس کے مختلف نام ملتے ہیں روح القدس' روح' خداوند کی روح' خداوند خدا (یہوواہ) کی روح' زندہ خدا کی روح' مسیح کا روح' روح سوزاں' پاکیزگی کی روح' پاک موعودہ روح' روحِ حق' زندگی کا روح' حکمت کا روح' قدرت کی روح' فضل کا روح' ازلی روح' مددگار' خوشی کا تیل وغیرہ اس کے علاوہ روح القدس کی آٹھ مندرجہ ذیل علامات بھی ہیں:

الف) پانی: پانی سے ہم روح کے بارے میں پانچ باتیں سیکھتے ہیں۔ یوحنا 5:3 39,38:7۔

(1) پانی زرخیز کرتا ہے۔ روح سے معمور مسیحی پانی کے کنارے لگے ہوئے درختوں کی مانند ہوتے ہیں۔ زبور 3:1۔

(2) پانی تازگی بخشتا ہے۔ یوحنا 14:4' زبور 4:46' یسعیاہ 18,17:41۔

(3) پانی مفت مہیا کیا جاتا ہے۔ یسعیاہ 1:55' یوحنا 14:4' مکاشفہ 17:22۔

(4) پانی صفائی کرتا ہے۔ افسیوں 26:5۔ کلیسیا روح اور کلام سے دھوئی گئی اور پاک کی گئی ہے۔

(5) پانی کثرت سے ملتا ہے۔ یوحنا 38,37:7 نہ صرف پانی بلکہ پانی کی ندیاں رواں ہوتی ہیں۔

ب) آگ: "وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔" متی 11:3

(1) آگ روشن کرتی ہے۔ بپتسمہ دینے والا روح سے معمور اور چمکتا ہوا چراغ تھا۔ یوحنا 35:5

(2) آگ جلاتی ہے۔ روح سوزاں (یسعیاہ 4:4) یوحنا بپتسمہ دینے والے کے اندر جلتی ہے۔ یوحنا 35:5

(3) آگ پاک کرتی ہے۔ روح القدس سنار کی آگ کی طرح پاک کرتا ہے۔ ملاکی 3,2:3

(4) آگ دریافت کر لیتی ہے۔ آگ کی طرح روح القدس بھی ایک جگہ ساکت نہیں رہ سکتا۔ 1۔ کرنتھیوں 10:2۔

ج) ہوا:

(1) ہوا طاقتور ہوتی ہے۔ 1۔ سلاطین 11:19 اعمال 2:2۔ اس کی طاقت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یوحنا 8:3۔

(2) ہوا زندہ کرتی ہے۔ حزقی ایل 14,10,9:37۔ روح (ہوا) مردہ ہڈیوں کو زندہ کرتی ہے۔

(3) ہوا خودمختار ہے۔ یوحنا 8:3' روح القدس خودمختار (شاہی مرضی والا) ہے۔ 1۔ کرنتھیوں 11:12۔

(4) ہوا دیدنی اور موثر ہوتی ہے۔ یقیناً روح کے کام دیکھتے ہیں۔ یوحنا 8:3

د) تیل: "..... شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا۔" زبور 7:45

(1) تیل مخصوص کرتا ہے۔ پرانے عہدنامہ میں تیل سے مخصوصیت کی جاتی تھی۔ خروج 7:29 بحوالہ لوقا 18:4۔

(2) تیل تسلی دیتا ہے۔ یسعیاہ 3:61 "..... ماتم کی جگہ خوشی کا روغن ..." بحوالہ عبرانیوں 9:1۔

(3) تیل روشن کرتا ہے۔ بیوقوف کنواریاں تیل کے چراغ روشن نہ کر سکیں۔ متی باب 25۔

(4) تیل شفا دیتا ہے۔ لوقا 34:10۔ نیک سامری نے تیل استعمال کیا جو روح کی تصویر ہے۔ یعقوب 14:5۔

ہ) بارش اور اوس: "وہ کٹی ہوئی گھاس پر مینہ کی مانند اور بارش کی طرح نازل ہوگا" زبور 6:72۔

(1) پودے کے بڑھنے کی طرح بارش کا برسنا بھی ناقابل سمجھ ہے۔ یعنی بتدریج بڑھتی جاتی ہے اور محسوس بھی نہیں ہوتا۔ مرقس 29-26:4۔

(2) بارش تازگی بخشتی ہے۔ بیداری کے تازگی بخش چھینٹے۔ زبور 9:28' یسعیاہ 4:18

(3) بارش افراط سے ہوتی ہے۔ کون بارش یا اوس کو ناپ سکتا ہے؟ یا روح کو؟ زبور 3:133

(4) بارش زرخیز کرتی ہے۔ برکت کی بارش سے بیج اگتے اور بڑھتے ہیں۔ حزقی ایل 27'26:34۔

د) کبوتر: یسوع کے بپتسمہ کے موقع پر روح کبوتر کی شکل میں نازل ہوا۔ متی 16:3۔ کبوتر نرم مزاج ہوتا ہے۔ متی 16:10 کبوتروں کی مانند بھولے ... ''روح کا پھل... حلم'' گلتیوں 22:5۔

ز) آواز: یسعیاہ 8:6 ''...خداوند کی آواز سنی...''

(1) آواز رہنمائی کرتی ہے۔ یسعیاہ 21:30۔ روح کی آواز سچائی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ یوحنا 13:16

(2) آواز بولتی ہے۔ ''...تمہارے باپ کا روح ہے جو تم میں بولتا ہے۔'' متی 20:10

(3) آواز خبردار کرتی ہے۔ گناہ' راست بازی اور عدالت کے بارے میں خبرداری۔ عبرانیوں 3:7-11' یوحنا 16:7-11۔

ح) مہر: ''... جس سے تم پر مخلصی کے دن کے لیے مہر ہوئی ہے۔'' مکاشفہ 2:7' افسیوں 30:4

(1) مہر تصدیق کرتی ہے۔ ہمیں روح سے داغا گیا ہے۔ ہم پر نشان لگایا گیا ہے۔ یوحنا 6:27' 2۔ کرنتھیوں 22:1۔

(2) مہر یقینی بناتی ہے۔ یہ بیعانہ ہے جس سے سودا پکا ہو جاتا ہے۔ افسیوں 13:1' 14

اس دنیا میں روح القدس کے کچھ مخصوص کام ہیں۔ وہ بہت سرگرم عمل رہا ہے۔ پرانے عہدنامہ میں روح القدس خاص مقاصد کے تحت آتا اور پھر چلا جاتا تھا۔ پنتکست کے موقع پر وہ ایمانداری کے اندر سکونت کرنے اور یسوع مسیح کی زندہ کلیسیا میں رہنے کے لیے آ گیا۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر ابد تک اس کے مختلف کام ہیں' جنہیں بائبل کے حوالہ سے مختصراً یوں پیش کیا جا سکتا ہے۔

1- تخلیق کے تعلق سے

روح القدس تخلیق کے کام میں سرگرم عمل تھا۔ پیدائش 2:1 ''خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔'' ایوب 13:26' 14' زبور 30:104' ایوب 4:33 بھی ملاحظہ کریں۔

زبور 6:33 ''آسمان خداوند کے کلام سے اور اس کا سارا لشکر اس کے منہ کے دم سے بنا'' (منہ کے دم سے مراد روح القدس ہے)۔

2- کائنات کے قیام کے لحاظ سے

''گھاس مرجھاتی ہے۔ پھول کملاتا ہے کیونکہ خداوند کی ہوا اس پر چلتی ہے۔'' روح تخلیق کرتا ہے اور قائم رکھتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے ہلاک کر دیتا ہے۔ یسعیاہ 7:40۔

''تو اپنی روح بھیجتا ہے اور یہ پیدا ہوتے ہیں اور تو روئے زمین کو نیا بنا دیتا ہے۔'' زبور 30:104۔

3- بے ایمان کے لحاظ سے

''وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔'' یوحنا 8:16-11۔

دنیا کو گناہ کے بارے میں اس لیے قصوروار ٹھہرائے گا کیونکہ وہ یسوع مسیح پر ایمان نہیں لاتے۔

اور راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ یسوع مسیح کی عدالت (کلوری پر) ہو چکی ہے۔

روح القدس کا کام ہے کہ وہ مسیح اور کلوری کی ہر وقت گواہی دیتا رہے۔

روح القدس یہ کام بڑی حد تک ایمانداروں کے ذریعہ کرتا رہتا ہے کیونکہ وہ خدا کے کلام کے وسیلہ سے انسانوں کے دلوں پر اثر کرتا رہتا ہے۔

4- پاک کلام کے لحاظ سے

روح القدس پاک صحائف کا مصنف ہے۔ 2۔ پطرس 20:1' 21 ''...آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے

بولتے تھے۔"

روح القدس ہمارے کلام کی تشریح و تفسیر بھی کرتا ہے۔ یوحنا 14.16-

"......وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔" یوحنا 26:14۔

ہاں! روح القدس میری اپنی زندگی میں بے حد وفادار رہا ہے۔ ضرورت کے وقت اور خاص کر مشکل سوالات کے جواب دیتے وقت وہ مجھے آیات یاد دلاتا ہے۔

5- یسوع مسیح کے لحاظ سے

الف) یسوع مسیح روح القدس کے وسیلہ سے پیٹ میں پڑا۔ لفظی معنوں میں روح سے پیدا ہوا۔ لوقا 35:1-

ب) بپتسمہ کے بعد روح القدس اسے بیابان میں لے گیا تاکہ آزمایا جائے۔ متی 1:4۔

ج) یسوع خدمت کے لیے روح القدس سے مسح کیا گیا۔ اعمال 38:10-

د) یسوع روح کی قدرت میں مصلوب ہوا۔ عبرانیوں 14:9-

ہ) یسوع روح کی قدرت سے قبر میں جی اٹھا۔ رومیوں 4:1، 11:8۔

و) یسوع روح القدس کے وسیلہ سے شاگردوں اور کلیسیا کی ہدایت و راہنمائی کرتا ہے۔ اعمال 2:1-

ز) یسوع نے ایمانداروں کو روح القدس بخشا ہے۔ اعمال 33:2-

6- ایماندار کے لحاظ سے

الف) ایماندار کو فرزندیت کا یقین دلاتا اور اسے بیٹے جیسا بناتا ہے۔

ب) ایماندار کو اپنے سے معمور کرتا اور اسے فتح مند زندگی عطا کرتا ہے۔ اعمال 4.1، 8- افسیوں 18:5۔

پ) ایماندار کو پاک کرتا اور پاکیزگی کے لیے مخصوص کرتا ہے۔ 2- تھسلنیکیوں 13، 2 1- پطرس 2:1-

ت) ہمیشہ ایماندار کے ساتھ سکونت کرتا ہے۔ یوحنا 16:14-

ہ) وہ ہمیں مسیح کی گواہی دیتا ہے اور مسلسل مسیح کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ یوحنا 26:15-

و) وہ ہمیں طاقت بخشتا ہے کہ خدا کی فرمانبرداری کریں اور کمزوری میں ہمیں قوت دیتا ہے۔ حزقی ایل 27:36-

ز) وہ ایماندار کو ہر قیمت پر سچائی کی تابعداری اور فرمانبرداری کرنے کی قوت عطا کرتا ہے۔ 1- پطرس 22:1-

ط) وہ ایماندار کو موت اور گناہ کی شریعت سے آزادی بخشتا ہے۔ رومیوں 2:8-

ظ) کمزور ایماندار میں راست بازی کی شریعت کو پورا کرتا ہے۔ رومیوں 3:8، 4-

ایماندار کے لحاظ سے روح القدس کے افعال کی 40 نکاتی فہرست ایچ ایس ملر نے "مسیحی خادموں کا ہدایت نامہ" میں مرتب کی تھی۔ اس فہرست کو مکمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ روح ہر وقت برسرِ عمل رہتا ہے۔

روح القدس کے خلاف گناہ کرنا ممکن ہے۔ ایماندار لوگ سات گناہوں کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ باقی گناہ بے ایمان کرتے ہیں۔

1- کفر بکنا

روح القدس کے خلاف کفر بکنا ایسا گناہ ہے جس کی معافی نہیں۔

"اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا۔" متی 31:12، 33

اسے ناقابلِ معافی گناہ کہا جاتا ہے یہ سب سے زیادہ ہولناک گناہ ہے جو اس زمین پر ممکن ہے۔

روح القدس کے کام کو شیطان کا کام قرار دینا روح القدس کے خلاف کفر ہے۔ مرقس 3:22-30 میں یسوع نے روح القدس کی قدرت سے بدروحیں

نکالیں۔ لیکن فقیہ کہنے لگے کہ یسوع شیطان کی قدرت سے معجزے کرتا ہے۔ یہ کفر ہے۔

فنے (Finney) کی بات پر غور کریں "اگر ہم کوئی ایسی بات کہتے یا چھاپتے ہیں جس سے خدا کے کام کی قدر و قیمت میں کمی واقع ہوتی ہے تو روح رنجیدہ ہوتا ہے۔ جب خدا کے کسی مبارک کام کا ذکر ہلکے انداز میں کیا جاتا ہے اور اس کے نام کے لائق اسے جلال نہیں دیا جاتا تو روح رنجیدہ ہوتا ہے۔ اگر کسی مقام پر بیداری کا ذکر ہوتا ہے تو صرف سیدھے صاف اور نمایاں حقائق کا بیان کریں اور اس کی وہی قدر و قیمت ظاہر کریں جو حقیقت پر مبنی ہو۔"

2- انسان کے غرور کے باعث روح القدس کی تحقیر

"خیال کرو کہ وہ شخص کس قدر زیادہ سزا کے لائق ٹھہرے گا جس نے خدا کے بیٹے کو پامال کیا اور عہد کے خون کو جس سے وہ پاک ہوا تھا ناپاک جانا اور فضل کے روح کو بے عزت کیا۔" عبرانیوں 29:10

روح القدس مسیح کے کفارہ کے کام کو گنہگار کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر گنہگار اسے ماننے یا قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو روح القدس کی بے عزتی کرتا ہے۔

رد کرنے میں گویا روح القدس سے کہتا ہے کہ مسیح کا سارا کام محض فریب یا جھوٹ ہے اور خدا کے سامنے نجات کا ایک اور ہی منصوبہ پیش کرتا ہے۔ (یعنی اعمال سے نجات)

ایسا شخص مسیح کی موت کو ایک عام سی موت اور ایک معمولی انسان کی موت قرار دیتا ہے۔

مسیح کی الوہیت کا انکار اور اس کے قیمتی خون کا انکار کرنا روح القدس کی گواہی کی تحقیر کرنا ہے۔ 1- یوحنا 6:5۔

3- انسان کی نافرمانی سے روح غمگین ہوتا ہے

"... انہوں نے اس کی روح قدس کو غمگین کیا۔" یسعیاہ 63:9، 10

یہ حصہ بنی اسرائیل کی سرد مہری اور پیچھے ہٹ جانے سے علاقہ رکھتا ہے۔ لیکن خدا کے اصول کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ آج بھی انسان اسی طرح سرکش، باغی اور پاک روح کے نافرمان ہیں۔

جن لوگوں کا خدا نے فدیہ دیا، جن کو چھڑایا، وہی اپنے وطن میں بسنے والے روح القدس سے باغی ہوں اور اسے غمگین کریں تو کیسی ہولناک بات ہے۔

اگر ریاکاری سے کام لیں تو دیکھیں گے کہ روحانی طور سے رکاوٹ ہماری ہی طرف سے ہوتی ہے۔

بعض اوقات روح ہمارے باطن کی گندگی اور بدصورتی کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن ہم بجائے شکر گزار ہونے کے سرکش اور باغی ہو جاتے ہیں اور ضروری اقرار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

روح کو غمگین کرنے کی جڑ ہماری بغاوت ہے اور یہ بڑبڑانے اور شکایت اور گلے کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

وہ ہمیں زندگی میں مسیح کے بدن (کلیسیا) میں ایک خاص مقام عنایت کرتا ہے۔ اس مقام کو قبول نہ کرنے اور متواتر گلہ شکوہ کرتے رہنے سے روح القدس بجا طور پر غمگین ہوتا ہے۔

وہ بار بار خبردار کرتا ہے، بے حساب برکات دیتا ہے، روشنی اور علم عطا کرتا ہے۔ اس کے باوجود اگر ہم برائی میں لگے رہیں اور اسے نظر انداز کرتے رہیں تو روح القدس یقیناً غمگین اور بیزار ہوتا ہے۔

4- انسان اپنی بے اعتقادی کے باعث اس کی مخالفت کرتا ہے

اعمال 51:7 "تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو۔ جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔"

"جب ہم خدا کے کلام پر شک کرتے ہیں تو روح القدس کی مخالفت کرتے ہیں۔" عبرانیوں 19:3 "... وہ بے ایمانی کے سبب سے داخل نہ ہو سکے۔"

بے اعتقادی کے باعث انسان مخالفت کرتا ہے۔

اکثر روح القدس دل اور ضمیر کو درست اور نیک کام کرنے کے لیے زندہ کرتا ہے۔ لیکن ہم جان بوجھ کر اس کی التماس اور اس کی راہنمائی کو ٹھکرا دیتے ہیں تو بے اعتقادی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بعض اوقات روح ہمیں جھنجوڑتا ہے کہ کسی شخص سے بات کریں یا کسی گناہ کو ترک کریں، مبشر بن جائیں دوسروں سے الگ ہو کر زندگی گزاریں، غریبوں کی امداد کریں؛ لیکن فرمانبرداری کے بجائے ہم اس کی ہدایت کی مخالفت کرتے ہیں۔

خدا کا کلام یوں خبردار کرتا ہے: پیدائش 3:6 "میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرتی رہے گی" اگر ہم مخالفت ہی کرتے رہیں گے تو خدا ہمیں ناپسندیدہ عقل کے حوالہ کر دے گا۔ رومیوں 28:1۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے دل پر روح کا مکمل قبضہ اور اختیار ہو تو ہمیں اس کی مخالفت ترک کرنی ہوگی اور جس برائی نے ہمیں اتنا عرصہ ناپاک کیے رکھا اسے چھوڑنا ہوگا۔ اور یہ برائی روح کی مخالفت۔

5- انسان اپنی بدبختی کے باعث روح کو آزماتا ہے

"تم نے کیوں خداوند کے روح کو آزمانے کے لیے ایکا کیا؟" اعمال 5:1-9

اگرچہ حننیاہ اور سفیرہ نے اپنے بھائیوں کو دھوکہ دینے کے لیے ایکا کیا تھا لیکن دراصل انہوں نے روح کو آزمایا اور اس سے جھوٹ بولا تھا۔

جب کوئی شخص بھائیوں کے سامنے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں پورے دل و جان سے خدا کے ساتھ چل رہا ہوں مگر کسی پوشیدہ گناہ میں گرفتار رہتا ہے اور خدا کے حضور بھی اقرار نہیں کرتا تو وہ روح کو آزمانے کے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

ایسے اقرار سے خبردار رہیں جو خدا کی نسبت انسانوں کے سامنے زیادہ پاکیزہ نظر آتا ہے۔

زبور 10:51 "اے خدا! میرے اندر پاک دل پیدا کر۔" کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم منہ سے اقرار کریں کہ "میں اپنا سب کچھ خدا کو دیتا ہوں" جبکہ دل میں جانتے ہیں کہ ہم ریاکاری کر رہے ہیں؟

2۔ سلاطین 5:26-27۔ جیحازی نے جھوٹ بولا اور سزا پا کر کوڑھی ہو گیا۔ روح سے کبھی جھوٹ نہ بولو۔

ہر قسم کی ریاکاری، دھوکہ بازی، مبالغہ آمیزی اور نقصان پہنچانے کے لیے ایک تاثر اور انسانوں سے ہر جھوٹ روح القدس سے جھوٹ ہے (آ سولڈ بے سمتھ)

6- انسانی تعصبات روح کو بجھا دیتے ہیں

1- "روح کو نہ بجھاؤ" یہ بے حد سنجیدہ حکم ہے۔ یہاں آگ بجھانے کا تصور ہے جب اسے ہوا نہیں ملتی جیسے یسعیاہ 4:4 میں "روح سوزاں"۔ تھسلنیکیوں 5:19-20۔

"یہ کچلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور دھواں اٹھتے ہوئے سن کو نہ بجھائے گا۔" متی 20:12

"...اس شریر کے سب جلتے ہوئے تیروں کو بجھا سکو" بجھانا کا مطلب ہے دبا دینا۔ خاموش کر دینا۔ افسیوں 16:16

روح القدس کی التماس کو نہ بجھاؤ "نہ دباؤ" خاموش نہ کرو۔

جب وہ کلام کے وسیلے سے یا ہمارے ضمیر کے وسیلے سے ہمارے ساتھ ہمکلام ہو تو ہمیں اس کی بات بھی ماننی چاہیے۔ بلکہ ہر قیمت پر ماننی چاہیے۔

اگر ہم اپنی زندگیوں میں آگ کو بجھ جانے دیں تو صرف راکھ باقی رہ جائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض نکات میں ہم روح کو بجھا دیں اور باقی نکات میں اس کی فرمانبرداری کریں۔

جب کوئی شخص تبدیل ہوتا ہے تو شروع میں اگر وہ کوئی غلطی کرتا ہے تو روح القدس بلند آواز سے اعتراض کرتا ہے لیکن اگر اس کی آواز کو نظر انداز کیا جائے تو اس کا اثر رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے "حتیٰ کہ آواز خاموش ہو جاتی ہے۔

اگر تنبیہ پر کان نہ دھریں تو دل سخت ہو جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روح بجھ جاتا ہے۔

جب کوئی ایماندار گواہی دیتا ہے اور اس میں پاک روح کا اظہار ہوتا ہے تو ہم اس پر نکتہ چینی کرنے میں بہت محتاط اور خبردار رہیں۔ کسی مبشر کے وعظ کے سلسلہ میں بھی ہمارا رویہ ایسا ہی ہونا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ روح بجھ جائے۔

7- آدمیوں کے بیہودہ عملوں کے باعث رنجیدگی

"خدا کے پاک روح کو رنجیدہ نہ کرو جس سے تم پر مخلصی کے دن کے لیے مہر ہوئی۔" افسیوں 30:4

والدین اپنے بچوں پر بڑا اعتبار کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ چوری چکاری کرتے

ہیں تو انہیں بڑا رنج ہوتا ہے۔

پاک روح کو ہم پر اعتماد ہے کہ ہم گناہ کا مقابلہ اور خداوند کی فرمانبرداری کریں گے' لیکن اگر ہم ناکام رہتے ہیں تو اسے بڑا افسوس ہوتا ہے۔ ہمارے انکار یا ناکامی سے پاک روح کا ہم پر اعتماد کھوکھلا ہو جاتا ہے' اسے مایوسی ہوتی ہے۔

پاک روح کو ایک حساس کبوتر کی شکل میں دکھایا گیا۔

پاک روح اکثر مقدسوں کی ہلکی اور بے فائدہ گفتگو سے رنجیدہ ہوتا ہے۔ اگلی آیت (افسیوں 31:4) اس پر یہ کہہ کر زور دیتی ہے کہ "ہر طرح کی تلخ مزاجی اور قہر اور غصہ اور شور وغل اور بدگوئی ہر قسم کی بدخواہی سمیت تم سے دور کی جائیں۔"

بری باتیں تو رہیں ایک طرف' پاک روح بے فائدہ گفتگو تک میں حصہ نہیں لے سکتا۔ آیئے ہم اپنے ہونٹوں کے دروازے پر پہرہ بٹھائیں۔ ہم گناہ سے کھیلنے اور اسے رنجیدہ کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ روح سے معمور اشخاص خوش باش لیکن سنجیدہ ہوتے ہیں۔

اگر ہم مخالفت کرتے ہیں تو پاک روح کے نئے سرے سے پیدا کرنے کے کام میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔ اگر اسے رنجیدہ کرتے ہیں تو اپنے اندر اس کے سکونت کرنے میں مداخلت کرتے ہیں۔ اور اگر اسے بجھاتے ہیں تو اس کا تعلق خدمت کے کام کے لیے قوت بخشنے سے ہے۔

مسیحیت میں روح کا تصور عقیدے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی میں بھی پوری طرح کارفرما ہے۔ ہر قسم کی بدی اور خودغرضی سے پاک ہو جانے کے بعد ہی ضروری ہے کہ مسیحی کی زندگی روح سے معمور ہو۔ نجات پاتے وقت ایماندار مسیح کا ہو جاتا ہے لیکن روحانی میراث کی وسعت حاصل کرنے میں دیر لگتی ہے۔ ممکن ہے کہ انسان نے روح القدس کو زندگی کے ایک حصے میں تو جگہ دے دی ہو لیکن پوری زندگی میں اسے نہ بسایا ہو۔ ہر ایماندار کے اندر روح القدس بستا ہے لیکن ہر ایماندار پر روح القدس کا اختیار نہیں ہوتا۔ باطنی معموری اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایماندار شعوری طور پر مانتا ہے کہ روح القدس کو میری زندگی پر کلی اختیار حاصل ہے اور وہ زندگی کی ایک ایک بات کو کنٹرول کر رہا ہے۔

روح کی معموری کا تجربہ صرف رسولوں تک مخصوص نہیں بلکہ ہر ایماندار کے لیے ہے۔

دریائے نیل ہمیشہ مصر میں بہتا ہے۔ لیکن مصر ہر سال اس میں طغیانی (کناروں

سے باہر بہنے) کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ نیل کا وہاں ہونا ایک بات ہے لیکن نیل کا طغیانی میں ہونا دوسری بات ہے۔ جب نیل میں طغیانی آتی ہے تو مصر شاداب اور زرخیز ہو جاتا ہے۔

اصل یونانی زبان میں جو لفظ استعمال ہوا ہے' وہ فعل امر جاریہ ہے یعنی روح سے بھرتے جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ معموری مستقل اور جاری ہو۔

یسوع مسیح میں ہر ایماندار کو پاک روح کی معموری کی ضرورت ہے۔

یہ معموری رسول' مناد' مبشر' باپ' ماں' چھوٹے' بڑے' مزدور' مالک سب کے لیے ہے۔

بہترین مسیحی بننے کے لیے معموری ضروری ہے۔ اس کے بغیر خداوند کے معیار تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ روح کی معموری ایک انفرادی برکت ہے۔ لوگ انفرادی طور پر بچائے اور معمور کیے جاتے ہیں۔

جب تک ہم پورے طور پر روح کی اطاعت نہ کریں اور اس کے تابع نہ رہیں وہ ہماری عقلوں کو روشن نہیں کر سکتا۔ نہ ہماری محبت میں گرم جوشی پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہمارے دلوں کو صاف کر سکتا ہے اور نہ ہمارے ارادوں کو قوت بخش سکتا ہے۔

کلیسیا کو روح سے معمور اراکین کی ضرورت ہے۔ اگر معموری نہیں ہوگی تو کلیسیا میں بدنظمی' جھگڑے' تفرقے' حسد' غیبت اور ایک دوسرے پر تہمت لگانا عام ہو جائے گا۔ کلیسیا کا ہر فرد روح سے معمور ہونا چاہیے۔ اس میں پاسٹر' ایلڈر' ڈیکن' سنڈے سکول کے استاذ' کوائر ممبران اور عام اراکین سب شامل ہیں۔

مسیحی چال چلن کے دو پہلو ہیں۔ (1) خدا سے متعلق' (2) ہم جنس انسانوں سے متعلق۔ اگر مسیحی پاک روح سے معمور نہ ہوں تو مؤثر گواہ نہیں ہو سکتے۔ خداوند کے کام جسمانی قوت سے نہیں کیے جا سکتے۔ روح سے معمور ایماندار دنیا کے اعتبار سے مصلوب زندگی گزارتے ہیں۔ وہ خداوند کے ہاتھوں میں مؤثر وسیلہ ہیں جن سے وہ گنہگاروں کو مجرم ٹھہراتا ہے اور قائل کرتا ہے۔

روح القدس کی معموری کی شرائط میں معافی' فرزندیت' آرزو' ایمان' فرمانبرداری' انتظار' دعا اور حقیقت کو اپنانا ہیں۔ کامل سپردگی میں ہی روح سے معموری کا بھید ہے۔ روح القدس عقل' رجحانات' دل' ارادے اور شخصیت کو بیدار کر دیتا ہے۔

عیسائیت کے مطابق انسان ذخیرہ خانہ نہیں بلکہ ندی کی مانند ہیں۔ لہٰذا کناروں سے باہر اچھل کر بہنا ضروری ہے تاکہ برکات باہر پھیل جائیں۔ پہلے نئی پیدائش ہو پھر معموری اور اس کے بعد ندیاں جاری ہوں۔ یاد رہے کہ معموری ایسا تجربہ نہیں جو ایک دفعہ ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ہر روز کرنے کی ضرورت ہے۔

کچھ علماء کے خیال میں 'روح کا بپتسمہ'، "روح کی معموری" اور "روح القدس کی نعمت" سب ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے۔ لیکن بپتسمہ کا مطلب کسی چیز میں ڈبونا جبکہ معموری سے مراد کچھ بھرنا ہے۔ بپتسمہ دو قسم کا ہے 'پانی اور روح کا۔

روح القدس کی تاثیر اور پھل میں واضح فرق کیا جاتا ہے۔ تاثیر روح کی سرگرم خدمت کا براہ راست نتیجہ ہوتی ہے جبکہ پھل اس کے ہمارے اندر سکونت کرنے اور ہماری سپردگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی مسیحی اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک نو قسم کے روحانی پھل اس کی زندگی میں موجود نہ ہوں جو یہ ہیں: الٰہی محبت' مسرت' کامل اطمینان' تحمل' شفقت و مہربانی' نیکی' وفاداری' نرم مزاجی اور پرہیزگاری۔ یہ جسم کے گھناؤنے کاموں کے عین الٹ ہیں۔ جسمانی کام پرانی زندگی جبکہ روحانی پھل نئی پیدائش کا ثبوت ہیں۔ اس لیے اپنی "میں" کو مصلوب کرنا ضروری ہے۔

پھل کے بعد روح کا نعمتوں کا درجہ آتا ہے جن میں حکمت' علم' ایمان' شفا دینا' معجزات' نبوت' روحوں کا امتیاز' غیر زبانیں اور زبانوں کا ترجمہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ 24 مختلف نعمتوں کا ذکر ملتا ہے۔ روح القدس نو مرید کو مسیح کے بدن میں شامل کرتا ہے۔ نئی نعمت سے ایماندار کے پورے جسم کو فائدہ ملتا ہے۔ مسیحی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مزید نعمتوں کی آرزو کرتا رہے۔ روح القدس ہر ایماندار کو اس کے کام کی نوعیت کے لحاظ سے نعمت عطا کرتا ہے۔ مسیحیت کے مطابق انسانی صلاحیتیں طبعی نہیں ہوتی بلکہ خاص نعمتیں ہیں جو روح کی طرف سے ملتی ہیں۔

کامل مسیحی کا مثالی نمونہ یسوع مسیح تھے۔ وہ جسم کے اعتبار سے تو مرے لیکن روح کے اعتبار سے زندہ کیے گئے۔ نفسانی جسم بویا جاتا ہے اور روحانی جسم جی اٹھتا ہے۔

◆○◆

3
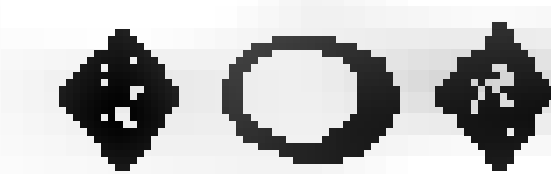
ہندو مت کی آتما

اہل ہندوستان قدیم دور سے لے کر آج تک روح کے سب سے بڑے ماننے والے نظر آتے ہیں۔ ان کے مذہب بلکہ انداز حیات میں ہر چیز روح رکھتی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ہندوستانیوں کا مذہب قدیم ارواح پرستی یا روحیت سے آگے ہی نہیں بڑھا تو بے جا نہ ہوگا۔ روحیت (Animism) سے مراد اس یقین کے ساتھ پتھروں درختوں اور جانوروں کی پوجا کرنا ہے کہ یہ اچھی یا بری روح کے مسکن ہیں۔ جانوروں کی پوجا ان کے مذہبی عقیدے کا حصہ تھی۔ دنیا بھر میں آریائی لوگوں نے سورج کی پوجا کی ہے اور دراوڑی لوگ ہواؤں' بارشوں' آگ اور مٹی کے ناظم دیوتاؤں کے معتقد رہے ہیں۔ چاروں ویدوں' اُپنشدوں' طویل رزمیہ نظموں مہابھارت اور رامائن' بھگوت گیتا اور بعد کے مفکرین مثلاً شنکر' رامانج' مادھو آچاریہ وغیرہ کی تصنیفات میں عقیدہ روح پر بار بار بات کی گئی۔ ان کے مطابق انسان روح اور جسم پر مشتمل ہے۔ وید انسان کے لیے کسی اور مقدر مثلاً جنم کا ذکر نہیں کرتے۔ مرنے والی روحوں کے لیے دو راہیں ہیں..... ایک دیوتاؤں کی راہ اور دوسری مرحوم روحوں کی راہ راست عمل ہی "روح" کے کٹھن چکر سے نکالتا ہے۔

ہندو خدا کے لیے پرماتما یعنی روح ازل کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ انفرادی روح یا آتما روح ازل کا ہی جز ہے۔ اُپنشدوں میں دو آتماؤں کی بات کی گئی ہے۔ حقیقی آتما اور ظاہری آتما۔ حقیقی آتما دنیا سے منسلک نہیں اور جسم اور صورت کے بغیر غمی خوشی سے ماورا ہے۔ جبکہ ظاہری آتما دنیا کے ساتھ منسلک ہے' یہ جسم اور صورت رکھتی ہے اور اپنے

ہی اچھے اور برے اعمال کے نتیجہ میں مسرت یا اذیت جھیلتی ہے۔ جب ظاہری اور حقیقی روح یکجا ہو جائیں تو تبھی آگہی اور نجات ملتی ہے۔ آیئے اب ہندومت کے مختلف مکاتیب میں تصورِ روح پر غور کرتے ہیں آریوں' بدھوں' جینیوں' یوناتیوں' ویدانتیوں اور مسلمانوں نے ہندوستانی تصورِ روح پر اثر کر ڈالا مگر خود زیادہ متاثر ہوئے۔ یاد رہے کہ ہندومت کی بنیاد ہی تصورِ روح پر ہے۔

ہندو علم کائنات اپنے ارتقاء میں سست رفتار تھا اور اپنی آخری شکل میں بدھی اور جینی علم کائنات کے پیچھے رہا اس نظام کے مطابق یہ کائنات ابد الآباد تک گردشوں سے ہو کر گزرتی رہتی ہے۔ بنیادی گردش کو کلپ برہما کا ایک دن یا چار سو بتیس کروڑ ارضی سال کہتے ہیں اس کی رات بھی اتنی طویل ہوتی ہے اس طرح کے تین سو ساٹھ دن اور رات سے برہما کے ایک سال کی تشکیل ہوتی ہے اور اس کی زندگی ایسے ہی سو سال پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے سب سے بڑی گردش 31,104,000 کروڑ سال طویل ہوتی ہے اس کے بعد پوری کائنات' ما فائی روح کائنات کی طرف رجوع کرتی ہے یہاں تک کہ ایک دوسرا خدا خالق کائنات ارتقا پذیر ہوتا ہے۔

آریائی تمدن جیسے جیسے دریائے گنگا کے نشیبی علاقوں میں غلبہ حاصل کرتا گیا ویسے ویسے اس حیات نے مابعد کے سلسلے میں نئے نئے خیالات کو اپنے اندر جذب کرنا شروع کر دیا۔ رگ وید کے مطابق مردوں کی قسمت کا فیصلہ اسی وقت قطعی طور پر ہو جاتا ہے جب وہ مرتے ہیں یعنی وہ یا تو ''آباء و اجداد کی دنیا'' میں چلے جاتے ہیں یا پھر مٹی کے گھر میں جہاں وہ غیر معینہ مدت تک رہتے ہیں لیکن ایک مناجات میں مبہم الفاظ میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ وہ پانی یا پودوں میں بھی جا سکتے ہیں یہ ایک نامناسب شکل میں تناسخ ارواح کی طرف اشارہ ہے جس پر بہت سی قدیم اقوام یقین کرتی تھیں۔ اس عقیدے کے مطابق مرنے والوں کی ارواح کسی جانور' کسی پودے' کسی طبعی شے میں دوبارہ انسانی شکل میں جنم لینے سے قبل پہنچ جاتی ہیں چونکہ برہمنوں میں رگ وید کی رجائیت نہیں تھی اس لیے انہیں حیات مابعد میں بھی امکان موت نظر آتا ہے۔

''برھد آرنیک اپنشد'' میں تناسخ ارواح کے عقیدے کی پہلی شکل نظر آتی ہے ان لوگوں کی روحیں جو قربانی' نیکی اور ریاضت کی زندگی بسر کر چکے ہوتے ہیں مبہم سفر حیات کے

بعد آباء و اجداد کی دنیا میں پہنچ جاتی ہیں اس کو یم کی حیثیت کہتے ہیں اس جوارِ رحمت میں تھوڑے دنوں کے بعد یہ روحیں چاند میں چلی جاتی ہیں چاند سے یہ روحیں خلاء بسیط میں آ جاتی ہیں پھر حدودِ ہوا میں داخل ہو کر بارش کی شکل زمین پر نازل ہوتی ہیں' زمین پر یہ روحیں غذا بن جاتی ہے۔۔۔ اور پھر انہیں قربان گاہ کی آگ کے حضور پیش کیا جاتا ہے جو انسان ہوتا ہے تاکہ وہ عورت کی آگ میں دوبارہ پیدا ہو سکیں' اس کے برخلاف جو لوگ برائیوں کی زندگی بسر کر چکے ہوتے ہیں ان کا جسم حشرات الارض یا چڑیوں کی شکل میں ہوتا ہے' اس ضابطے کا انحصار اس قدیم عقیدے پر ہے جس کی رو سے استقرارِ حمل اس وقت ہوا جب والدین میں سے کسی ایک نے وہ پھل یا وہ سبزی کھائی جس میں پیدا ہونے والے کی پوشیدہ روح موجود ہوتی ہے۔ اگرچہ اس عقیدے کو عجیب و غریب اور نیا بتایا جاتا ہے مگر اپنشدوں کی تالیف کے وقت عوام اس کو نہیں مانتے تھے۔ مہاتما بدھ کے عہد میں بھی ہر شخص تناسخ ارواح کا قائل رہا ہوگا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں اس عقیدے کو بڑی تیزی کے ساتھ قبول عام کا مرتبہ حاصل ہوا اس طرح سمسار یا تناسخ اور کرم یا وہ نتیجہ عمل جو حیات مابعد پر اثر انداز ہوا۔ یہ منطقی ہندوستانی نظریات تھے جن کا آغاز عہد قدیم کے عام تصورِ روح سے ہوا لیکن اس ابتدائی عہد میں بھی ان کا ایک اخلاقی پہلو تھا اور کسی نہ کسی حد تک ان کی وضاحت کی گئی تھی۔

تناسخ ارواح کے نظریہ نے جس طریقے سے بھی وسعت حاصل کی ہو لیکن اس میں یہ عقیدہ بہرحال شامل تھا کہ روح بار بار ایک نئی زندگی حاصل کرتی ہے۔ اب وہ زندگی خواہ ابدی ہو یا اتنے طویل عرصہ کے لیے ہو جو احاطہ تصور میں نہ آ سکے یہ عقیدہ زندگی کی تمام اشکال کو ایک واحد نظام میں مربوط کرتا تھا دیوتاؤں کو بھی مرنا ہوتا ہے اور ان کی جگہ پر دوسرے دیوتا آتے ہیں جیسے ہی ایک اندر مرتا ہے دوسرا اندر پیدا ہوتا ہے' مرے ہوئے لوگوں کی روحیں اگرچہ فی الحقیقت جوارِ رحمت میں ہوتی ہیں لیکن انہیں اپنے نئے مسکنوں میں جانا پڑتا ہے' جانور حشرات الارض اور بعض عقیدے کے مطابق نباتات بھی اسی نظام کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنی عجیب و غریب مفکرانہ بصیرت کے ساتھ چند دانشوروں کی رائے تو یہاں تک ہے کہ پانی' خاک کے ذرے اور ہوا بھی چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے مملو ہے اور یہ کہ ان میں بھی روح ہے اور یہ روح بھی اپنے جوہر کے اعتبار سے انسانی

روح کی طرح ہے' یہ پوری زندگی لاتعداد تغیرات سے ہو کر گزرتی ہے۔

آفاقی طور پر تو نہیں البتہ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان تغیرات کا تعین کردار سے ہوتا ہے' موجودہ زندگی میں جس شخص کا جو بھی رویہ ہوگا اسی اعتبار سے اس کا مرتبہ مستقبل کی زندگی میں بلند یا پست ہوگا' اور اس کی قسمت اچھی یا بری ہوگی۔ ''کرم'' کا یہ عقیدہ بیشتر ہندوستانی فکر میں بنیادی اہمیت کا حامل ہو گیا اس عقیدے نے تکلیف کے راز کی ایک تسلی بخش وضاحت پیش کی' اس کی گتھی کو سلجھانے میں دنیا کے بہت سے مفکرین پریشان رہے اس عقیدے نے آریائی فرقے میں جو معاشرتی عدم مساوات تھی اس کا جواز پیش کر دیا۔

ایک عام انسان کے لیے یہ عقیدہ ناقابل قبول نہ ہوگا اور یہ حقیقت کہ اس عقیدے کو بہت جلد آفاقی قبول عام حاصل ہو گیا یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس نے قدیم ہندوستان کی روحانی ضروریات کی بہت کافی حد تک تکمیل کر دی۔ درحقیقت سسار کا نظریہ جو روح کو نئے تجربے کی لامحدود طاقتیں عطا کرتا ہے اور پست ترین اور ذلیل ترین مخلوق کے اندر بھی امید پیدا کرتا ہے۔ کئی اعتبار سے مغرب کے روایتی جامد تصور جنت و جہنم کے مقابلے میں زیادہ جاذب توجہ ہو سکتا ہے' لیکن زیادہ ذہین انسانوں کے نزدیک یہ نظریہ کوئی مثبت حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ موت بہر حال مہیب ہوتی ہے اور لاتعداد بار مرنے کا تصور کوئی اچھا تصور نہ تھا۔ زندگی اس وقت بھی بے لطف اور نامکمل ہوتی ہے جب وہ غم و آلام سے محروم ہوتی ہے اور جبکہ متواتر پیدا ہوتے رہنا بھی اکتا دینے والی بات تھی۔ تناسخ ارواح کے عقیدے کے ساتھ ساتھ قنوطی خیالات کا بھی نشوونما ہوا' آسمان ہی میں دوبارہ پیدا ہونا کافی نہیں تھا۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا کہ انسان پیدائش اور موت کے چکر ہی سے چھوٹ جائے۔ اور وہ طریقہ وقت کے بہترین اذہان کی تشفی کے پیش نظر اس علم میں پایا گیا جو بہت زیادہ غور و فکر اور ریاضت کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔

اُپنشد جس عظیم اور نجات دہندہ علم بخشنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ صرف برہمن کے وجود کو تسلیم کر لینے ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کے دائم و قائم شعور پر بھی مبنی ہے' برہمن انسانی روح میں ہوتا ہے۔ درحقیقت برہمن ہی انسانی روح اور آتما (خودی) ہے۔ جب کوئی انسان اس حقیقت سے مکمل طور پر روشناس ہو جاتا ہے تو وہ تناسخ روح سے بالکل آزاد

ہو جاتا ہے اس کی روح برہمن سے مل جاتی ہے اور پھر وہ مسرت و غم اور حیات و موت سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ عالم خواب میں انسان کی روح آزاد ہوتی ہے۔ وہ کسی طائر یا دیوتا کی طرح اس کائنات میں گھومتی ہے' وہ بادشاہ بن جاتی ہے۔ برہمن اس عالم خواب سے ماورا ایک بے خواب عالم خواب ہے' جہاں ایسے تجربات سے گزرتی ہے جن کا اظہار نہیں کیا جا سکتا اور اس سے ماورا بھی برہمن ہے۔ جب انسان برہمن تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔

ناقابل اظہار حقائق کے اظہار کی کوشش میں اپنشد کے داناؤں نے ہر طرح کے پیکر استعمال کیے ہیں۔ کبھی کبھی روح کا تصور بہت قدیم نظر آتا ہے اور اس کو دل میں ایک بہت ہی چھوٹے انسان کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے' کبھی اسے سانس کہا جاتا ہے یا ایک پراسرار رقیق مادہ جو شریانوں میں جاری و ساری رہتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کو بالکل غیر جسمانی اور ناقابل فہم قرار دیا گیا ہے۔

''میرے لیے برگد کا ایک پھل لاؤ۔''

''یہ حاضر ہے جناب!''

''اس کو توڑ دو۔''

''جناب میں نے اس کو توڑ دیا۔''

''اس میں تم کیا دیکھتے ہو؟''

''جناب اس میں بہت چھوٹے چھوٹے بیج ہیں۔''

''ان میں سے ایک بیج توڑ دو۔''

''جناب میں نے توڑ دیا۔''

''اب تم کیا دیکھتے ہو؟''

''جناب کچھ بھی نہیں۔''

میرے باپ نے کہا ''جو تم نہیں دیکھ پا رہے ہو وہی اصل جوہر ہے اور اسی جوہر میں اس طاقتور برگد کے درخت کا وجود ہوتا ہے۔ میرے بیٹے یقین کرو اس جوہر میں ہر اس چیز کی آتما ہے جو عالم وجود میں ہے۔ وہی سچ ہے' وہی آتما ہے اور سویت کیتو تم ہی وہ آتما ہو۔''

یہاں روح کا وجود اصل جوہر ہے جو کسی طرح بھی مادی نہیں یہی تصورات ایک طرح کے روح کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ایک ایسا لطیف مادہ جس سے روح کی ترکیب ہوئی اور یہی تصورات بالخصوص جینیوں میں قائم رہے۔ "آتما" کی اصطلاح بلاتفریق روح اور خودی کے معنوں میں استعمال کی گئی اور اس کی وجہ سے ہندو صحائف کے بہت سے اقتباسات میں ابہام پیدا ہو گیا ہے۔

فرد اور کائنات کی روح کے وجود کا اعادہ اپنشدی ادب میں ہوتا ہے' کہیں اس پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور کہیں کم اور کائناتی روح کے وجود و کردار کی فطرت کی مختلف تعبیرات کی گئی ہیں۔ "تت توام اسی" تم (فرد) وہ (کائناتی جوہر) ہو۔ یہ اس باپ کے الفاظ ہیں جو اس نے مندرجہ بالا اقتباس میں اپنے بیٹے سے کہے ہیں اور یہی اپنشدوں کا خاص موضوع گفتگو ہے۔ خیر و شر سے بالاتر یہ ازلی غیر تفریق شدہ جوہر شعور کی حالت میں رہتا ہے جو خواب سنگین کے عالم میں ماورا ہے' لیکن پھر بھی بیدار اور زندہ ہے۔ اگرچہ وہ پوری خلائے بسیط میں جاری و ساری ہے اور وہ بھی کچھ اسی طرح کی پراسرار صراحت کے ساتھ جو منطق سے بھی ماورا ہے۔ لیکن تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قلب انسانی کے اندروں میں گوشہ گیر ہے۔ عام طور سے اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ یکساں اور غیر شخصی ہے اور برہمن کا لفظ غیر جاندار ہے۔ اسی طرح سے پوری کائنات کے اختلاف اور اس کی بے ربطی کی وضاحت ہو جاتی ہے اور وہ صرف ایک وجود واحد تک محدود ہو جاتی ہے۔

"اس نمک کو پانی میں ڈال دو اور میرے پاس صبح کو آؤ۔"

لڑکے نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا۔ باپ نے کہا' نمک میرے پاس لاؤ۔ لڑکے نے نمک کو تلاش کیا لیکن وہ اس کو نہ پاسکا' کیونکہ وہ پانی میں حل ہو گیا تھا۔

"پانی کو اوپر سے چکھو" باپ نے کہا "اس کا ذائقہ کیسا ہے؟"

"نمکین" لڑکے نے جواب دیا۔

"بالکل نیچے سے چکھو' اس کا مزا کیسا ہے؟"

"نمکین" لڑکے نے جواب دیا۔

تب باپ نے کہا' تم محسوس نہیں کرتے کہ ایک حقیقت (ست) تمہارے جسم میں موجود ہے۔ میرے بیٹے لیکن وہ وہاں ہے ہر چیز جو اس میں ہے اس کا جوہر لطیف ہے

وہی حقیقت' وہی روح ہے اور تم وہی ہو سویت کیتو۔

کائناتی جوہر لطیف کی تعریف کبھی کبھی بالکل منفی انداز میں کی جاتی ہے۔ "آتما" کو صرف اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ' یہ نہیں ہے یہ ناقابل فہم ہے نہ فنا ہونے والی ہے...... غیر متعلق ہے ...... غیر مقید ہے...... ہر مصائب میں مبتلا نہیں ہوتی...... یہ ناکام نہیں ہوتی۔

لیکن اس اقتباس کی ساری نفیوں کے باوجود دانش مند یا جناولکیہ' جس کی طرف یہ اقتباس منسوب ہے۔ کائناتی جوہر لطیف کو شخصیت کا مرتبہ دیئے بغیر نہ رہ سکا اور ایک مقام پر تو اس نے اس جوہر لطیف کو خدائے بزرگ و برتر سے تقریباً ملا دیا ہے۔

"وہ نا آفریدہ آتما جو علم بالذات پر مشتمل ہے وہ قلب کا جوہر ہے' اس میں حاکم اور آقا اور ساری چیزوں کا بادشاہ ہے۔ اچھے کاموں سے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور نہ ہی برے کاموں سے وہ چھوٹا ہے' لیکن وہ ساری چیزوں کا آقا ساری چیزوں کا بادشاہ اور ساری چیزوں کا محافظ ہے۔'

منظوم اُپنشدوں میں روح عالم کو کائناتی جوہر لطیف کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک دیوتا کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔

"وہ تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے منور اور غیر مجسم
ضرر نارسیدہ اور شر نادیدہ
بصیر و متقیل موجود قائم بالذات
اس نے تمام چیزوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اچھا بنایا ہے۔"

اس اُپنشد میں جس پر سے یہ اشعار لیے گئے ہیں روح عالم کو "شاہ" "آقا" کہا گیا ہے۔ کٹھ اپنشد میں اس کو شخص (پرش) سے تعبیر کیا گیا ہے جو ہمیں اس الوہی یگیہ (قربانی) کی یاد دلاتا ہے جو ابتدائی قربانی کے موقع پر قربان کیا گیا اور جس سے ساری دنیا پیدا ہوئی۔ ایک اقتباس میں اس روح عالم کا ذکر اس خوف و دہشت کے جذبے کے ساتھ کیا گیا جو ورن دیوتا کے لیے پہلے محسوس کیا جاتا تھا:

"ساری چیزیں جو ہوں پوری دنیا
(برہمن) سے پیدا ہوئی اس کی سانس سے لرزتی ہے

یہ ایک عظیم دہشت ہے' ایک رعد ہے جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی
جو لوگ اس کو جانتے ہیں وہ لافانی ہو جاتے ہیں۔
(برہمن کی) دہشت سے آگ جلتی ہے
(برہمن کی) دہشت سے سورج طلوع ہوتا ہے
برہمن کے خوف سے اندر اور ہوا اور
موت بھاگ جاتے ہیں۔"

شیوتا سی ورت اپنشد مذکورہ بالا اپنشدوں کے بعد ہی ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں روح عالم کو خالص مذہبی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اب کوئی غیر شخص جوہر لطیف نہیں ہے بلکہ ایک اخلاق ہے' دراصل رُدر دیوتا یا شیو رودر تک رسائی صرف مراقبہ اور ریاضت ہی سے ممکن نہیں بلکہ بھگتی اور عبادت سے بھی اس تک پہنچا جا سکتا ہے:

"وہ صیاد جو اپنی طاقت سے تنہا حکومت کرتا ہے
وہ جو قدرت سے دنیا پر حکمرانی کرتا ہے
وہ ہمیشہ ایک اور وہی ہے
اگرچہ بہت سے دوسرے پیدا ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں
صرف ایک ہے تنہا اور...
جو اپنی طاقت سے دنیا پر حکومت کرتا ہے
وہ ساری مخلوقات کے پیچھے ہے اس نے ساری دنیاؤں کو بنایا
اور انہیں محفوظ رکھتا ہے اور خاتمہ دہر پر انہیں ایک ساتھ ختم کر دیتا ہے۔
وہ آقا تمام مخلوقات کے چہروں میں رہتا ہے
ان کے سروں اور گردنوں میں رہتا ہے
وہ سب کی خلوت جان میں گوشہ گیر رہتا ہے
سب میں جاری و ساری اور ہر جگہ موجود شیو۔"

یہ عقیدہ ہمیں "بھگوت گیتا" کی مذہبی فضا سے بہت قریب لاتا ہے۔ یہ ہندوستان کی مذہبی منظومات میں اعلیٰ ترین اور خوبصورت ترین منظوم نسخہ ہے۔ اس میں ایک گہری اور پختہ خدا پرستی کی تعلیم ملتی ہے اور یہ جدید تر ہندو مذہب کا ایک حصہ ہے نہ کہ قدیم

برہمنیت کا جس نے دھیرے دھیرے اپنے کو قربانی کے مذہب سے عقیدے کے مذہب میں تبدیل کر لیا۔

ویدک مذہب دنیا کی حمایت کرتا تھا۔ اپنشد بھی کہتے تھے کہ عمل چھوڑ کر کے تارک الدنیا ہو جاؤ اور آتما اور برہما سے عینیت کی اعلیٰ ترین آگہی حاصل کرو۔ بھگوت گیتا کی تعلیمات نے ہندوستانی معاشرے میں زندگی سے ناگواری کا رجحان پیش کیا اور کہا کہ عمل ہی روح کو تناسخ سے نجات دلاتا ہے۔ کرشن ارجن کو سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ "تمہارا حقیقی جوہر آتما (روح) ہے۔ آتما جسم سے ماورا ہے۔ یہ پیدا ہوتی اور نہ مرتی ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ جیسے آدمی اپنے پرانے کپڑوں کو چھوڑ کر نئے کپڑے پہن لیتا ہے' اسی طرح روح بھی پرانے جسم کو چھوڑ کر نیا جسم اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن اسے غلطی سے جیو سمجھ لیا جاتا ہے۔ سارا دکھ اسی ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ آتما کی حقیقت ہونے پر ہی نجات یا موکشا مل سکتی ہے۔" مطلب یہ ہے کہ تبدیلی جسم کے لیے ہے روح کے لیے نہیں روح تغیر و تبدل سے مطلق آزاد ہے۔ یہ ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہتی ہے۔ حادثے جسم پر ہوتے ہیں روح پر نہیں۔ ارجن کے دل پر روح کی لافانیت کا نقش بٹھانے کے لیے کرشن پھر کہتے ہیں "روح کو تلوار نہیں کاٹ سکتی" "آگ نہیں جلا سکتی' پانی گیلا نہیں کر سکتا' ہوا اسے نہیں سکھا سکتی۔" یہ الفاظ دیگر آتما امر ہے۔

ہندو مذہب کی جو آخری شکل تھی وہ زیادہ تر اس اثر کا نتیجہ تھی جو دراوڑی جنوب نے ڈالا تھا۔ یہاں ملکی مسلکوں کی بنیاد پر جنہیں آریوں کے اثرات نے نئی زندگی بخشی خدا کو ماننے والے مکاتب فکر ابھرنے لگے جن کی نمایاں خصوصیت شدید قسم کی وجد آور پاکبازی تھی۔ یہی وہ عقیدت مندانہ ہندو مذہب تھا جس کی تبلیغ و اشاعت عہد وسطیٰ میں جہاں گرد مبلغین اور مناجات خوانوں نے کی اور جس نے اس ہندو مذہب پر اپنا عظیم ترین اثر چھوڑا جو آج موجود ہے۔

اگر اس کے قبل نہیں تو کم از کم مسیحی عہد کی ابتدا میں ایسے متعدد مکاتب فکر کی قطری تقسیم عمل میں آ چکی تھی جنہیں راسخ الاعتقاد تصور کیا جاتا تھا اور "سدرشن" یا "عقائد شش گانہ" ہندو مذہب کی مستقل خصوصیت بن چکے تھے یہ چھ مکاتب فکر دراصل مختلف الاصل اور مختلف الغایت تھے لیکن سبھوں کو اس نظام میں اس اعتبار سے شامل کر لیا گیا

کہ سبھوں کو مساوی حیثیت سے نجات کا جائز ذریعہ سمجھا جاتا تھا یہ اصول دو دو کے تین گروہوں میں منقسم تھے اور انہیں ایک دوسرے سے متعلق اور ایک دوسرے کا تکمیلی جزو سمجھا جاتا تھا' ان گروہوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ نیایہ اور ویسیشک۔
2۔ سانکھیہ اور یوگ۔
3۔ میماسا اور ویدانت۔

نیایہ (تجزیہ) یہ منطق اور عملیات کا مکتب فکر تھا۔ دینیات کے اس مکتب فکر کا بانی اکش پاد گوتم تھا۔ اس سے جو سوتر یا امثال منسوب ہیں وہ غالباً مسیحی عہد سے پہلے کی نہیں ہیں منطق کو اس نظام میں نجات کے ایک ذریعہ کی حیثیت سے اس تخیل کے تحت داخل کیا گیا کہ واضح فکر اور منطقی طرز استدلال اعلیٰ ترین مسرت کے حصول کے بنیادی ذرائع ہیں اور اسی طرح استدلال کے ایک نظام کو ایک مذہبی بنیاد دے دی گئی۔

ویسیشک (انفرادی خصائص کا مکتب فکر) نیایہ کا تکمیلی جزو ہے اور شاید اس سے قدیم تر اور عہد وسطیٰ میں دونوں ہی ضم ہو کر ایک مکتب فکر ہو گئے۔ اگر ایک طرف نیایہ نے منطق میں اختصاص حاصل کیا تو دوسری طرف ویسیشک کی دلچسپیاں دینیات سے زیادہ طبیعیات میں تھیں۔ اس مکتب فکر کی قدیم ترین کتاب اس کے افسانوی بانی الوک کناڈ کے سوتروں پر مشتمل ہے جس کے متعدد شارح اور مفسر تھے اور ان میں عظیم ترین شارح اور مفسر پانچویں صدی کا پرشست پاد تھا' ویسیشک مکتب فکر کا اصل الاصول یہ عقیدہ ہے کہ فطرت جوہری ہے اس عقیدے پر جین مذہب کے ماننے والے اور بدھ مذہب کے کچھ مکاتب فکر مشترکہ طور پر ایمان رکھتے ہیں' اجزائے لاتجزیٰ روح سے متمائز ہیں اور یہ روح کے آلہ کار ہیں' ہر عنصر انفرادی خصوصیات رکھتا ہے جو اسے ان دوسرے چار غیر جوہری جوہروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ جنہیں یہ مکتب فکر تسلیم کرتا ہے وہ چار غیر جوہری جوہر یہ ہیں: زمان' مکان' روح اور نفس۔

اجزائے لاتجزیٰ ابدی ہیں' لیکن برہما کی زندگی کے خاتمے پر جو عظیم انتشار واقع ہو گا اس میں وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں گے اور پھر تمام اشیاء فنا ہو جائیں گی' پھر نیا برہما' نئی دنیا کی از سر نو تخلیق کی خاطر پرانے اجزائے لاتجزیٰ کا استعمال کرے گا۔ اس

طرح ویسیشک مکتب فکر نے مادے اور روح کی ثنویت کا عقیدہ پیش کیا اور یہ بتایا کہ نجات کا انحصار اس پر ہے کہ کائنات کی جوہری فطرت اور روح سے اس کے فرق کو پورے طور پر سمجھا جائے۔

سانکھیہ (علم ہندسہ) غالباً ان چھ نظاموں میں قدیم ترین ہے کیونکہ اس کا ذکر بھگوت گیتا میں ہے اور اس کی قدیم ترین شکل اپنشدوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس نظام کا افسانوی بانی قدیم مرد دانا کپل تھا' لیکن اس نظام کے بارے میں ہمیں جو کتاب دستیاب ہوتی ہیں وہ ایشور کرشن کی لکھی ہوئی "سانکھیہ کاریکا" ہے۔ یہ کتاب شاید چوتھی صدی عیسوی کی ہے اپنی بے لچک ثنویت اور بنیادی دہریت میں سانکھیا جین مذہب سے مشابہ ہے۔ یہ مکتب فکر پچیس بنیادی اصولوں کے وجود کی تعلیم دیتا ہے' ان میں پہلا اصول' "پراکرت" ہے۔ اس اصطلاح کا ایک سرسری ترجمہ "مادہ" ہے۔ تخلیق یا یوں کہیے کہ ارتقا کسی الوہی وجود کی کارفرمائی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا سبب پراکرت کی اندرونی فطرت ہے پراکرت سے عقل (بدھی) اسے مہت بھی کہتے ہیں' یعنی "عظیم وجود" عالم وجود میں آتی ہے' اور اس طرح اس کے نتیجہ میں آگہی (اہنکار) پیدا ہوتی ہے' دراصل پراکرت منازل ارتقا طے کر کے خود ایک فعال الوہی وجود بن گئی ہے' خود آگہی ان لطیف عناصر خمسہ کو جنم دیتی ہے جن کو "تن ماتر" کہتے ہیں اور یہ غیر مرئی مادہ ہے جو اپنی لطیف ترین شکل میں ہوتا ہے۔ یہ عناصر خمسہ ہیں جو ہر لطیف (آکاش) باد' برق' آب اور خاک ان لطیف عناصر سے مادی عناصر (مہابھوت) ظہور کرتے ہیں اس مواد کی ترکیب سے خود آگہی عالم کے چوبیسویں جزو ترکیبی کو پیدا کرتی ہے جو نفس (منس) ہے' جس کو حس ششم تصور کیا جاتا ہے جو حسیات عشرہ اور خارجی دنیا کے درمیان رابطہ قائم کرتا ہے۔ کائناتی ارتقاء کا یہ حیرت ناک اور تخیلی نظریہ سادہ اور آسان لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اجساد یا اجرام فلکی اور فی الحقیقت پوری کائنات اس انا کی پیداوار ہے جو بنیادی طور پر مادی تصور کی جاتی ہے۔

لیکن ابھی ایک اور بنیادی اصول (تتو) باقی ہے جو پچیسواں ہے۔ یہ پرش ہے جس کے لغوی معنی "ہستی" ہیں یعنی روح' جین مذہب کی طرح یہاں بھی عقیدہ کارفرما ہے کہ کائنات میں ارواح کی ایک نامحدود تعداد ہے جو سب کی سب مساوی ہیں اور پراکرت کے ارتقا کی ابدی طور پر غیر فعال ناظر ہیں۔ نہ تو پرش کا انحصار پراکرت پر ہے اور نہ

پراکرت کا دارومدار پرش پر ہے۔ ایک ایسی کائنات کا تصور کیا جا سکتا ہے جو مکمل طور پر روح سے عاری ہو اور پھر بھی اس کائنات کی ارتقائی منازل طے کر رہی ہو جو ہمارے علم میں ہے' کیونکہ عقل شخصیت اور نفس روح کے اجزا نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی ارواح کسی طرح سے مادے میں الجھ جاتی ہیں اور ان کی نجات اس میں ہے کہ وہ اس فرق کو سمجھیں جو مادے اور ان کے مابین ہے۔

سانکھیائی مابعد الطبیعیات کی ایک اہم خصوصیت ان واضح کیفیت ثلثہ (گن) کا عقیدہ ہے یعنی خیر (ستو) ہیجان (رجس) اور اضمحلال (تمس) کی علت ہیں۔ اپنی غیر بالیدہ حالت میں کائناتی مادہ کے اندر ان کیفیات ثلثہ کا توازن ہوتا ہے لیکن دنیا جیسے جیسے ارتقا کی منازل طے کرتی ہے ان میں سے کوئی ایک مختلف اشیا و یا وجود پر حاوی ہو جاتا ہے اور وہی تناسبات کائنات کے اقدار کا سبب بنتے ہیں۔ ستو گن یا کیفیت خیر ان تمام اشیاء میں پائی جاتی ہے جو خوشنا' مشدد' پر قوت' طاقتور یا فعال ہوتی ہیں اور کیفیت اضمحلال ان تمام اشیاء میں پائی جاتی ہے' جو تاریک' نادان' طول' غمگین یا حزیں ہوتی ہیں اس سہ گانہ تقسیم نے ہندوستانی زندگی و فکر کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کیا۔ اس کے اثرات سانکھیائی مکتب فکر کی حدود سے بھی آگے نکل گئے جس کی یہ طبع زاد فکر تھی۔

مادے اور روح کی ثنویت اور سانکھیائی مکتب فکر کی بنیادی دہریت کو مروجہ عقیدہ وحدت وجود خدا پرستی سے قریب لانے کے لیے عہد وسطیٰ میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں۔ پرش کے لغوی معنی ہیں ''ہستی'' یا ''مرد'' اور ''پراکرت'' تانیث کا صیغہ ہے' یہ امر حیرتناک نہیں ہے کہ موخر الذکر کو اول الذکر کے نصف بہتر کی شخصیت عطا کی گئی بالخصوص تانتری فرقوں میں ایسا کہا گیا قدیم تر نظام کا غیر فعال پرش پیدا کرنے والا بن گیا اور جامد اور عالمانہ سانکھیائی مکتب فکر بہت بدلی ہوئی شکل میں عہد مابعد کے مروجہ ہندوستانی مذہب کی عام خصوصیت بن گیا۔

یوگ چوتھے نظام کا نام ہے۔ مغرب میں یہ لفظ بہت شہرت رکھتا ہے اور اشتقاقی اعتبار سے اس لفظ کو انگریزی لفظ ''یوک'' (Yoke) سے متعلق کیا جاتا ہے' اس کا آزاد ترجمہ ''روحانی نظم و ضبط'' یا ''عمل'' کیا جا سکتا ہے۔ عام طور پر یہ لفظ ہندوستانی مذہب کی عائد کردہ خود آزادی کے سارے مذہبی اعمال و افعال کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور جو شخص

سختی سے ان پر عمل کرتا ہے اس کو ''یوگی'' کہتے ہیں اس وسیع معنی میں یوگ ہر ہندوستانی فرقہ کی تعلیمات کا جز و رہا ہے لیکن یہ ایک علیحدہ مکتب فکر کا نام بھی تھا جو نجات کے ایک خاص وسیلے کی حیثیت سے روحانی تربیت پر زور دیتا تھا' اس مکتب فکر کی بنیادی کتاب پاتنجلی کی ''یوگ سوتر'' ہے۔ روایتی اعتبار سے یہ وہی عالم ہے جو دوسری صدی قبل مسیح میں ایک مشہور ماہر قواعد زبان کی حیثیت سے معروف تھا۔ لیکن یہ سوتر جو اپنی موجودہ حالت میں ہمارے پاس ہیں صدیوں کے بعد کی تصنیف معلوم ہوتے ہیں۔

یوگ مکتب فکر کے مابعد الطبیعیاتی تصورات بنیادی طور پر سانکھیہ مکتب فکر سے بہت زیادہ قریب تھے۔ بس فرق صرف اتنا تھا کہ یوگ مکتب فکر کے ماننے والوں نے خدا کے وجود کو تسلیم کر لیا۔ یوگ مکتب فکر کا خدا (ایشور) خالق نہیں تھا بلکہ ایک مخصوص روح اعلیٰ تھا جو مادے سے بغیر الجھے ہوئے ازل سے قائم ہے۔ یوگ کا خدا (مرکب اصغر) کے بدھ سے مشابہ ہے' یا جین مذہب کے ارفع و اعلیٰ تیر تھنکر سے جو کبھی کبھی اپنے پرستاروں سے رابطہ قائم نہیں رکھتا بلکہ بطور مثال بے بہا ہے۔ ''اوم'' کے فقرے کو اس کی مخصوص علامت قرار دیا گیا جس کی یوگ مکتب فکر میں بڑی منزلت تھی' کیونکہ یہی روح کی اعلیٰ و ارفع لطافت کی بصیرت عطا کر کے غور و فکر میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ جلد ہی خدا پرستی کا ظہور ہوا اور اس مکتب فکر سے متعلق بعد میں جو کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں خدا کا جو تصور دیا گیا وہ دوسرے مکاتب فکر کے تصور سے بالکل مختلف تھا۔

یوگی کی تربیت کے آٹھ مراحل ہوتے ہیں۔ یہ مراحل ہشت گانہ بدھ مذہب کی ''راہ ہشت گانہ'' کی یاد دلاتے ہیں لیکن یہ کہیں زیادہ ناقابل عمل ہیں:

ضبط نفس (یم) پانچ اخلاقی قوانین پر عمل' عدم تشدد' راست بازی' چوری نہ کرنا' پاکبازی اور حرص و ہوا سے پرہیز۔

مماسا (تجسس) اپنی ابتدا کے اعتبار سے دوسرے نظاموں سے اس لیے مختلف ہے کہ یہ نجات کا مکتب فکر نہیں ہے بلکہ اس کا تشریح و توضیح سے ہے۔ اس کا بنیادی مقصد تھا ویدوں کی شرح و بسط اور در حقیقت یہ برہمنیت کے سلسلے میں ایک کڑی تھی۔ اس مکتب فکر کی قدیم ترین کتاب جیمنی کے سوتر (شاید اس کا تعلق دوسری صدی قبل مسیح سے ہے) ہے۔ اس کتاب میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ وید ابدی ہیں' قائم بالذات ہیں اور پورے طور پر

بااختیار ہیں۔ اس کتاب کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پرانے والے فتنہ کے مقابلے میں ویدوں کی صداقت کا تحفظ کیا جائے۔ اس نظام کی بنیادی کتاب ''برہمہ سوتر'' ہے جو بادرائن کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ کتاب مسیحی عہد کے آغاز میں معرض تحریر میں لائی گئی۔ اس کتاب پر ہر عہد کے علماء نے بلکہ موجودہ علماء نے بھی حواشی لکھے ہیں۔ ویدانت آج بھی ایک زندہ مکتب فکر ہے اور موجودہ ماہرین الٰہیات' اور متصوفین مثلاً ویویکا نند اور آرو بندو گھوش' اور فلسفی مثلاً سرایس رادھا کرشنن سب کے سب ویدانتی ہیں۔ ویدانت کے معتقدات اپنشدوں پر مبنی ہیں اور انہوں نے اپنشدوں کے بہت سے صوفیانہ افکار کو منطقی اور منظم شکل بخشی۔ قدیم ویدانت عظیم فلسفی شنکر (788-820ء) سے منسوب ہے۔ یہ جنوبی ہندوستان کے شیو بھگت برہمن تھے۔ انہوں نے اپنی مختصر زندگی میں برہمہ سوتر' پر حواشی لکھے اور اہم اپنشدوں کی تفسیر کی' اپنے معتقدات کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر تمام ہندوستان کا سفر کیا اور ہندو راہبوں کے ایک نظام کی بنیاد ڈالی۔

شنکر' ایک آرتھوڈوکس برہمن تھے جس کے نزدیک ویدوں کی تمام تحریریں مقدس اور بلاشبہ سچی تھیں۔ اس کے بہت سے تناقضات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اُسے ایک ایسا چارہ کار اختیار کرنا پڑا جو پہلے سے بدھ مذہب میں موجود تھا' یعنی سچائی کا ادھورا معیار۔ سچائی کے روزمرہ کے معیار کے مطابق دنیا کو برہما نے پیدا کیا اور پھر وہ ان ارتقائی مراحل سے ہو کر گزری جو سانکھیہ مکتب فکر میں پائے جاتے ہیں اور اسی مکتب فکر سے شنکر نے تین گنوں کے تصور کو لیا۔ لیکن سچائی کے اعلیٰ معیار پر یہ تمام ظاہری کائنات' دیوتاؤں کی شمولیت کے ساتھ غیر حقیقی ہے۔ دنیا مایا ہے' فریب نظر ہے' ایک خواب ہے' سراب ہے اور تخیل کا ایک وہم ہے۔ قطعی طور پر اگر کوئی سچائی ہے تو وہ برہمن ہے' یعنی اپنشدوں کی غیر ذاتی روح عالم جس سے انفرادی روح مماثلت رکھتی ہے۔ اپنشدوں کی طرح یہاں بھی غور و فکر کے ذریعہ اس مماثلت کو پہچاننے میں نجات ہے۔ شنکر کا برہمن حقیقی طور پر ''خلا'' یا بدھ مذہب کے مہایان فرقے کے ''نروان'' سے مختلف نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کو شنکر کے مخالفین بخوبی جانتے ہیں اور اس لیے اُسے چھپا ہوا بودھی کہتے ہیں۔

شنکر کے تصورات کے مجموعے کو اکثر ''ادویت'' (وحدت وجود) کہا جاتا ہے یا کبھی کبھی کیول ادویت (وحدت وجود محض) کہتے ہیں۔

اگرچہ عظیم شنکر علم (گیان) کے ذریعہ حصول نجات کے اپنشدی عقیدے کے راسخ ترجمان تھا لیکن اس نے بھی سنسکرت میں چند خوبصورت عقیدت سے بھری نظمیں لکھ کر شہرت حاصل کی۔ اس امر کی توقع کی جاتی تھی کہ عبادت کی یہ نئی شکلیں ایک باضابطہ رسمی شکل اختیار کر لیں گی اور اپنشدوں اور ان کے درمیان یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔ اس کام کو شنکر کے بعد بہت سے دراوڑی ماہرین دینیات نے مختلف اشکال میں انجام دیا۔

ان میں خاص اہمیت ایک برہمن رامانج کو حاصل تھی جن کی تلقین و اشاعت کا مرکز شری رنگم کا عظیم مندر تھا۔ خیال یہ ہے کہ وہ 1017ء سے لے کر 1137ء تک زندہ رہا۔ رامانج کے خدا کا وجود ذاتی ہے جو اپنی تخلیق کے لیے اکرام محبت سے مملو ہے۔ پشیمان گنہگاروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے وہ کرم کے اختیار کو بھی سلب کر سکتا تھا۔ شنکر کی غیر ذاتی روح عالم کے برخلاف' جس نے اس پرفریب کائنات کو صرف لہو و لعب (لیلا) بنایا تھا' رامانج کے خدا کو انسان کی ضرورت تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے انسان کو خدا کی ضرورت تھی۔ اس تصور پر زور دیتے کر رامانج نے کرشن کے ان الفاظ کی وضاحت کی' ''میں اپنی انا کو روا نا تصور کرتا ہوں۔'' انہوں نے ان الفاظ کی تاویل یوں کی کہ جس طرح انسان بغیر خدا کے نہیں رہ سکتا' اسی طرح خدا بھی بغیر انسان کے نہیں رہ سکتا۔ وہ انفرادی روح جو خدا اپنے جوہر سے تخلیق کرتا ہے' اپنے خالق کے پاس واپس چلی جاتی ہے اور دائمی طور پر وصل کامل کی لذت حاصل کرتی ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے الگ نہیں رہتی' وہ علم کل اور برکت کی ربانی مزاج میں شریک رہتی ہے اور شر اس کو چھو نہیں سکتا۔ لیکن اس کو اپنا انا کا شعور ہمیشہ رہتا ہے کیونکہ خدا کے وجود کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے یہ ابدی ہے اور یہ اپنی خود آگہی کھو دے تو اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔ یہ روح کے خدا کے ساتھ شریک ہے لیکن پھر بھی اس سے علیحدہ ہے اور اسی سبب سے رامانج کے نظام فکر کو ''وشِشٹا ادویت'' یا ''مشروط وحدت وجود'' کہا گیا۔ رامانج اتنا ذہین ماہر مابعد الطبیعیات نہیں تھا' جیسے کہ شنکر' لیکن ہندوستانی مذہب شنکر سے زیادہ رامانج کا ممنون کرم ہے۔ رامانج کی موت کے مابعد کی صدیوں میں اس کے خیالات پورے ہندوستان میں پھیل گئے اور یہی خیالات آگے چل کر بہت سے مذہبی فرقوں کا نقطۂ آغاز بنے۔

عہد مابعد کے بہت سے ماہرین الٰہیات نے رامانج کی تعلیمات کی شرح کی اور

تاملوں کی سرزمین پر دو مذہبی گروہ پیدا ہو گئے' یہ دونوں گروہ ابتدائی عہد کے پروٹسٹنٹ ازم کے آرمینی اور کیلونی گروہوں کے مماثل تھے۔ شمالی مکتب فکر کی یہ تعلیم تھی کہ نجات اسی طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔ جس طرح بندرا اپنے بچے کی حفاظت کرتا ہے اور اسے اپنے بدن سے چمٹائے رکھتا ہے' خدا بھی اسی طرح روحوں کی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کو اس سلسلے میں تھوڑی سی کاوش ضرور کرنا پڑتی ہے۔

تیرہویں صدی عیسوی میں جس عالم نے رامانج کے عقائد کو حیرتناک سمتوں کی طرف موڑا وہ مادھو تھا۔ اس کنٹری ماہر الٰہیات نے خدا اور روح انسانی کی وحدت کے اپنشدی عقائد سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور ثنویت (دویت) کی تعلیم دی۔ اس عالم کے تصور کے مطابق وحدت وجود کے متعلق ساری تحریریں استعاراتی ہیں اور یہ کہ وشنو' انفرادی ارواح اور مادہ ابدی اور مکمل طور پر الگ الگ ہیں۔ وشنو کو روحوں اور مادہ دونوں پر مکمل اختیار حاصل ہے اور وہ روحوں کو بالکل اپنے انعام کے طور پر نجات کی دولت عطا کرتا ہے اور یہ دولت بھی صرف ان ہی ارواح کے حصے میں آتی ہے جو طیب وطاہر زندگی بسر کرتی ہیں۔ بری روحوں کا مقسوم ابدی تعذیب ہے جسے خدا سے ایک ناقابل عبور بعد تصور کیا جاتا ہے' جبکہ درمیانی قسم کی ارواح ابدی طور پر آواگون میں مبتلا رہتی ہیں۔

مادھو کی الٰہیات کی ایک دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وشنو کا بیٹا وایو دیوتا جو اس دنیا میں اس کا نمائندہ ہے اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس میں مسیحی الٰہیات کی روح القدس کی کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مسیحیت سے مادھو کے نظام فکر کی مماثلت اتنی حیرتناک ہے کہ اس پر مالا بار کے شامی عیسائیوں کا اثر انداز ہونا تقریباً قطعی ہے۔ خدا اور روح کے درمیان ایک نازک فرق ابدی تعذیب کا عقیدہ اور وایو دیوتا کا منصب۔ یہ تمام مماثلتیں بہت واضح ہیں' مادھو سے متعلق داستانیں ان معجزات کے بیان پر مشتمل ہیں جو یقینی طور پر انجیل سے مستعار لیے گئے۔ جب وہ بچے تھے تو انہوں نے ایک مندر میں بڑے فاضل برہمنوں سے کامیاب مباحثہ کیا' جب انہوں نے ریاضت کی زندگی اختیار کی تو ایک آسمانی آواز نے ان کی عظمت کا اعلان کیا۔ وہ ایک مٹھی غذا سے پورے جم غفیر کو کھانا کھلا دیتے تھے۔ وہ پانی پر چلتے تھے اور وہ اپنی ایک نگاہ سے تلاطم خیز سمندر کو پرسکون کر دیتے تھے۔

تاملوں کا شیوی عقیدہ حقائق سہ گانہ کی تعلیم دیتا ہے یعنی خدا (پتی آقا) ارواح

(پشو یعنی جانور) اور مادہ (پاش قید) نجات کی منزل میں روح خدا سے واصل تو ہو جاتی ہے لیکن اس میں مدغم نہیں ہوتی۔ اس طرح تاملوں کا پشوی عقیدہ ثنویت یا دوئی کی سمت میں ویشنوی رامانج کے مشروط بصورت وحدت وجود کے مقابلے میں زیادہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس میں قدیم شیو کے ظالمانہ' حریصانہ اور غیر اخلاقی خصائص بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور یہی اس کی حیرتناک ترین خصوصیت ہے۔ کرم کے عطا کنندہ کی حیثیت سے وہ عدل خالص ہے اور اس کا یہ عدل اپنی مخلوقات کے لیے اس کی محبت کا صرف ایک پہلو ہے۔ وہ ان کی دعائیں سنتا ہے اور اپنے آپ کو اسی شکل میں ظاہر کرتا ہے' جس میں وہ اس کی عبادت کرتے ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہندو مذہب میں روحوں کے ساتھ ساتھ بدروحوں کا تصور بھی موجود ہے۔ انہیں "اسور" کہتے ہیں۔ ہندو مذہب میں اس کا استعمال آسمانی ارواح کے اس گروہ کے لیے ہوتا ہے جو ہمیشہ دیوتاؤں سے برسرپیکار رہتا ہے' جن کے اقتدار کو یہ گروہ متزلزل تو کر دیتا ہے لیکن کبھی مغلوب نہیں کر پاتا۔ انسانوں کے لیے راکششوں کے متعدد طبقات زیادہ خطرناک تھے۔ ان سب میں زیادہ مشہور راون تھا' جس کے دس سر تھے اور لنکا کا راجہ تھا جس کو رام نے شکست دی اور قتل کیا۔ راون سے زیادہ طاقت کسی بھی راکشش میں نہیں تھی لیکن سب کے سب خوفناک اور خطرناک تھے جو مہیب شکلیں اختیار کرتے تھے اور رات میں تاریک مقامات پر گھومتے رہتے تھے تاکہ انسانوں کو جان سے مار سکیں اور کھا سکیں اور کسی اور طریقے پر انہیں تکلیف پہنچا سکیں۔ ان کے مقابلے میں کم خوفناک پشاک تھے جو ناگوں کی طرح وحشی قبائل میں اپنی مادی بنیاد رکھتے تھے کیونکہ پراکرت کی ایک گری ہوئی بول چال کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ راکششوں کے یہ دونوں گروہ وتال (بیتال) کے مخصوص گروہ کی طرح جو لاشوں کے درمیان رہتے تھے' میدان جنگ' مذبحوں اور ایسے ہی دوسرے مقامات پر گھوما کرتے تھے' پھر راتوں میں بھوت پریت نمودار ہوتے تھے۔ یہ ان لوگوں کی ننگی روحیں ہوتی تھیں جو شدید قسم کی موت کا شکار ہوتے تھے اور جن کے لیے شردھا کی رسم انجام نہیں دی گئی تھی۔ یہ بدنصیب مخلوق انسانوں کے لیے بالخصوص ان کے زندہ اقارب کے لیے بہت زیادہ خطرناک ہوتی تھیں۔

ہندو مذہب میں روح' اعمال (کرم) اور سمسار کا نظریہ باہم منسلک ہے۔ اس دنیا میں اس کے کرم ہی اس روح کے سمسار یعنی ایک سے دوسرے جسم میں منتقلی کا باعث

بنتے ہیں۔ کرم کا عقیدہ بدھ مذہب اور جین مذہب نے اختیار کرلیا تھا لیکن یہ عقیدہ ہندو مذہب کا بھی جزو لاینفک بن چکا تھا۔ ہندو مذہب کی تعریف کے مطابق کرم (جس کے لغوی معنی کام یا عمل ہیں) پچھلے اعمال کی غیر مرئی تکمیل ہے اور اگرچہ ہندو مذہب میں جین مذہب کی طرح یہ کوئی اہم مقولہ نہ تھا لیکن اس کے بارے میں اجتماع و انتشار کا تصور کارفرما تھا۔ کرم ہی کے ذریعہ حیات مابعد کا جسم حاصل ہوتا تھا خواہ وہ الوہی ہو یا انسانی یا حیوانی' یا جہنمی۔ سابق کرم ہی پر انسان کا کردار' اس کی دولت' اس کے معاشرتی درجے اور اس کے مسرت و غم کا انحصار تھا۔ ہر عمل خیر کا جلد یا بدیر مسرت کی شکل میں نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور اسی طرح ہر عمل بد کا نتیجہ پر الم ہوتا ہے۔

ضروری نہیں کہ کرم کے عقیدے میں جبر و قدر کا عقیدہ بھی شامل ہو۔ ہندو فلسفہ و فکر میں جبر و قدر کی جانب ایک رجحان اکثر ابھرا' لیکن اکثر علماء نے اس کو پیش نہیں کیا ہماری موجودہ حالت ناگزیر ہے لیکن یہ اس کرم کی وجہ سے ہے جو ہمارے سابق اعمال سے پیدا ہوا ہے۔ ہم کرم کے قانون سے اسی طرح فرار نہیں حاصل کر سکتے جس طرح قانون کشش سے یا اشتداد زمانہ سے لیکن اپنی قوت' بصیرت اور پیش بینی سے ہم کرم کو اپنے لیے مفید بنا سکتے ہیں۔

تناسخ کے سلسلے میں متعدد تعبیریں پیش کی گئی ہیں لیکن سب ہی مکاتیب فکر اس امر پر متفق ہیں کہ روح عریانی کی حالت میں منتقل نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ ایک خول یا مادے کے بہت سے لطیف خول ہوتے ہیں۔ ان خولوں کی حالت کا دارومدار سابق اچھائیوں یا برائیوں پر ہوتا ہے اور نئے جنم کا تعین ان غلافوں کی فطرت سے ہوتا ہے جن میں روح ملفوف ہوتی ہے۔ تناسخ لطیف جسم بشمول لمس و حس ششم سارے احساسات سے عاری ہوتا ہے اور اس لیے روح عام حالات میں پچھلے جسموں کو اور ایک جسم سے دوسرے جسم میں انتقال کو یاد نہیں رکھ سکتی۔ بہت ہی ترقی یافتہ ارواح کبھی کبھی اپنے پچھلے وجود کو یاد رکھتی ہیں اور کچھ فرقوں نے اس یادداشت کو برقرار رکھنے کے لیے مخصوص طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔ برہما دیوتا کی زندگی بھر ارواح کا تناسخ ہوتا رہتا ہے حالانکہ ہر کائناتی دن یا کلپ کے اختتام پر یہ ارواح اس کے جسم میں صرف قوت کی حیثیت سے داخل ہوتی ہیں۔ کائنات کی قطعی فنا کے وقت جو سو (100) برہمی سالوں کے اختتام پر ہوگی وہ روحیں روح

عالم میں جذب ہو جاتی ہیں اور ان کا کرم ختم ہو جاتا ہے۔

سمسار جو ایک جسم سے دوسرے جسم میں مسلسل انتقال ہے اور جس کا مقابلہ ایک ایسے پہیے سے کیا جاتا ہے جو ہمیشہ گھومتا رہتا ہے' لامحدود طریقے پر صبر آزما ہے۔ ہندو مذہب نے تناسخ سے نجات کی خواہش وراثت میں حاصل کی جو ہندوستانی فکر میں تقریباً ہر جگہ موجود تھی۔ حالت رہائی یا نجات (مکتی) کے تصورات اور اس کے حصول کے طریقے آپس میں بہت زیادہ مختلف ہیں۔

◈ ○ ◈

4

یہودیت ''غیر روحانی مذہب''

یہودی دینیات میں گناہ بنیادی تصور تھا۔ تاریخ میں کوئی بھی لوگ نیکی کے اس قدر شائق نہیں رہے...... یہاں تک کہ پیوریتان آئے جنہوں نے لکھا ہے کہ کیتھولک صدیوں کی کسی تعبیر کے بعد عہد نامہ عتیق سے قدم نکالا۔ جسم کمزور اور قانون (شرع) پیچیدہ ہونے کے باعث گناہ ناگزیر تھا اور روح یہودیت بارش کی بندش سے لے کر سارے اسرائیل کی تباہی تک عموماً گناہ کے نتائج کی سوچ میں ملفوف رہی۔ اس عقیدے میں سزا کی علیحدہ جگہ کے طور پر جہنم کا کوئی وجود نہ تھا' لیکن ارض کے نیچے شیول یا ''ظلمت کی زمین'' (جہاں اچھے اور برے تمام مردے ایک ہی طرح سے جاتے ہیں' ماسوائے حنوک اور ایلیاہ جیسے خدا کے پسندیدہ لوگوں کے) جہنم جتنی بری ہو چکی تھی۔ تاہم یہودیوں نے قبر سے بعد کی زندگی پر بہت کم غور کیا۔ ان کے مسلک نے شخصی ابدیت کے بارے میں کچھ نہ کہا اور اپنی سزا و جزا کو اس عارضی زندگی تک محدود رکھا۔ پوری زمین پر فتح مندی حاصل کرنے کی امید ختم ہونے کے بعد ہی یہودیوں نے' غالباً فارس یا شاید مصر سے بھی' شخصی پیدائش نو کا نظریہ اپنا لیا۔ اسی روحانی حل تضیہ (Denouement) میں عیسائیت کا جنم ہوا تھا۔

نتیجہ گناہ کا خدشہ عبادت یا قربانی کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے۔ ''آریائی'' قربانی کی طرح سامی قربانی کا آغاز بھی انسانی بھینٹوں کے ساتھ ہوا' پھر جانوروں کی باری آئی ... ''ریوڑوں کے اولین پھل'' ... اور پھر کھیتوں میں اگنے والی خوراک آخر کار حمد

کرنے پر تصفیہ ہو گیا۔ ابتدا میں کوئی بھی جانور' بشرطیکہ مرا ہوا یا پروہتوں کی جانب سے متبرک نہ قرار دیا گیا ہو' کھایا نہیں جا سکتا تھا اور ایک لمحے میں دیوتا کی نذر کر دیا جاتا۔ ختنہ کی رسم قربانی کی نوعیت میں شرکت عمل رکھتی ہے۔ گناہ کی طرح ماہواری اور بچے کی پیدائش بھی روحانی لحاظ سے ناپاک بنا دیتی تھی اور کلیسائی قربانی اور دعا کے ذریعے رسماتی پاکیزگی کی متقاضی تھی۔ ہر موڑ پر ممنوعات معتقد کی راہ روکے کھڑے تھے۔ گناہ نے تقریباً ہر خواہش میں قومیت پیدا کر دی اور تقریباً ہر گناہ کے کفارہ ادا کرنے میں عطیات اور نذرانے درکار تھے۔

صرف پادری مناسب انداز میں قربانی پیش' یا عقیدے کی رسومات اور پیچیدگیاں درست طور پر بیان کر سکتے تھے۔ پادری ایک متقفل ذات تھے۔ جس سے تعلق لووی (یعقوب کا ایک بیٹا) کی اولادوں کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جائیداد ترکہ میں نہیں چھوڑ سکتے تھے' لیکن تمام ٹیکسوں یا جزیے سے مستثنٰی تھے۔ انہوں نے اون کی کاشت پر عشری محصول لاگو کیا اور معبد میں پیش کردہ نذرانوں میں سے دیوتا کی باقی چھوڑی ہوئی چیزیں اپنے استعمال میں لاتے۔ خروج کے بعد پادری طبقہ کی دولت باز نمود آبادی کے ساتھ بڑھی اور چونکہ اس پادریانہ دولت کا انتظام و انصرام' اضافہ پذیری اور حفاظت کافی اچھی تھی اس لیے انجام کار اس نے تھیبس اور بابل کی طرح یروشلم کے معبد ثانی کے پروہتوں کو بادشاہ سے زیادہ طاقتور بنا دیا۔

اس کے باوجود' کلیسیائی قوت اور مذہبی تعلیم میں اضافہ عبرانیوں کی توجہ توہمات اور صنم پرستی سے ہٹا کر اپنی جانب کرنے کے لیے ہرگز کافی نہ تھا۔ گھروں کی چھتوں اور کنجوں میں بیگانے دیوتاؤں کو پناہ ملی اور خفیہ رسوم کی ادائیگی جاری رہی۔ لوگوں کی کافی بڑی اقلیت مقدس پتھر کے سامنے سر تسلیم خم' یا بعل اور عستارات کی پوجا یا بابلی انداز میں علم پر عمل کرتی رہی۔ یا انہوں نے شبیہیں قائم کیں اور ان کے سامنے لوبان جلایا' یا ہیکل کے ناگ یا سنہری بچھڑے کے سامنے ماتھا ٹیکا' یا پھر معبد کو بت پرستانہ دھوتوں کے شور سے بھر دیا' یا قربانی میں اپنے بچوں کو ''آگ میں سے گزارا۔'' حتیٰ کہ سلیمان اور اہاب جیسے کچھ بادشاہ بھی غیر ملکی دیوتاؤں کی پیروی میں بھٹک گئے۔ ایلیاہ اور الیشع جیسے پاکیزہ لوگ سرفراز ہوئے جنہوں نے لازماً پادری بنے بغیر ان اعمال کے خلاف تبلیغ کی اور اپنی زندگی کی مثال سے لوگوں کو راست بازی کی جانب راہ دکھائی۔ ان حالات اور ابتداؤں میں سے' اسرائیل

میں غربت اور استحصال کے زرغ میں سے یہودی مذہب کی اعلیٰ ترین شخصیت آئیں۔ وہ جذبہ شوق سے سرشار نبی جنہوں نے نسل یہود کو پاکیزہ اور رفیع بنایا' اور اسے مغربی دنیا پر اپنی فاتحانہ تسخیر کے لیے تیار کیا۔

یہودیوں نے حیات بعد الموت کی زیادہ فکر تو نہ کی لیکن اپنی زمینی اور عملی زندگی میں بہت سے توہمات کا شکار رہے۔ ان کا مذہب قدیم ارواح پرستی کا ہی عکس تھا۔ لہٰذا ان کے خدا یہواہ کا تصور ہمیں ان کی مابعد الطبیعیات کو سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس خدا کے تصور میں روح یا روح کلی کا تصور عیاں تو نہیں لیکن کہیں کہیں اس کی جھلک ضرور ملتی ہے۔ طریقہ عبادت اور رسومات پرستی بھی اسی حوالے سے قابل ذکر ہے۔

یہودی تاریخی منظر نامے میں پہلی مرتبہ خانہ بدوش بدوؤں کے طور پر نمودار ہوئے' جو ہوا کے جنات سے خوفزدہ تھے اور پتھروں' مویشیوں' بھیڑوں اور غاروں و پہاڑوں کی روحوں کو پوجتے تھے۔ بیل' بھیڑ اور بکرے کی پرستش نظر انداز شدہ نہ تھی۔ حضرت موسیٰ سنہری بچھڑے کی تزئین و آرائش سے اپنا ریوڑ فتحانہ جیت سکتے تھے کیونکہ بیل کی مصری پرستش ان کے حافظوں میں ابھی تک تازہ تھی اور ایک طویل عرصہ تک یہ وحشی سبزی خور جانور یہواہ کی علامت بنا رہا تھا۔

قدیم یہودی تاریخ میں ناگ پوجا کے بے شمار نشان ملتے ہیں۔ قدیم ترین آثار قدیمہ سے ملنے والی ناگ شبیہوں سے لے کر موسیٰ کے بنائے اور حزقیاہ (720ق۔م) کے دور تک معبد میں پوجے جانے والے پیتل کے ناگ تک دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح یہودیوں میں بھی ناگ مقدس لگتا ہے۔ جزو امردانگی کی عضویاتی علامت اور جزو اشتالی دانش' لطافت اور ابدیت کے طور پر ... ادبی اعتبار سے اس کی بڑے مشکل وقت میں گزارا کر لینے کی صلاحیت کی وجہ سے کافی حد تک ہندوؤں کے ''لنگ'' کی مانند سیدھے مخروطی پتھروں میں علامتاً پیش کیا گیا بعل کچھ عبرانیوں کے لیے نر قاعدہ تولید زرخیز زمین کے خاوند کے طور پر قابل تعظیم تھا۔ گھریلو دیوتاؤں کا کام سر انجام دینے والے ٹیرافیم' شتوں' ولیوں' اور چٹلوں یا نقل پذیر بتوں کی پرستش میں بڑی گہری ابتدائی کثرت پرستی کی طرح انبیاء اور پادریوں کے احتجاج کے باوجود قدیم عقیدوں میں مروج جادوئی منتر بدستور موجود رہے۔ لگتا ہے کہ لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کو بطور ساحر قابل تحسین جانا اور پیشہ ور غیب دانوں اور

فسوں گروں کی سرپرستی کی۔ ایک دور میں پانسہ پھینک کر غیب بینی کی جاتی تھی دیوتاؤں کی مشیت معلوم کرنے کے لیے یہ رسم اب بھی زیر استعمال ہے۔ اس بات کا سہرا پادروں کے سر ہے کہ انہوں نے ان وظائف کی مخالفت کی اور قربانی کے منتر' عبادت اور چندہ دہی پر بالخصوص انحصار کی تبلیغ کی۔

آہستہ آہستہ یہواہ کا تصور پہلے قومی دیوتا کے طور پر صورت پذیر ہوا اور اس نے یہودی عقیدے کو میسوپوٹیمیائی عبادت گاہوں والی بے ترتیب تکثیریت سے بالاتر سادگی اور اتحاد دیا۔ بدیہی طور پر فاتح کنعان کے ایک دیوتا ''یاہو'' کو اپنے ساتھ لے گئے اسے اپنے تصور کے مطابق سخت گیر' جنگجو اور اکڑی گردن والے دیوتا کی صورت میں اور تقریباً قابل محبت حدود کے ساتھ دوبارہ بنایا۔ چونکہ یہ دیوتا معرفت کل کا دعویدار نہیں: وہ یہودیوں سے کہتا ہے کہ اپنے گھروں پر ذبیحہ جانوروں کے چھینٹے مار کر انہیں شناخت کریں تاکہ کہیں وہ انجانے میں مصریوں کے پہلے بچے کے ساتھ ساتھ ان کے بچوں کو بھی تباہ نہ کر دے۔ وہ خطا سے بالاتر نہیں اور انسان اس کی بدترین خطا ہے۔ وہ آدم کو تخلیق اور ساؤل کو بادشاہ بننے کی اجازت دینے پر بہت بعد میں پشیماں ہوتا ہے۔ گاہے لگتا ہے وہ حریص' غضب ناک' خون کا پیاسا' من موجی اور تنگ نظر ہوتا ہے: ''میں جس پر مہربان ہوں گا اسی پر مہربانی کروں گا' میں جس پر رحم کھاؤں گا صرف اسی پر رحم کروں گا۔'' وہ لبان سے انتقام لینے میں یعقوب کی دھوکہ دہی منظور کرتا ہے۔ اس کا ضمیر کسی سیاستدان بشپ کے ضمیر کی مانند لچکدار ہے۔ وہ باتونی ہے اور لمبی تقریر کرنا پسند کرتا ہے۔ لیکن وہ شرمیلا ہے اور انسانوں کو اپنے پچھلے حصوں کے سوا کوئی چیز دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کبھی بھی کوئی دیوتا اس قدر بھرپور حد تک انسانی نہیں رہا۔

لگتا ہے وہ دراصل صاعقہ (آسمانی بجلی) کا دیوتا ہوا کرتا تھا۔ اور پہاڑوں میں رہتا تھا اور اسی وجہ سے پوجا جاتا تھا کہ جب وہ کڑکتا تو پرشباب گور کی عقیدت مند بن گیا۔ خمسہ موسیٰ کے مصنفین نے' جن کی نظر میں مذہب ریاست کاری کا ایک آلہ تھا' اس دلکن (آگ اور دھات کا رومی دیوتا) کو مارس (روم کا جنگی دیوتا) کی شکل دی کہ ان کے مستعد و فعال ہاتھوں میں یہواہ غالب طور پر رب الافواج اور توسیع پسند خدا بن گیا جو اپنے لوگوں کے لیے ''ایلیڈ'' کے دیوتاؤں کی سی غضبناکی کے ساتھ لڑتا تھا۔ موسیٰ نے کہا: ''خدا مرد

جنگ ہے۔'' اور داؤد اس کی بازگشت سناتا ہے: ''اس نے میرے ہاتھوں کو جنگ لڑنا سکھائی۔'' یہواہ نے وعدہ کیا کہ وہ یہودیوں کی جانب بڑھنے والے تمام لوگوں کو تباہ کر دے گا اور حویوں' کنعانیوں اور حتیوں کو تھوڑا تھوڑا کر کے نکال باہر کرے گا۔ وہ یہودیوں کا فتح کردہ سارا علاقہ اپنا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ کوئی امن پسندانہ بیوقوفی نہیں کرتا۔ اسے معلوم ہے کہ ارض موعودہ بھی صرف تلوار کے ذریعہ چھینی اور اپنی ملکیت میں رکھی جا سکتی ہے۔ وہ جنگ کا دیوتا تھا' کیونکہ اسے ہونا پڑا۔ اسے ہلل اور عیسیٰ کے نرم دل اور پیار کرنے والے دیوتا کا روپ بدلنے میں فوجی شکست' سیاسی ماتحتی اور ترقی کی کئی صدیاں درکار تھیں۔ وہ کسی سپاہی جتنا ہی بیکار ہے۔ وہ غیر مختتم اشتہاء کے ساتھ خوشامد سنتا ہے اور مصریوں کو غرق کر کے اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرنے کے لیے بے قرار ہے: ''جب میں نے فرعون سے زیادہ رتبہ حاصل کر لیا تو انہیں پتا چل جائے گا کہ میں خدا ہوں۔'' اپنے لوگوں کی کامیابیاں حاصل کرنے کی خاطر وہ اس قدر نامرغوب مظالم کرنے کا حکم دیتا ہے جو ہمارے لیے ناگوار ہونے کے ساتھ ساتھ اس دور کی اخلاقیات کو بھی قابل قبول نہ تھے۔ وہ لُٹی ہت کے لیے لڑنے والے کولیور کی سی بے حس طمانیت کے ساتھ ساری ساری قوموں کو تہہ تیغ کرتا ہے۔ وہ اس قدر غضب ناک ہے کہ سنہری بچھڑے کی پرستش کرنے پر تمام یہودیوں کو فنا کر دینے کا سوچتا ہے۔ اور موسیٰ نے دلیل بازی کے ساتھ اسے اپنا آپ قابو میں لانے کو کہا۔ انسان اپنے دیوتا کو بتاتا ہے: ''اپنے شدید غضب کا رخ بدل دے اور اپنے لوگوں کے خلاف اس برائی سے تائب ہو۔'' اور ''دیوتا اس برائی پر نادم ہوا جو اس نے اپنے لوگوں پر نازل کرنے کا سوچا تھا۔'' یہواہ ایک مرتبہ پھر موسیٰ کے خلاف بغاوت کرنے پر یہودیوں کی جڑیں اور شاخیں قطع کرنے کی تجویز دیتا ہے' لیکن وہ اس کی رحیم فطرت سے اپیل اور یہ سوچنے کی استدعا کرتا ہے کہ ایسی بات سننے پر لوگ کیا کہیں گے۔ وہ ابراہام سے ایک ظالمانہ آزمائش کا مطالبہ کرتا ہے...... شدید ترین قسم کی انسانی قربانی۔ موسیٰ کی طرح ابراہام یہواہ کو اخلاق اصول سکھاتا اور ترغیب دلاتا ہے کہ اگر سدوم اور گوموراہ میں پچاس' چالیس' تیس' بیس یا دس اچھے انسان بھی ہوں تو ان کو تباہ نہ کرے۔ وہ اپنے دیوتا کو تھوڑا تھوڑا کر کے شائستگی کی جانب لاتا اور اس انداز کی تصویر کشی کرتا ہے جس میں انسان کی اخلاقی ترقی اسے اپنے دیوتاؤں کی معیادی تخلیق نو پر مجبور کرتی ہے۔ نافرمانی کرنے کی صورت میں اپنے منتخب کردہ

لوگوں کو دھمکانے کے لیے بددعائیں دشنام طرازی کے مثالی نمونے ہیں' جنہوں نے عدالت احتساب میں بدعتیوں کو جلانے یا سپنوزا کی کلیسا بدری کرنے والوں کو تحریک دی:

> ''شہر میں تم پر لعنت ہو' گاؤں میں تم پر لعنت ہو۔
>
> تیرے بدن اور زمین کے پھل پر لعنت ہو...... تو اندر ہو یا باہر جا رہا ہو تجھ پر لعنت ہو...... خدا تجھے دق میں' بخار میں اور سوجن میں جلا کرے...... خدا تجھے مصری دنبل میں' رسولیوں' خارش اور کھرنڈ میں جلا کرے' جن کا علاج نہ ہو سکے۔ خدا تجھے پاگل پن' اندھے پن اور دل کی بیماری سے دوچار کرے...... اور ہر بیماری اور ہر آفت' جو کتاب قانون میں درج نہیں' خدا اس پر نازل کرے' حتیٰ کہ یہ فنا ہو جائے۔''

یہواہ واحد دیوتا نہیں تھا جس کا وجود یہودیوں نے یا خود اس نے تسلیم کیا۔ پہلے فرمان الٰہی میں وہ صرف یہ کہتا ہے کہ اسے باقی سب پر فوقیت دی جائے: ''میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا' جو اوپر آسمان میں نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور ان کی عبادت نہ کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔'' یسعیاہ سے پہلے تک یہودیوں نے شاذ و نادر ہی یہواہ کو تمام قبائل' حتیٰ کہ تمام عبرانیوں کا دیوتا خیال کیا۔ موآبیوں کا اپنا دیوتا کیموش تھا۔ ایلوہیب اکرون کا دیوتا تھا اور ملکوم آمون کا: قدرتی طور پر ان لوگوں کی معاشی اور سیاسی علیحدگی پسندی اس چیز پر منتج ہوئی جسے ہم الٰہیاتی آزادی کہہ سکتے ہیں۔ موسیٰ نے اپنے مشہور گیت میں گایا' ''اے خدا' تمام دیوتاؤں میں تیرے جیسا کوئی نہیں۔'' اور سلیمان نے کہا'' ہمارا دیوتا تمام دیوتاؤں میں عظیم ترین ہے۔'' اعلیٰ تعلیم یافتہ یہودیوں کے سوا سب نے تموز کو بطور حقیقی دیوتا خیال کیا' لیکن ایک دور میں اس کی پرستش یہوداہ میں اس قدر مقبول تھی کہ حزقی ایل نے شکایت کی کہ تموز کی موت پر رسوماتی گریہ زاری معبد کے اندر بھی سنی جا سکتی ہے۔ یہودی قبائل اتنے مختلف اور خود مختار تھے کہ یرمیاہ کے عہد میں بھی متعدد کے اپنے معبود تھے: یہوداہ' تیرے دیوتاؤں کی تعداد بھی تیرے شہروں جتنی ہے۔ اور طول نبی اپنے لوگوں میں بعل اور مولاک کی پرستش کے خلاف

احتجاج کرنے لگتا ہے۔ داؤد اور سلیمان کے دور میں سیاسی یکجہتی بڑھنے اور یروشلم کے معبد میں عبادت مرکوز ہونے کے ساتھ دینیات نے تاریخ اور سیاسیات پر غور و خوض کیا اور یہواہ یہودیوں کا واحد دیوتا بن گیا۔ اس ''توحید ناقص'' سے علاوہ انہوں نے انبیاء کی آمد تک توحید پرستی کی جانب مزید کوئی پیش رفت نہ کی۔ عبرانی مذہب یہوائی مرحلے میں بھی اخناتون کی یک روزہ سورج پوجا کے سوا کسی بھی اور قبل از انبیاء عقیدے کے مقابلے میں توحید پرستی کے قریب تر آ گیا۔ کم از کم بابل اور یونانی کثرت پرستی کے جذبات اور شاعری میں ہم پلہ طور پر یہودیت جاہ و جلال اور قوت' فلسفیانہ اتحاد اور ادراک' اخلاقی گرمجوشی اور اثر و رسوخ کے اعتبار سے اپنے دور کے دیگر تمام مذاہب سے بہت زیادہ اعلیٰ تھی۔

اس کٹر اور متعین مذہب نے ان پرتکلف رسومات اور پرخوش تقریبات کو بھی شامل نہ کیا جو مصری اور بابلی دیوتاؤں کی پوجا کا خاص نشان ہیں۔ ایک آمرانہ معبود کے سامنے انسانی بے وقعتی کے احساس نے ساری قدیم یہودی فکر کو تاریک کر دیا۔ یہواہ کی پرستش کو رنگ اور آہنگ کے ساتھ خوبصورت بنانے کے لیے سلیمان کی کوششوں کے باوجود اس پرجلال دیوتا کی پرستش کئی صدیوں تک محبت کے بجائے خوف کا مذہب بنی رہی۔ ان عقائد کو پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے آپ سوچتے ہیں کہ آیا یہ انسانیت کے لیے اتنی تسکین بھی لائے تھے' جتنی کہ دہشت اور خوف۔ امید اور محبت کے مذاہب تحفظ اور نظم و ضبط کی دین ہیں۔ محکوم یا باغی عوام کے درمیان خوف پیدا کرنے کی ضرورت نے زیادہ تر قدیم مذاہب کو پراسراریت اور خوف کے عقائد بنا دیا تھا۔ عبادت گاہوں میں مذہبی صحائف رکھنے والی جگہ کا اچھوت پن اپنی رمزیت میں یہودی نسل کا کردار رکھتا ہے۔

◆ ○ ◆
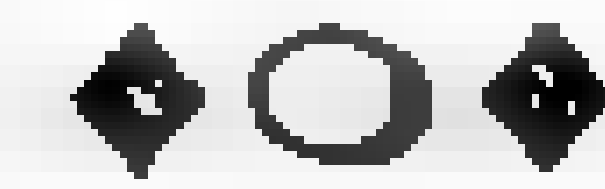
5

بدھ مت' بے روح مذہب؟

اس بارے میں متضاد آرا پائی جاتی ہیں کہ گوتم بدھ نے اپنے خیالات میں روح کو کوئی جگہ دی تھی یا نہیں؟ یا جو روح کا تصور اس وقت بدھ مت میں ہے وہ کہیں بعد از اں ہندومت کے اثر کا نتیجہ تو نہیں۔ یاد رہے کہ بدھ مت مذہب سے زیادہ ایک فلسفیانہ نظام ہے جس کی بنیاد چھٹی صدی قبل مسیح میں سدھارتھ گوتم نے ہندومت کی پوجا پاٹھ اور ذات پات میں جکڑے ہوئے سماجی نظام کے خلاف رکھی۔ ہندوؤں نے مختلف یگوں (ادوار) اور طبقات برہمن' کھتری' ویش' شودر کی طرح روحوں کے بھی رنگ متعین کر رکھے تھے۔ اعلیٰ ترین رنگ یعنی سفید برہمنوں اور پست ترین رنگ یعنی کالا شودروں کا تھا جو ان کی روح کو بھی متاثر کرتا تھا۔ برہمنوں کی حاکمیت اور مفت کی روٹیوں کا دارومدار تناسخ ارواح یا آواگون پر تھا۔ وہ روح کو اس کٹھن چکر سے نجات دلانے کے لیے ہی نذرانے وصول کرتے' یگیہ کرواتے اور منتر پڑھتے تھے۔ لہٰذا گوتم بدھ نے اس غیر انسانی اور مذہبی استحصال سے عوام کو نجات دلانے کے لیے آواگون کے نظریہ پر چوٹ کی اور عقیدہ لا روح پیش کیا۔ ایک روایت کے مطابق جب ایک نووارد بھکشو (راہب) نے بدھ سے پوچھا کہ ''انسان کے مرنے پر اس کی روح کہاں جاتی ہے؟'' تو اس نے جواب دیا تھا کہ ''جب تم میرے سنگھ (جماعت) میں شامل ہوئے تھے تو کیا میں نے تمہیں اس سوال کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا؟'' بھکشو نے کہا۔ ''نہیں آقا۔'' اور بات ختم ہو گئی۔

بدھ کے نظریہ لاروح کے مطابق اصل حقیقت تبدیلی ہے۔ یہ دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ بھی حقیقی ہے وہ دائمی نہیں۔ کچھ بھی دائمی نہیں۔ قانون تغیر ہمہ گیر ہے۔ چنانچہ بدھ کسی دائمی یا ابدی روح پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ روح یا نفس کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ جسے ذہن کہتے ہیں وہ تصورات و خیالات کا بہاؤ ہے۔ سوچیں، احساسات، خواہش وغیرہ ایک لمحے کی پیداوار ہیں۔ ہمارا ذہنی عمل شعور کے ایک بہاؤ جیسا ہے۔ اس بہاؤ سے ماورا کوئی دائمی روح موجود نہیں۔ روح ادراکات کا بہاؤ ہے۔ نظریہ لاروح کی مراد دو چیزوں سے ہے۔ (1) روح یا ذات غیر مستقل ذہنی اور جسمانی عوامل کا مجموعہ ہے، اور (2) دنیا جو ہر سے بنی ہے یہ غیر پائیدار خصوصیات کا مجموعہ ہے۔ بدھ کہتا ہے کہ اگرچہ کوئی پائیدار جوہر موجود نہیں بلکہ بتدریج حالتوں کا ایک تسلسل موجود ہے جو ہماری زندگی کو متشکل کرتا ہے۔ بدھ اس مفہوم میں آواگون کا ماننے والا نہیں کہ روح ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ موجود رہنے والی روح سے غیر ضروری لگاؤ دکھ کی وجہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام دکھوں کی جڑ "میں" کے احساس میں ہے۔ تصور ملکیت اور میرا تمہارا کا احساس روح کے غلط تصور کا نتیجہ ہے۔ روح کا ادراک اور نظارہ نہیں کیا جا سکتا اس لیے اس کا کوئی وجود نہیں۔ روح ہمارے تجربہ اور استدلال سے ماورا ہے۔

لہٰذا روح کا ناقابل ادراک، ناقابل نظارہ اور ناقابل احساس ہونا ہی بدھ کے نزدیک اس کے عدم وجود کی وجہ اور نظریہ لاروح کی بنیاد ہے۔ تاہم، جس طرح خالی پن اور لاشیئیت پر بھی ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور جس طرح علامہ اقبال نے ثبات کی نفی کرتے ہوئے بھی تغیر کو زمانے کا ثبات کہا تھا، اس طرح گوتم بدھ نے بھی دوبارہ جنم اور قانون کرم (عمل) پر یقین کیا۔ اس کی نظر میں ''نروان'' کا تجربہ عام عقلی ادراک سے زیادہ وسیع تھا۔ وہ نروان پانے یعنی چشم بینا سے اپنی ذات میں جھانکنے کو اعلیٰ ترین انسانی منزل قرار دیتا ہے۔ ''نروان حاصل کرنے والا شخص موت کے بعد موجود رہتا ہے یا نہیں؟'' اس سوال کا جواب بدھ نے یہ دیا کہ ''بجھ جانے والا شعلہ شمال کی جانب گیا یا نہیں؟'' بدھ مت کے مختلف فرقوں، مہایان، ہنایان اور تھیرواد وغیرہ نے روح اور نروان کے مطابق مختلف تصورات پیش کیے۔ یہاں ہم انہی کے حوالے سے غور کریں گے۔

بدھ مت کے ضخیم ادب کے بنیادی مقدمات مابعد الطبیعیاتی نہیں بلکہ نفسیاتی

ہیں۔ غم، تکلیف، عدم اطمینان اور دوسری گوناگوں ناخوشگواریاں جن کا حوالہ ''دکھ'' کے لفظ سے دیا جاتا ہے روزمرہ کی عام زندگی میں پوشیدہ ہیں انہیں صرف ترک ''تشنگی'' (تنہہ) سے دور کیا جا سکتا ہے، اس کا ترجمہ اکثر ''نفس امارہ'' بھی کیا جاتا ہے جس میں ذاتی حوصلے، آرزوؤں اور تمناؤں کے علاوہ ہر طرح کی خود غرضیاں شامل ہیں راسخ الاعتقاد قسم کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس تشنگی کا سبب فطری بلکہ غلط انفرادیت کا تصور ہے۔ یعنی یہ کہ ہر ذی حیات کے اندر ایک مستقل بطن البطون، ایک روح ہے، ایک طرف تو اس عقیدے کی حمایت ابتدائی دور میں سارے بدھی فرقوں نے کی لیکن دوسری طرف دور حاضر کے علماء اس کے منکر ہیں کہ مہاتما بدھ نے اس کی تعلیم دی ہے اور وہ اس امر کے مدعی ہیں کہ مہاتما بدھ نے روزمرہ زندگی کے کمتر معیار پر ترک خودی اور ترک انفرادیت کی تعلیم دی لیکن انہوں نے ایک ازلی روح کے وجود کو برقرار رکھا، ہمارے لیے اس مفروضہ پر یقین کرنا مشکل ہے باوجود اس کے کہ پالی صحائف میں چند واضح ناہمواریاں ہیں اگر ہم مہاتما بدھ کی داستان زندگی پر اعتماد کر سکتے ہیں تو تجربہ دانش کے نتیجے انہیں جو علم حاصل ہوا اس کی داستان حیرت ناک طور پر طبع زاد ہے اور صرف اپنشدی داناؤں کے علم کی تکرار نہیں ہے جس میں بہت کم تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔

مہاتما بدھ کا دیا ہوا عقیدہ جو بھی رہا ہو لیکن بدھ مذہب کی بنیادی تعلیمات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔

اس عقیدے کا طریقہ کار یقیناً بہت مبہم ہے، لیکن اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ خواہش جو مہاتما بدھ کے پہلے وعظ کے مطابق انسانی مصائب کی تہہ میں ہے اس کا قطعی نتیجہ جہالت ہے۔ یہ ایک ایسی کائناتی جہالت ہے جو خودی کے فریب کی جانب رہنمائی کرتی ہے اس جہالت کا قریب ترین رابطہ کائنات کے بنیادی مزاج سے ہے جس کی تین خصوصیات ہیں یہ معمور غم ہے (دکھ)، یہ فانی ہے (انچ) اور یہ بلا روح ہے (انت)

کائنات مغموم ہے۔ بدھ مذہب کے ماننے والے یہ دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ دنیا میں مسرت تھی ہی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی شکل میں غم زندگی کے ہر پہلو میں ناگزیر ہے ''جس طرح سمندر کا صرف ایک مزا ہے'' مہاتما بدھ نے کہا ''اس طرح میرے عقیدے کا بھی صرف ایک مزہ ہے (غم سے نجات کا مزہ) روزانہ زندگی میں غم سے بہت زیادہ دونوں

تک فرار نہیں حاصل کیا جا سکتا۔''

یہ کائنات فانی ہے کہیں پر بھی کوئی مستقل وجود نہیں ہے اس موضوع پر بدھ مذہب اور ہیراکلیٹس کی تعلیمات میں اشتراک ہے' ہر وجود یا شے وہ کتنی ہی ثابت اور متجانس کیوں نہ ہو در حقیقت فانی اور مرکب ہے' انسان جو خود کو ازلی اور منفرد سمجھتا ہے' فی الحقیقت مرکب ہے پانچ نفسی و جسمی عناصر سے۔ جسم' جذبات' محسوسات' ذہنی احوال و شعور' یہ پانچوں ہر لحہ متغیر ہیں اور ان کی مستقل بنیاد نہیں ہے' ایک بوڑھا آدمی بظاہر وہی شخص نہیں ہے جو آج سے ستر سال قبل گود میں کھیلتا ہوا بچہ تھا اور بالکل اسی طرح وہ اطمینان نہیں ہے جو ابھی ایک لحہ پہلے تھا' ہر لحہ وہ بوڑھا انسان ختم ہوتا رہتا ہے اور ایک نیا انسان جس کی علت پہلا انسان ہے وجود میں آتا رہتا ہے' بدھ مذہب وجود کا قائل نہیں ہے بلکہ ہو جانے کا قائل ہے' ہر چیز واقعات کے لحاتی ترکیبی اجزاء میں مدغم ہوتی رہتی ہے یہ کائنات ہر دم متغیر ہے اور ثبات کا سارا تخیل اسی بنیادی جہالت کا ایک حصہ ہے جس سے غم پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح کوئی بھی روح لافانی نہیں ہے یہ کائنات' روح کے تناسخ میں کوئی چیز بھی ایک زندگی سے دوسری زندگی میں انتقال نہیں کرتی۔ صرف ایک نئی زندگی واقعات کی زنجیر کی ایک کڑی کی حیثیت سے ابھرتی ہے' جس میں بوڑھا بھی شامل تھا' دیوتا بھی روح ہیں اور اپنشدوں میں جس روح عالم کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک فریب ہے' چنانچہ بدھ مذہب کا ہنایان فرقہ بے روح ہے اور جس کا کوئی خدا نہیں' کوئی بھی بودھی عالم اتنا دریدہ دہن نہیں تھا کہ دیوتاؤں کے وجود کا بالکل ہی انکار کر جاتا' لیکن ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی مافوق الفطرت یا انسان سے مختلف نہیں ہیں' بس یہ فرق ضرور ہے کہ ان کو عظیم تر مسرتیں اور اختیار حاصل ہیں۔

تناسخ کے عقیدے کو مہاتما بدھ نے اس وقت کے عام عقائد سے مستعار لیا تھا لیکن مندرجہ بالا مقدمات کی روشنی میں اس کے عمل کی تشریح مشکل ہو جاتی ہے اگر کوئی چیز ایک زندگی سے دوسری زندگی میں منتقل نہیں ہوتی تو ایک نو مولود وجود کسی طور پر بھی اس وجود سے متعلق نہیں سمجھا جا سکتا جو مر چکا ہے اور جس کے اعمال نے موجودہ احوال کی تشکیل کی ہے پھر بھی نیا وجود پچھلے وجود کے اعمال کے نتیجے میں مصائب و آلام سے دوچار ہوتا ہے یہ اعتراض اکثر بدھ مذہب کے مخالفین نے اٹھایا اور اس کا جواب چراغ کی لو کی تمثیل سے

دیا گیا ہے جو دوسرے چراغ کو روشن کر سکتی ہے اور خود گل ہو جاتی ہے' اس تشبیہ کے غیر تشفی بخش ہونے کے نتیجہ میں یہ بات کہی گئی کہ وہ بوڑھا آدمی اگرچہ وہی نہیں ہے جیسا کہ نوجوان تھا بیماری میں اپنی نوجوانی کی بد اعمالیوں کے نتیجے میں مبتلا ہوتا ہے' اسی طرح ایک وجود کسی سابق وجود کی بد اعمالیوں کی سزا بھگت سکتا ہے جو علت معلوں کی اس زنجیر کی ایک کڑی ہے جس نے اسے موجودہ وجود تک پہنچایا ہے' ''فرد'' اور ''شخص'' اور اسی طرح کی دوسری اصطلاحات ان جداگانہ لحاتی واقعات کے سلسلے کے محض آسان نام ہیں جو غیر معینہ طور پر جاری ہیں بالکل اسی طرح جیسے ''رتھ'' ایک آسان نام ہے' لکڑی اور معدنی اشیاء کے ان ٹکڑوں کے مجموعہ کا جن کو ایک مخصوص انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔

استھوروادا بدھ مسلک میں اگر کسی چیز کی کوئی مستقل حیثیت ہے تو وہ نروان (پالی میں اس کو نبان کہتے ہیں) ہے' یہ اس خیر و برکت کی حالت ہے جس کو بدھوں اور ارہاتوں یا اکمل وجودوں نے حاصل کیا تھا ایک عام انسان جس نے اس کا تجربہ نہیں کیا ہے نرواں کو نہیں سمجھ سکتا اور کچھ قدیم مغربی مفکرین کی رائے میں یہ فنائے کامل ہے۔ مہاتما بدھ کی طرف یہ بیان منسوب کیا جاتا ہے' ''میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ مرنے کے بعد رہنت کا وجود رہتا ہے اور میں نے یہ نہیں کہا کہ اس کا وجود نہیں رہتا ہے۔۔۔ کیونکہ یہ روحانی کیفیت کا ترفع نہیں ہے اور نہ ہی یہ عقل اعلیٰ کا حصول ہے'' اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نروان ایک کیفیت کا نام ہے نہ کہ بقا یا فنا کا۔ ارسطو کے قانون استثنائے متوسط کا نفاذ کبھی بھی ہندوستانی افکار پر نہیں ہوا اور ایک تیسری حالت جو وجود اور عدم وجود دونوں ہی سے بالاتر ہے ناممکن نہیں تصور کی جاتی تھی اگر پوری دنیا تغیر کی کیفیت میں ہے اور رواں۔ ایک سکون کی حالت ہے تو یہ بھی کوئی قول متناقض نہیں ہے کیونکہ نروان کا تعلق ماورائے کائنات سے ہے یہ اس کی تہہ میں تو ضرور ہے لیکن اس کا جز نہیں ہے۔

یہ نظریہ اپنشدوں کے ''روح عالم'' کے نظریہ سے بہت زیادہ مختلف اور بجائے اس کو فنا کی ایک کیفیت سمجھا جاتا۔

6
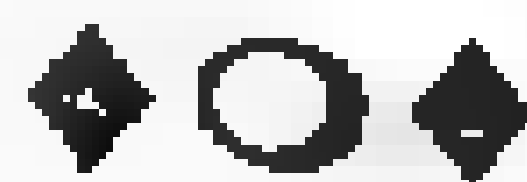
جین مت کی ''جیو''

مہاتما بدھ کے معاصرین میں بہت سے وسیع المشرب مذہبی معلمین تھے' ان میں سے ایک وردھمان تھے جو اپنے ماننے والوں میں مہاویر (شجاع اعظم) کے نام سے معروف تھے' جین مذہب (فاتحوں کا مذہب' جینا) جس کی بنیاد انہوں نے ڈالی بدھ مذہب سے بہت سے مقامات پر بہت بااثر بھی ہو گیا لیکن یہ مذہب کبھی بھی ہندوستان سے باہر نہیں پھیلا' بدھ مذہب کے برخلاف جین مذہب کے اصولوں اور ضابطوں میں کوئی بنیادی تبدیلی یا تغیر وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔

موریہ اور گپت عہد کے درمیان جین مذہب مشرق میں اڑیسہ سے لے کر مغرب میں متھرا تک پھیلا ہوا تھا' لیکن بعد کے زمانے میں یہ مذہب بالخصوص دو علاقوں میں مرکوز ہو گیا تھا۔ کاٹھیاواڑ گجرات اور راجستھان کے کچھ حصے جہاں شوتامبر فرقے والوں کا اثر تھا وادی گنگا کا علاقہ جو جین مذہب کا ابتدائی وطن تھا اس سے بالکل غیر متاثر رہا۔

اگرچہ جین صحائف اپنی آخری شکل میں بہت بعد میں مرتب ہوئے لیکن جینوں کے دونوں فرقوں کی بنیادی تعلیمات میں اتنا خفیف فرق ہے کہ دونوں کی بنیادی تعلیمات بے شک بہت قدیم معلوم ہوتی ہیں اور یقینی طور پر وہ وہی تعلیمات ہیں جو مہاویر نے دی تھیں۔ بدھ مذہب کی طرح جین مذہب بھی بنیادی طور پر مائل بہ الحاد ہے' اگرچہ وہ دیوتاؤں کے وجود کا منکر نہیں ہے' لیکن نظام کائنات میں ان کا کوئی اہم کردار نہیں تسلیم کرتا۔

جینیوں کے نزدیک اس دنیا کو نہ تو کسی خاص دیوتا نے پیدا کیا ہے' نہ وہ اس کا نظام چلاتا ہے اور نہ ہی وہ اس کو برباد کرتا ہے بلکہ یہ دنیا کائناتی قانون کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے۔ یہ کائنات ابدی ہے اس کا وجود گردشوں کی لامتناہی تعداد میں منقسم ہے ہر گردش ترقی کے ایک عہد اور زوال کے ایک عہد پر مشتمل ہے آخری عہد کی طرح ہر عہد میں چوبیس تیرتھنکر' بارہ آفاقی شہنشاہ (چکرورتی) اور مجموعی طور پر تریسٹھ عظیم انسان ہوتے ہیں جو اس گردش میں ایک مستقل وقفہ پر رہتے ہیں' اس عہد کی معراج میں انسانوں کا قد بہت بڑھ جاتا ہے اور ان کی عمریں بہت زیادہ ہو جاتی ہیں انہیں قوانین یا ملکیت کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اشجار آرزو (کلپ ورکھ) انہیں ان کی ضرورت کی ہر چیز فراہم کرتے ہیں' اس وقت دنیا بڑی تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی ہے' اس عہد کا آخری تیرتھنکر اپنے نروان کی قطعی منزل میں پہنچ چکا ہے اور بتدریج صحیح مذہب ختم ہو جائے گا۔ مہاویر نے اپنے علم کلی کی بنیاد پر اس عہد کے آخری جین کا نام اور جا بھی اپنے پیروؤں کو بتا دیا تھا' زوال کا یہ سلسلہ چالیس ہزار برس تک چلتا رہے گا' جب انسان اپنے قد کے اعتبار سے بونے ہو جائیں گے ان کی عمر صرف بیس برس کی ہو گی اور تمدن کی ساری چیزوں کو بھلا کر یہاں تک کہ آگ کا استعمال بھی بھول جائیں گے' غاروں میں رہیں گے تب پھر حالات بدلیں گے اور ان میں ارتقا شروع ہو گا تا کہ ایک بار پھر زوال پذیر ہوں اور پھر اسی طرح ابد تک ہوتا رہے گا بدھوں اور ہندوؤں کے علم الکائنات کے برخلاف جینیوں کے علم الکائنات میں کوئی ایسا قہر عظیم نہیں جو کائناتی تباہی و بربادی کا سبب ہو۔

یہ کائنات زندہ ارواح (جیو) کے اور پانچ قسم کے غیر جاندار اور وجود اجیو کے باہم ورد عمل سے چلتی رہتی ہے وہ پانچ غیر جاندار وجود یہ ہیں:

(1) ایتھر یا آکاش (2) حرکت کا ذریعہ یا حالت دھرم' (3) سکون کا ذریعہ یا حالت آدھرم' (4) وقت (کال) اور (5) مادہ (پگل) ارواح صرف جانوروں اور نباتات کی زندگی کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وہ پتھروں' چٹانوں' بہتے ہوئے پانی اور بہت سی دوسری فطری اشیا میں پائی جاتی ہیں جنہیں دوسرے جاندار تصور نہیں کرتے۔

روح اپنی فطرت کے اعتبار سے منور' علیم اور مبارک ہے اس کائنات میں ارواح کی لامتناہی تعداد ہے جو سب بنیادی طور پر مساوی ہیں' لیکن ایک لطیف جوہری شکل میں

مادہ کی آلائش کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں' یہ لطیف مادہ جو انسانی بصیرت سے ماوراء ہے کرم ہے جو ان نظاموں کا ایک غیر مادی وجود ہے جس کی تعبیر مادی اعتبار سے پیش کی جاتی ہے یہ فطری طور پر منور روح' کرم کے مادے کی وجہ سے دھندلی اور تاریک ہو جاتی ہے اور اس طرح پہلے اسے ایک روحانی جسم عطا ہوتا ہے' اور پھر مادی جسم' روح کی اس دھندلاہٹ کی تشبیہ اس روشن روغنی سطح سے دی گئی ہے جو گرد و غبار کی تہوں کے جمنے کی وجہ سے ماند پڑ گئی ہو کرم روح کے ساتھ عمل کے نتیجے کے طور پر شامل رہتا ہے۔ ہر عمل کسی نہ کسی طرح کرم کو پیدا کرتا ہے لیکن ظالمانہ اور خود غرضانہ قسم کے فعل دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خطرناک قسم کے کرم کا باعث ہوتے ہیں' پہلے سے حاصل کردہ کرم دوسرے کرم کے حصول کا سبب بنتا ہے اور اس طرح آواگون کا چکر غیر معینہ طور پر چلتا رہتا ہے۔

ان قرائن کی بنیاد پر آواگون سے اسی صورت چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے جب اس کرم کو ختم کر دیا جائے جو پہلے ہی روح کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور یقین دلاتا رہتا ہے کہ اب مزید کی ضرورت نہیں ہے یہ ایک سست رو اور دشوار سلسلہ ہے اور یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ بہت سی روحیں اس کو انجام دینے میں ناکام رہیں گی بلکہ ابد تک تناسخ میں پھنسی رہیں گی' کرم کی فنا (نرجرا) اسی وقت عمل میں آتی ہے جب انسان ریاضت شاقہ میں زندگی بسر کرے اور روح میں ہجوم (آشرو) کا تدارک (سم ور) اور کرم کا یقین (بندھ) صرف ایک محتاط طور پر باضابطہ کردار سے متعین ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں یہ خطرناک قسم کی کیتوں میں داخل نہیں ہو پاتی اور فوراً منتشر ہو جاتی ہے جب روح قطعی طور پر اپنے آپ کو آزاد کر لیتی ہے تو فوراً کائنات کے نقطۂ کمال تک اس کا ارتفاع ہوتا ہے جو فلک الافلاک سے اوپر ہوتا ہے اور یہاں وہ ابد الآباد تک یک معطل ہمہ دانی کے عالم میں رہتی ہے۔

اگرچہ جین فلسفیوں نے اپنے اصول و ضوابط اور عملیات کے تصور کو بڑی لطافت سے نکھارا اور ترقی دی لیکن یہ تعلیمات بالکل ہی متغیر رہیں' مہابیر اور دوسرے تیئیس (23) تیرتھنکروں کی پوجا بہاتما بدھ اور ہندو دیوتاؤں کی طرح ہوتی رہی لیکن جین مذہب نے اپنی دہریت میں کوئی مصالحت نہیں کی اور اس فرقے میں کوئی ایسی شاخ نہیں پیدا ہو سکی جس کا مقابلہ بدھ مذہب کی شاخ "مرکب اکبر" سے کیا جا سکے۔ جین مذہب دو ہزار سال سے زائد مدت سے اپنی صرف انہی تعلیمات کی بنیاد پر زندہ ہے۔

مکمل نجات عام انسان کے لیے ممکن نہیں اس معاملے میں جین مذہب کا اختلاف بدھ مذہب اور ہندو مذہب سے ہے جو صرف مستثنیات میں اس چیز کو مانتے ہیں نروان حاصل کرنے کے لیے تمام بندشوں کو توڑنا پڑے گا اس میں لباس کی بندش بھی شامل ہے جو طویل فاقہ کشی' اذیت کوشی' مطالعہ اور مراقبہ ہی کے ذریعہ کرم سے نجات مل سکتی ہے، ور شدید ترین ضبط نفس ہی کے ذریعہ نئے کرموں کو روح کے اندر داخل ہونے سے روکا جا سکتا ہے اس لیے نجات کے لیے ایک خانقاہی زندگی ضروری ہے۔ کائنات بہت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی ہے اور کوئی روح بھی نروان نہیں حاصل کر رہی ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں نروان حاصل کرنے کی کوئی امید ہے' چنانچہ اس پست اور ذلیل دور میں انسانی کمزوری کی رعایت کی خاطر لباس پہنے جاتے ہیں۔

جین مت کے صحائف میں کافی جگہوں پر روح کا ذکر ملتا ہے۔

دیگامبر شاخ کی تعلیمات کی مثال درج ذیل اشعار میں ملے گی جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ ان اشعار کا مصنف چوتھی صدی عیسوی کا بھکشو پاد ہے:

"جسم' گھر' دولت' اور بیوی
اولاد' دوست' اور دشمن
سب کے سب روح سے مختلف ہیں
صرف ایک بیوقوف ہی انہیں اپنا سمجھتا ہے۔"

"چڑیاں تمام سمتوں سے آتی ہیں
اور شاخوں میں ایک ساتھ آرام کرتی ہیں
لیکن صبح کے وقت ہر چڑیا اپنی اپنی منزل کی طرف پرواز کر جاتی ہے
وہ ہر سمت میں اڑنے لگتی ہے۔"

"موت میرے لیے نہیں ہے پھر میں کیوں ڈروں؟
بیماری میرے لیے نہیں ہے پھر میں کیوں ڈروں؟
میں کوئی بچہ نہیں ہوں نہ ہی میں جوان یا بوڑھا ہوں
یہ تمام میرے جسم کی حالتیں ہیں۔"

"روح ایک چیز ہے اور مادہ دوسری
یہی سچائی کا جوہر ہے
اس کے سوا جو کچھ بھی کہا جائے
وہ محض اس کی توضیح ہے۔"

آجیوک

ایک تیسرا آزاد فرقہ جو جین مذہب اور بدھ مذہب کے ساتھ ساتھ ابھرا آجیوکوں کا تھا یا ایک ایسے درویشان مرتاض کا گروہ تھا جو تقریباً جینیوں ہی جیسے شدید قسم کے ضبط نفس کے اصول پر عمل کرتے تھے اس اصول میں مکمل برہنگی شامل تھی۔ اس فرقے کے بانی گوشال مسکری پتر کے ضوابط اپنی اصل اور اصول کے اعتبار سے اپنے ہمعصر اور سابق دوست مہاویر کے ضابطوں سے مماثل ہیں۔ مہاویر ہی کی طرح انہوں نے قدیم علماء اور درویشوں کی پیروی کی جن کی تعلیمات کو انہوں نے فروغ بخشا اور ترقی دی بدھی اور جینی دونوں ہی روایات کے مطابق ان کا تعلق ایک کمتر درجے کے خاندان سے تھا۔

آجیوکوں کی کوئی مذہبی تحریر ہم تک نہیں پہنچی اور ان کے متعلق ہماری جو معلومات ہیں ان کی از سر نو تشکیل و ترتیب بدھ اور جین مذہب کے مباحثوں سے ہوتی ہے یہ فرقہ یقینی طور پر ملحدانہ نظریات رکھتا تھا اور اس کی اہم خصوصیت شدید جبریت تھی عام طور پر کرم کے ضابطے کی تعلیم یہ تھی کہ اگرچہ ایک انسان کی موجودہ حالت کا تعین اس کے گزشتہ افعال سے ہوتا ہے لیکن وہ اپنی تقدیر پر اس زندگی میں اور مستقبل میں خوش کرداری کو اختیار کرکے اثر انداز ہو سکتا ہے آجیوک کے فرقے کے ماننے والے اس کے منکر تھے پوری کائنات اپنی جزئی تفصیل کے ساتھ ایک غیر شخصی کائناتی اصول سے متعین اور مشروط ہوتی ہے اور یہ اصول "نیتی" یا تقدیر ہے چنانچہ تاریخ کے سلسلہ کو کسی طرح بھی متاثر کرنا ناممکنات میں تھا۔

"تمام اشیاء جن میں سانس ہے تمام اشیاء جو جنم لیتی ہیں تمام اشیاء جن میں زندگی ہے طاقت قوت یا اچھائی سے محروم ہیں بلکہ ان کی نشوونما تقدیر اتفاق اور فطرت سے

ہوتی ہے اور وہ وجود کے چھ درجوں میں مسرت و غم کا تجربہ کرتی ہیں چوراسی لاکھ (84,00,000) ایسے بڑے یگ (مہاکلپ) ہیں جن میں سے نادان و دانا یکساں طور پر گزریں گے اور اس طرح غم کا اختتام ہوگا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ خوش کرداری اقرار صالح ریاضت شاقہ یا پاکبازی کے ذریعہ نامکمل کرم مکمل کر لیا جائے یا اسی فعل کو ختم کر دیا جائے جو پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے یہ کبھی نہیں کیا جا سکتا سنسار کے پیمانہ سے اس کو اس کی مسرت اس کے غم اور اس کے مقررہ اختتام سے ناپا جا سکتا ہے اس کو نہ تو کم کیا جا سکتا ہے اور نہ بڑھایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی زیادتی یا کمی ہوتی ہے جس طرح تاروں کی ایک گیند ہوتی ہے کہ جب اسے پھینکا جاتا ہے تو وہ پورے طور پر کھل جاتی ہے بالکل اسی طرح نادان و دانا یکساں طور پر اپنی راہ چلتے ہیں اور غم کا انسداد کر دیتے ہیں۔"

اگرچہ انسان کا کوئی عمل بھی اس کی تقدیر پر اثر انداز نہیں ہو سکتا لیکن آجیوک بھکشو شدید قسم کی ریاضتیں کرتے تھے کیونکہ جبر تقدیر نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا حالانکہ ان کے مذہبی حریف ان پر جنسی و اخلاقی کج روی کا الزام لگاتے تھے۔

درآنحالیکہ آجیوکوں نے اپنے ضوابط کو بدھ مذہب کی شاخ "مرکب اکبر" کے انداز پر مرتب کیا گوشال کو مہایان شاخ (مرکب اکبر) کے بدھ کی طرح ایک ناقابل بیان دیوتا کا رتبہ حاصل ہو گیا جبکہ تقدیر کا نظریہ ایک طرح کے پارمینائیڈی (Parmenidean) نظریے میں رد تبدیل ہوا جس کی رو سے تغیرات اور ساری حرکات فریب ہیں اور یہ دنیا فی الحقیقت ابدی طور پر بغیر کسی حرکت کے ساکن ہے یہ نظریہ ناگ ارجن کے نظریۂ خلا سے کچھ مماثلت رکھتا ہے۔

7
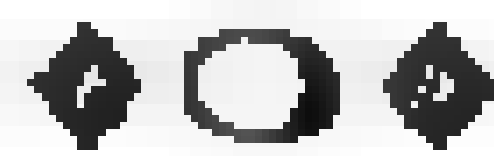
زرتشت مت

زرتشت (550-660ق م) نے شیطان کی پرستش کرنے والوں اور برے انسانوں کا مذہب تبدیل کیا۔ زرتشت مت آریائی نسل کا مذہب رہا ہے۔ اس میں اور ہندو مت میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ دونوں ہی میں سوما ہوما پرستش کی اعلیٰ ترین اگنی (آتش) مرکزی دیوتاؤں میں سے ایک ہے۔ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ زرتشت نے پرچار کیا کہ ہر سفید اور اچھی چیز اہورا مزدا (خدائے علیم وخبیر) جبکہ ہر شرانگیز اور بری چیز اہرمن (شیطان) کی تخلیق ہے۔ یہ دونوں قوتیں یعنی اہورا مزدا اور اہرمن بالترتیب نور اور ظلمت ہیں۔ زرتشت نے نفی' تباہی' جھوٹ' جہالت بدی کو بری روح اور صداقت' ایمانداری' بدن وذہن کی پاکیزگی کو مقدس یا پاک روح قرار دیا موت کے بعد نیک روحیں اہورا مزدا کے مسکن میں قیام پذیر ہوتی ہیں۔

زرتشت کے مطابق اہورا مزدا کی تخلیقی خواہش اور سوچ کی تجسیم سپینتا مینیو یا روح القدس ہے۔ وہ اہورا مزدا کے تصور جیسے ہی مثالی یا کامل وجود کی علامت ہے۔ تخلیق میں الوہی سوچ نے جب مادی صورت اختیار کی تو غیر کاملیت سامنے آئی اور روح القدس پر اہرمن کا سایہ پڑ گیا۔ یہ دونوں نیک اور بری روحیں جڑواں ہیں اور خدا کی چھاتی میں سے پیدا ہوئیں۔ پاک روح نے اپنی خلقی خصوصیت کی وجہ سے راستبازی جبکہ شیطانی روح نے مکاری کی رہ منتخب کی۔ شیطانی روح انسان کو مختلف طریقوں سے اپنی طرف مائل کرتی ہے۔

انسان فنا پذیر جسم ور لافانی روح سے بنا ہے۔ دانش یا استدلال کے علاوہ نسان کی اہم ترین روحانی صلاحیتیں ضمیر (نیک وبد کی شناخت)' روح اور محافظ روح ہیں نسان اپنے ارادے میں آزاد ہے۔ وہ اپنے اچھے اور برے اعمال کرنے میں خودمختار ہے۔ اہورا مزدا کی دو روحوں نے اپنی مرضی سے اچھائی اور برائی کی راہیں اختیار کیں۔ انسان کا ضمیر اسے نیکی اور بدی کی تمیز عطا کرتا ہے۔ جب کوئی راست باز آدمی مرتا ہے تو اس کا ضمیر اگلی دنیا میں اسے مبارکباد اور بے مثال حسن کی مالک دوشیزہ کے روپ میں خوش آمدید کہتا ہے۔ اس کے بے نظیر حسن سے خیرہ زدہ روح پوچھتی ہے کہ وہ کون ہے۔ دوشیزہ جواب دیتی ہے کہ وہ کوئی اجنبی نہیں۔ وہ ان اچھے خیالات' الفاظ اور اعمال کی شخصی صورت ہے جو اس روح نے اپنی زمینی زندگی کے دوران سوچے' کہے یا کیے تھے۔ دوسری طرف بدکار انسان کو آزمائش کے ایک تنگ پل سے' ایک بدصورت بوڑھی عورت کے ہمراہ گزرنا ہوتا ہے۔

زرتشت کی ''گاتھاؤں'' (صحائف) میں مقدس روح اہورا مزدا سے علیحدہ ہے۔ بعد کے دور میں دونوں ایک ہی ہو گئے۔ 320 قبل مسیح میں اہل فارس ہستی کی دو بنیادی علتوں پر یقین رکھتے تھے۔ ایک تو نور یا باپ' اور دوسری تاریکی یا ماں۔

8
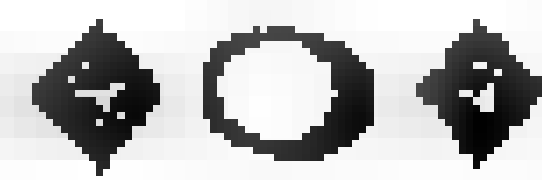
کنفیوشش مت

کنفیوشیت کا تعلق بنیادی طور پر اخلاقیات اور انسان کے سماجی پہلوؤں سے ہے۔ کنفیوشس کو عموماً اخلاقیات کا معلم کہا جاتا ہے۔ اس نے خدا سے زیادہ انسان اور معاشرے میں انسان کے فرائض پر زور دیا ہے۔ کنفیوشس توثیق کرتا ہے کہ تمام انسان الوہی طور پر اچھے ہیں۔ اس نے کہا کہ تمام انسان پیدائش کے وقت اچھے ہوتے ہیں لیکن بہت سے لوگ آخر تک اچھے نہیں رہتے۔ کنفیوشس خلوص دل کے ساتھ معاشرے کی بھلائی' بہتری اور بہبود کا متمنی تھا۔ امن اور ہم آہنگی اس کا مثالی سماجی نظریہ ہے۔ اس کے چار بنیادی نظریے ہیں:

1۔ ''Li'' ۔درست راستہ یا درست رویہ۔ یہ ہماری داخلی فطرت اور رویے کا بنیادی اصول ہے۔

2۔ ''Yi'' چیزوں کو سرانجام دینے کا بہترین انداز جو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اپنی اپنی فطرت کے مطابق کام کریں اور یہی بہترین ہے۔

3۔ ''Jen'' ۔ساکھ یعنی سماجی اعتبار سے بہترین کام کرنے پر آمادگی۔

4۔ ''Chih'' ۔اعلیٰ ترین مذہبی نمونہ' ایک مثالی حالت جو درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے۔

چینی فکر بنیادی طور پر انسانیت پسندانہ ہے۔ چینی زندگی پر طاقتور انسانیت

پسندانہ اثر کے نتیجہ میں چینی فکر مافوق الفطرت ہستیوں سے تعلق منقطع کرنے پر زیادہ مائل ہے۔ کنفیوشس نے کبھی بلاؤں یا آسمانی روحوں کے متعلق بات نہیں کی۔ کہیں کہیں اس نے ''آسمان'' کا ذکر تو کیا' لیکن آسمان سے اس کی مراد قادر مطلق ہستی' ہمہ گیر ذہن' اخلاقی قلمرو یا علت اول ہے۔ چین میں اچھی یا بری فصل کو کسی دیوتا یا نیک و بدروح کے بجائے مشفق بادشاہ یا جابر کی وجہ سے قرار دیا جاتا ہے۔ کنفیوشس نے اجداد کی پرستش کی اجازت مذہبی وجوہ کی بنا پر نہیں بلکہ مرحوم والدین اور ان کے والدین کی یاد برقرار رکھنے کی خاطر دی تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے اعلیٰ و اچھی خاندانی روایات کو زندہ رکھا جا سکے۔

9

مانی مت اور مزدیت

مانی مت:

مانی (216-273ء) کا مذہب ہر مذہب کی اچھی باتوں کو قبول کر لیتا تھا۔ وہ زرتشت' گوتم بدھ اور یسوع مسیح کو حقانیت کا علمبردار مانتا تھا اور اپنے آپ کو ان کی تعلیم کا مکمل کرنے والا بتاتا تھا۔ وہ کل دنیا کو ایک مذہب سکھانا چاہتا تھا۔ لیکن زردشتی موبدوں نے اسے "شیطان مجسم" قرار دیا۔ اور شاپور نے اسے ایران بدر کر دیا۔ وہ بیس سال تک جلا وطن رہا اور شمالی ہند' چینی ترکستان' تبت اور خراسان میں پھرتا رہا۔ وہ ہرمز بن شاپور کے زمانے (273ء) میں ایران واپس آیا۔ آخرکار اس کو موبدوں کی ریشہ دوانی سے بہرام نے بری طرح قتل کیا۔ وہ زندہ جلایا گیا اور اس کی کھال میں بھوسا بھرا گیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر شاہی دروازے پر اس لیے لٹکایا گیا کہ آئندہ کوئی "کفر" نہ بکے۔

مانی کا نظریہ کائنات قدیم ثنویت پر مبنی تھا۔ جس میں نور و ظلمت اور خیر و شر میں کشمکش کا ہونا مانا گیا تھا۔ اس عقیدہ میں مانی نے روحانیت بھر دی۔ مانی نور کو روح اور ظلمت کو مادہ قرار دیتا تھا۔ اس نے دنیا میں تین زمانے مانے تھے۔ ابتدائی' درمیانی اور آخری پہلے زمانے میں اوپر نور ہی نور تھا۔ اور نیچے تاریکی تھی اور دونوں جگہ نور و ظلمت کی اپنی اپنی حکومت قائم تھی۔ پھر ظلمت نے نور پر حملہ کیا اور پہلا دور حیات ختم ہو گیا۔

دوسرا زمانہ موجودہ دور کا ہے جس میں نور و ظلمت میں جھگڑا جاری ہے پھر انسان

اول (آدم سے مراد نہیں ہے) نے روحانی طور پر ظلمت سے جنگ شروع کی جو شکست کھا کر گرفتار ہوا آخرکار چھوٹا لیکن اس کا کچھ نور دیووں نے نگل لیا۔ اس نور کو حاصل کرنے کے لیے دنیا پیدا کی گئی۔ جس کی نقل میں دیووں نے انسان کو پیدا کیا۔ لیکن انسان کا جسم مادی یا شیطانی ہے۔ اس میں وہ نور موجود ہے' جو روحانی انسان یہاں چھوڑ گیا اور اگر انسان نیک زندگی بسر کرے تو اس کے نورانی ذرات اپنے اصلی مرکز پر واپس جا کر ازلی نور سے واصل ہو سکتے ہیں۔

تیسرا زمانہ قریب ہے۔ جب پوری دنیا 468 سال تک جلتی رہے گی اور نور کا آخری ذرہ دنیا سے نجات حاصل کر کے اپنے مرکز پر پہنچ جائے گا اور نور کی حکومت پورے عالم پر ہوگی۔

مانی کی شہادت کے بعد اس کا مذہب رومن سامراج کی آخری حدود تک پھیل گیا اور مشرق میں مرکزی ایشیا اور چین تک پہنچا۔

مانویت اب باقی نہیں لیکن۔ ایک فرقہ یزیدی اب بھی موجود ہے جو اس کی تعلیمات کو خفیہ طریقے پر مانتا ہے۔

براون مانویت کو نصرانی مزدیت (Christianised Zoroastrialism) کہتا ہے یعنی مزدیت پر تصوف کے اضافے سے مانویت بنی ہے۔ مزدیت میں روزے کا وجود نہیں۔ مانی نے روزہ فرض قرار دیا۔ شادی بیاہ کو ختم کرنا چاہتا تا کہ نسل انسانی ہی باقی نہ رہے۔

مانی کا خیال تھا کہ اصلی یسوع مسیح صرف روح ہی روح تھے۔ نقلی مسیح ایک "بیوہ کا لڑکا" تھا اور اسی کو سولی دی گئی۔ مسیح دنیا میں صرف روحانی شکل میں بحیثیت پیغمبر خدا آئے تھے اور خود مانی اپنے آپ کو وہ فارقلیط یا مسیح موعود کہتا تھا۔

مزدیت:

مانی کے تین سو سال بعد اس کا ایک قسم کا ہمنوا' مزدک بن باد پیدا ہوا (470ء تا 529ء) وہ ایک طرح سے افلاطون کا بھی شاگرد کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے وہ ملکیت مشترک' حتیٰ کہ زمین و زر ہی نہیں بلکہ زن کو مشترک بنانا چاہتا تھا۔ ان خیالات نے نہ صرف زرتشتی مذہب کو بلکہ حکومت ایران کو بھی اس کا مخالف بنا دیا۔ لیکن اس کا مقصد زیادہ تر تصوف یا

ترک دنیا سے تھا اور زر' زمین' زن کو نا قابل اعتنا سمجھ کر ان کو آزاد کر دینا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ دولت اور عورت ہی جھگڑے کی بنا مانی جاتی تھیں۔ وہ زرتشتی کی ثنویت کو مانتا تھا اور آتش و آب و باد و خاک کو پاک اور مقدس رکھنا چاہتا تھا۔ شہزادہ نوشیرواں کے حکم سے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو غدر و فریب سے قتل کر دیا گیا۔ اور جب وہ خسرو اول کے نام سے تخت پر بیٹھا تو پھر 531ء میں مزدکیہ کو قتل کیا گیا۔

شہرستانی کا قول ہے کہ مزدک بدھ اور ہندو مذہب والوں کی طرح تناسخ کے قائل تھے۔ حالانکہ یہ تعلیم ژند اوستا میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

اس نے مانی کی تعلیم سے نور و ظلمت کے فلسفہ کو سیکھا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں نور کو عقلمند اور ظلمت کو بے وقوف و گمراہ سمجھتا ہوں۔

مزدک کا خیال تھا کہ روحانی دنیا بھی موجودہ دنیا کی طرح چلتی ہے۔ یعنی آسمان کا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے اور اس کے سامنے چار قوتیں 'تدبر' عقل' حافظہ اور مسرت کھڑی رہتی ہیں۔ اور سات وزیروں کے ذریعے سے کام کرتی ہیں۔ یہ وزیر بارہ روحوں کے اندر گردش کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو اپنے اندر چار قوتوں' سات وزیروں اور بارہ روحوں کو جمع کر لیتا ہے وہ خدا سے ایسی دنیا میں واصل ہو جاتا ہے اور اس پر جملہ پابندیاں اٹھ جاتی ہیں۔

مزدک کی ایک کتاب تھی جو اب ناپید ہے۔ عرب اس سے واقف تھے۔ ابن المقفع اور ایک اور شخص نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔

◆ ○ ◆
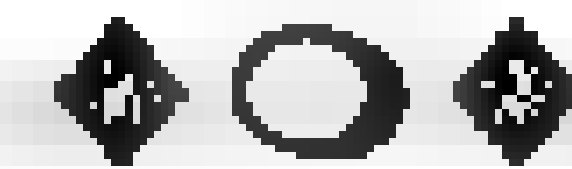
10

سکھ مت کا "چراغ"

ہندومت کے نظام میں ذات پات اور فرسودہ عقائد کے خلاف جو آواز چھٹی صدی قبل مسیح میں گوتم بدھ اور مہاویر' اور ان کے بعد ویدانتیوں نے ساتویں صدی عیسوی میں اٹھائی اس کی بازگشت پندرھویں صدی میں گرونانک کے منہ سے سنائی دی۔ لیکن اس مرتبہ یہ آواز ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مذہبی منافرت' ظاہری عبادت اور غیر انسانی رویوں کے خلاف بھی تھی۔ سکھ مت کو باقاعدہ مذہب کی شکل آخری اور دسویں گرو گوبند سنگھ نے دی۔ گرونانک نے اسے بھائی چارے اور مذہبی رواداری کی بنیاد پر شروع کیا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ ان کے خیالات سیاسی اور سماجی نوعیت کے تھے۔

گرونانک سے منسوب کردہ اقوال کا مجموعہ گرنتھ صاحب ہی سکھوں کا مقدس صحیفہ ہے۔ گرونانک نے کوئی باقاعدہ فلسفیانہ نظام تشکیل نہ دیا کہ جس میں وہ تناسخ ارواح یا حیات بعد از موت جیسے مسائل پر بات کرتے۔ ان کا موضوع اپنے دور کا انسان ہے۔ ان کی نظر میں خدا نا قابل نظارہ' لامحدود' نا قابل ادراک' نا قابل فہم' بے زمان' بے مکاں' بے ذات' لاولد' موجود بالذات' بندھنوں اور خطروں سے پاک ہے۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں کہ "برہما اس کنول کے پتے سے پیدا ہوا تھا جو وشنو کی ناف سے نکلا تھا اور اس نے صاف اور بلند آواز میں وید بھی پڑھے' لیکن خدائے واحد کی عظمت کو نہ جان سکا' اور آواگون کے راز سے پردہ نہ اٹھا سکا۔" گرونانک نے اپنے ہم وطنوں کے فلسفیانہ خیالات اپنائے اور روح کے خدا میں سما جانے کو حتمی مسرت قرار دیا۔

گرونانک نے مسلمانوں کے خدائے واحد کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے عقیدہ آواگون کو بھی اپنے ذہن میں جگہ دی۔ وہ تناسخ ارواح پر یقین رکھتے تھے۔ ''زندگی ایک دھرے پہ گھومتے ہوئے پہیے جیسی ہے۔ اے نانک آنے اور جانے کا کوئی انت نہیں۔'' انہوں نے سابق جنموں کا نظریہ اپنایا اور حال کی زندگی کو ماضی سے جوڑا۔ یقیناً موجودہ زندگی کے بعد دوبارہ جنم ہوگا جس کی نوعیت کا تعین ہمارے اچھے یا برے اعمال کریں گے۔ حیات بعد از موت کا خیال ہی انسان کی روح کو سب سے زیادہ پریشان کرتا ہے' لہٰذا اس سے چھٹکارا اور نجات حاصل کرنا چاہیے تاکہ روح کو طمانیت نصیب ہو سکے۔ روح کی طمانیت حاصل کرنے کے ذرائع کے حوالے سے وہ وحدت الوجودی ہیں۔

مسلمانوں کی ظاہری عبادات پر تنقید کرتے ہوئے گرونانک نے قاضی اور نواب سے کہا کہ وہ اپنی روح میں خدا کی عبادت کریں۔ ان کے خیال میں خدا دنیا کی ہر چیز میں موجود ہے۔ انسان میں اس کی موجودگی کا ذریعہ روح ہے۔ ''اندر کی روشنی تلاش کرو' ذات نہ پوچھو' کیونکہ موت کے بعد کوئی ذات نہ ہوگی۔'' یہی اندر کی روشنی گرونانک کے نورانی خدا کا حصہ یعنی روح ہے۔ چنانچہ اللہ' برہم' ہری' رام' رحیم' گوند سب میں مختلف ناموں سے موجود ہے۔

تاہم' سکھ مت میں خدا باپ اور روحانی گرو کا عیسائی تصور بھی موجود ہے۔ گرو کی رحمت ہی مقدر تبدیل اور اعمال کا آئندہ رخ متعین کر سکتی ہے۔ ممکن ہے گرو کی روحانی حیثیت کا یہ تصور بعد کے گروؤں نے مغلوں کے خلاف لڑائی میں سکھوں کو ایک مرکز میں متحد رکھنے کے لیے دیا ہو۔ ورنہ گرونانک تو بہت سی جگہوں پر یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ خدا کے ''نام'' کا ورد' نیکی' عبادت' بھائی چارے کے اصول پر عمل اور راست بازی ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

یوں ہم سکھ مت کے تصورِ روح کو کافی حد تک ہندوانہ قرار دے سکتے ہیں' لیکن اس میں وہ پیچیدگی موجود نہیں جو ہندو مت اپنی دو ہزار سالہ تاریخ میں مختلف نظریات کے ساتھ تصادم کے نتیجہ میں اپنے اندر پیدا کر چکا تھا۔ وہ تو نہایت سادگی کے ساتھ کہتے ہیں: ''سچے نام یعنی خدا کا ورد میرا چراغ ہے۔ جس میں دکھ کا تیل جلتا رہتا ہے۔ یہ چراغ روشنی دیتا اور دکھ کو مسرور کرتا ہے اور یوں موت کے دیوتا یم سے ملاقات سے بچاتا ہے۔'' گرونانک کا یہ چراغ (دیا) ہی ان کی روح قرار دی جا سکتی ہے جو دکھ کا تیل ختم ہونے پر جسم سے نکل جاتی ہے۔

◆○◆

11
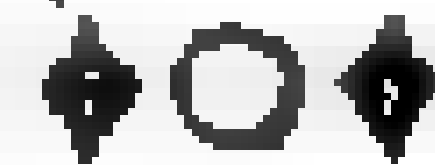
تاؤ مت

شنتو مت اور کنفیوشیت کی طرح تاؤ مت بھی مغربی محققین کا دیا ہوا نام ہے۔ اس مذہب کی بنیاد لاؤزے (604 تا 531 ق۔م) کے خیالات پر ہے۔ لاؤزے کا فلسفہ کنفیوشیت سے واضح طور پر مختلف ہے۔ کنفیوشس نے اچھی حکومت' قوانین عدل' نیک اطوار پر زور دیا جبکہ لاؤزے اخلاقیات کے بجائے لوگوں کی فطری بے ساختگی اور آزادی پر یقین رکھتا ہے۔ وہ لوگوں کے دل کو اندر سے ٹھیک کرنے کا خواہش مند تھا۔

اصطلاح ''تاؤ'' کی تعریف مختلف انداز میں کی جاتی ہے۔ مختلف لوگوں نے اس کا مطلب ''راستہ'' ''ابدی قوم'' ''ابدی ہستی'' ''استدلال'' وغیرہ بتایا ہے۔ جدید سائنس میں تاؤ بطور ''فطرت'' موجود ہے۔ بدھ مت ''تاؤ'' کی اصطلاح نروان کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لاؤزے کے مطابق بے نام تاؤ واحد' ازلی و ابدی' لافانی اور ناقابل تردید ہے۔ چیزیں جس انداز یا طریقے میں موجود ہیں ان کے پس پردہ وجود یعنی اساسی وجوہ کار فرما ہیں:

تاؤ نے ایک کو پیدا کیا
تاؤ نے دو کو پیدا کیا
دو نے تین کو پیدا کیا
تین نے دس ہزار چیزوں کو پیدا کیا۔

''دس ہزار چیزوں'' سے ''ہر چیز'' مراد ہے کیونکہ قدیم وقتوں میں تقریباً 10 ہزار الفاظ یا با اسم چیزیں تھیں۔

بہ الفاظ دیگر ہم تاؤ کو دنیا کی ہر چیز کی ''روح'' کہہ سکتے ہیں۔ آج کل کی زبان میں جیسے ہم کسی ادارے' تنظیم' کام وغیرہ کی ''روح رواں'' کا ذکر کرتے ہیں' اسی مفہوم میں ''تاؤ'' کو بھی روح قرار دینا ممکن ہے۔ یہ ''تاؤ'' یا روح رواں ضابطہ' نظم' ہم آہنگی' درست انداز' درست رویہ ہے۔

◆○◆

12

شنتومت کی ''کامی''
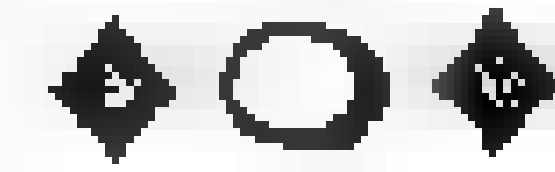
شنتو کا لفظی مطلب ''دیوتاؤں کا راستہ'' ہے۔ قدیم قبیلہ داری نظام سے ابھرنے والے اس مذہب کو یہ نام بدھ مت سے جدا کرنے کے لیے 18 ویں صدی میں دیا گیا۔ شنتو مت اور بدھ مت میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ شنتومت میں بے شمار روحوں ''کامی'' کی پرستش بنیادی عنصر ہے۔ کامی کا لفظی مطلب ''برتر ہستیاں'' ہے۔ معبودوں کی دو قسمیں ہیں: فطری دیوتا اور انسانی دیوتا پہلی قسم روحوں کی جانوروں' پودوں' چیزوں' فطری مظاہر میں تجسیم کا نتیجہ ہے' اور دوسری قسم' آباؤ اجداد کی پرستش کا۔ سورج کی دیوی' خوراک کی دیوی اور زمین کا دیوتا سب فائدہ بخش ہیں اور کامی میں شمار ہوتے ہیں۔ شنتو کے فطری دیوتا یعنی سورج' چاند' زمین' سمندر' پہاڑ' بارش' آگ' صاعقہ بنیادی طور پر عبادت کے حقیقی مادی معروض ہیں۔ چنانچہ شنتومت نہایت کثرت پرست ہے اور اس کے دیوتاؤں کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ شنتو دینیات میں تمام دیوتا دانش' ہمت اور لطف و کرم' ذہانت' عزم اور محبت کی علامت ہیں۔

◆○◆

13
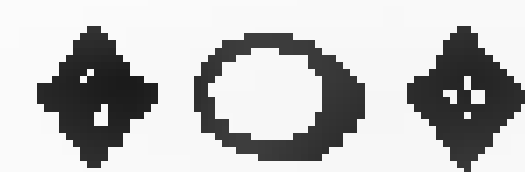
مصر کی "با" اور "کا"

اولین زمانوں سے ہی مصر کے کئی مقامات پر سورج دیوتا "را" کی پوجا ہوتی تھی' تاہم اس کی پوجا کا سب سے بڑا اہم مرکز "اونو" شہر تھا۔ اسے "ایونو" بھی لکھا جاتا ہے۔

قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ سورج دیوتا را (رے) کی "روح" ایک مقدس پتھر میں رہتی ہے' اس پتھر کو وہ بن بن' یا "بن" کہتے تھے۔ یہ پتھر اونو (لون) (ہیلیوپولس) شہر میں رکھا جاتا تھا۔ اسے وہ مربع شکل کا تراشتے اور اوپر کا سرا نوکیلا یعنی ہرم نما یا مخروطی بنایا جاتا۔ "بن بن" کی شکل میں وہ سورج دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ اسی تراشیدہ مقدس مخروطی پتھر (بن بن) کو "را" دیوتا کی "روح" کا مسکن بھی خیال کیا جاتا تھا۔ یہ سنگ آفتاب "یعنی بن بن' تھے سے مقطوع ہرم پر نصب رہتا تھا۔۔۔ اصل میں قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ "تخلیق کائنات" کے وقت سورج دیوتا "را" کے حکم سے اولین پانیوں پر ایک چھوٹی سی چٹان ابھری تھی۔ اولین پانیوں اور ان کے سمندر کو اہل مصر "نون" یا "نن" کہتے تھے۔ اس چٹان کو پانی سے نکالنے کا مقصد یہ تھا کہ را دیوتا اس پر کھڑا ہو سکے اور اسی مقدس چٹان کو مصریوں نے "بن بن" کا نام دیا۔

قدیم مصری ادب' خصوصاً مذہبی اور اساطیری ادب میں انسان کے جسمانی' ذہنی اور روحانی عناصر یا حصوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اور یہ عناصر تھے خت (فانی جسم)' زت (ابدی یا لافانی جسم)' ساحو' ساح' سخ (روحانی جسم) کا (ہم زاد قوت حیات)' خابت'

خائبت' (سایہ)' سخم (قوت۔ توانائی) اور' رن" (نام)۔ مگر ایسا نہیں ہوا کہ مصریوں نے ان تمام عناصر کو انسانی جسم کا حصہ اپنی طویل مذہبی تاریخ کے کسی ایک ہی وقت یا عہد میں قرار دیا ہو بلکہ ہوا یہ کہ مختلف ادوار میں مختلف عناصر انسانی بدن کے حصے تسلیم کیے گئے۔

انسانی بدن کے مختلف حصوں کے لیے ان کے ہاں متعدد الفاظ مستعمل تھے' لیکن مصریوں نے ان الفاظ سے وابستہ تصورات کو واضح طور پر کبھی بیان نہیں کیا۔

دراصل مصریوں کا خیال تھا کہ مکمل انسانی وجود کی تشکیل کے لیے ضروری تھا کہ تین اہم عناصر یعنی "کا" (ہم زاد۔ قوت حیات)' "با" (روح قلب) اور "اخ" (جوہر۔ نورانی پیکر) بدن میں جمع ہو جائیں۔ علاوہ ازیں مصریوں کے نزدیک انسانی ہستی یا جسم "کا" "با" اور "اخ" کے علاوہ اور بھی عناصر کا مجموعہ تھا۔ مثلاً خابت (سایہ)' رن (نام) وغیرہ۔ ان سب عناصر سے مل کر انسان کی ذات مطلق' تشکیل پاتی تھی بہرحال انسانی جسم کن کن عناصر پر مشتمل تھا۔ اس سلسلے میں مصریوں کے عقائد و نظریات مختلف تھے۔۔۔۔ کچھ محققین کے مطابق مصریوں کے نزدیک انسانی جسم کے عناصر تھے "کا" (ہم زاد۔ قوت حیات)' "خو" (روح۔ پیکر لطیف) اور "خت" (جسم) بعض محققین کے خیال میں یہ عناصر "با" (روح قلب)' خابت (سایہ) ساحو' (ساح سخ' روحانی جسم' حنوط شدہ جسم) رن (ذاتی نام) اور سخم (قوت توانائی) تھے۔ اس کے علاوہ کچھ محققین کے نزدیک عناصر جسم میں زت (ابدی جسم)' "با" (روح قلب)' "اخ" (جوہر) اور سخم (قوت) شامل تھے۔ بہرحال جب انسان آسمان پر دوبارہ زندہ ہو جاتا تو اس کے جسم کا ہر عنصر اس کے ساتھ مل جاتا تھا۔

قدیم مصری لٹریچر کی شاید ہی کوئی صنف ایسی ہو جس کے مختلف ادب پاروں میں ایک لفظ کا بہت حوالہ اور ذکر نہ آتا ہو اور وہ لفظ ہے "کا" اس کا تعلق نہ صرف انسان اور انسانی جسم بلکہ دوسری مخلوق اور اشیا سے بھی بہت گہرا تھا۔ "کا" ایک ایسا قدیم مصری لفظ ہے کہ اس کے مترادف معنی میں آج کل کی کسی بھی زبان کا کوئی بھی ایک ہی لفظ استعمال کرنا تقریباً ناممکن ہے یوں کہا جائے کہ کسی بھی زبان کے ایک لفظ میں "کا" کے بالکل صحیح معنی یا مفہوم کو ادا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں "کا" کے لیے صحیح اور حتمی مفہوم پر مبنی کوئی ایک لفظ استعمال کر سکوں ۔۔۔۔ ویسے "کا" کا ایک ترجمہ ہم زاد بھی کیا گیا

ہے جسے سوفی صد تو کیا بڑی حد تک بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

"کا" ایک مابعد الطبیعاتی "ہستی" تھی۔ اور اس کی شکل و صورت اور خصوصیات اسی شخص جیسی ہوتی تھی جس کا وہ "کا" ہوتا تھا۔ "کا" دراصل غیر واضح، مبہم اور پیچیدہ خصوصیات کا مجموعہ تھا۔ اس لیے کوئی بھی تو ایک لفظ ایسا نہیں ہے جو ان تمام خصوصیات کا مفہوم ادا کرسکتا ہو۔ "کا" بیک وقت اوسین "مادہ" (جوہر) تھا اور کائناتی مادہ بھی۔ وہ زندگی اور غذائیت کا منبع تھا، وہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اور توانائیاں بخشتا تھا، نسل کا محافظ اور خالق تھا۔ محافظ روح، ہم زاد اور قوت تولید تھا۔ "کا" دیوتاؤں اور انسانوں کے جسم کا ایک لازمی حصہ یا عنصر تھا۔ لوگ مرجاتے مگر ان کے "کا" زندہ رہتے۔ مصریوں کے نزدیک "کا" انسان کا محافظ تھا "رہنما تھا" قوت حیات تھا۔ یعنی ان کے خیال میں "کا" انسان کے اندر ایسی قوت یا عنصر تھا جو اسے زندہ رکھتا تھا۔ اسی طرح "کا" انسان کے لیے گویا رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھا۔ "کا" ایسی قوت، بھی تھی جو انسان کو پیدا کرسکتی تھی۔ علاوہ ازیں وہ ایسی حقیقی ہستی یا ذات تھی جو محسوس کرتی تھی جو سوجھ بوجھ رکھتی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل مصر مختلف ادوار میں اس کے معنی یا مراد مختلف لیتے رہے مثلاً کردار، ذہن، ذات، طبیعت یا مزاج اور فرد یا انفرادیت بھی مفہوم لیا جاتا رہا۔ ایک خصوصیت کے لحاظ سے "کا" کی نوعیت "ناگزیرکا" کی بھی ہوتی تھی۔ قدیم مصری عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "ناگزیرکا" آسمان پر رہتا تھا۔ مصریوں کے عقیدے کے مطابق یہ "ناگزیر کا" ایسا "ات" (باپ) تھا جو انسان کو زندہ رکھتا تھا۔ ایسا محافظ تھا جو فرعون کو موت کے تمام تر خوف سے نجات دلاتا تھا۔ "کا" غذائیت کا صدر نشین تھا۔ مرنے والوں کے ساتھ جو اشیائے خوردنی رکھی جاتی تھیں وہ بھی اپنے اپنے "کا" میں تبدیل ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ان تمام اشیائے خوردنی کے جتنے بھی "کا" تھے۔ وہ ارفع ترین اور "ناگزیرکا" ان سب کا سربراہ تھا۔ یہ "ناگزیرکا" ذہنی اور اخلاقی قوتوں کا بھی سربراہ تھا، وہ بدن کو بالفور صحت مند بنا دیتا تھا۔ اور جسمانی و روحانی زندگی عطا کرتا تھا۔ "کا" ایسا عنصر تھا جو مقدس، اور "آسمانی" تھا۔ اس کا نام (کا) عبارتوں میں ایک ایسی ہستی کی صورت میں لکھا جاتا ہے جو حفاظت اور عبادت کے انداز میں اپنے دونوں بازو اٹھائے کھڑا ہوتا تھا۔ مصر کے قدیم ترین ٹوٹموں (Totems) یا مذہبی علامتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے ہاں اس

وقت بھی "کا" کے بارے میں تصور موجود تھا۔ زمانے گزرتے گئے اور "کا" ایک دیوتا کی صورت اختیار کر گیا اور پھر قدیم زمانوں میں اس سے کسی دیوتا کا تعین کیا جانے لگا اور ساتھ ہی اس کا نام یعنی لفظ نتر (دیوتا) لکھ دیا جاتا۔

متعدد قدیم عبارتوں وغیرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے نزدیک ۔انسان کا جسم اور "کا" دو بالکل الگ الگ چیزیں تھیں۔ اور آسمان پر ملنے سے قبل زمین پر ان دونوں کا ایک ہونے کی حد تک باہمی ربط یا تعلق بالکل نہیں تھا اور یہ زمین پہ ساتھ ساتھ نہیں رہتے تھے۔ "کا" اور "زت" (جسم) کے جداگانہ ہونے کا ایک ثبوت قدیم بادشاہت (2684ق م) کی عبارتوں سے بھی ملتا ہے۔ مصری کسی کے مرنے کا ذکر کرتے وقت موت کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کرتے بلکہ اس کی بجائے ملائم سے ملائم الفاظ اور لب و لہجے میں بیان کرنے کی کوشش کرتے تھے مثلاً کسی کے مرنے کو وہ اپنی زبان میں "سب۔ن کا اف" کہتے تھے جس کے معنی ہیں "اپنے "کا" کے پاس چلا جانا" چنانچہ جب کوئی مرتا تھا تو وہ اس قسم کے فقرے بولتے ہوں گے "وہ اپنے "کا" کے پاس چلا گیا" یا وہ "اپنے "کا" کے پاس چلا گیا ہے۔"

بعض علمائے تحقیق کا خیال ہے کہ قدیم مصریوں کے عقیدے کے مطابق "کا" انسانی جسم کا "ہم زاد" ہوتا تھا۔ زمین پر جب بھی کوئی شخص پیدا ہوتا اس کا "کا" بھی اس کے ساتھ پیدا ہوتا تھا۔ اور ساری زندگی اسی کے ساتھ رہتا تھا، البتہ موت کے وقت "کا" بدن کا ساتھ چھوڑ جاتا اور جب مرنے والے کو حنوط کر کے وہی آخری رسوم ادا کی جاتیں جو اسر (اوزیریں یا اوسائرس) دیوتا کے مرنے پر اس کے لیے ادا کی گئی تھیں تو ان رسوم کی وجہ سے "کا" بھی حنوط شدہ لاش کے پاس واپس آ جاتا اور مقبرے میں مرنے والے کے جسم کے پاس رہتا تھا۔ لوگوں کے "کا" کے لیے نذرانے کے طور پر خوراک اور پانی ہمیشہ چڑھایا جاتا تھا۔

مقبروں میں مرنے والوں کے لیے صرف "جسم" ہی نہیں ہوتے بلکہ عام طور پر ان کے "کا" بھی ان کے جسموں کے ساتھ رہتے مگر یہ اپنی مرضی سے جب چاہتے ادھر ادھر گھوم پھر سکتے تھے۔ "کا" انسان سے آزاد ہوتا تھا اور اس کے کسی بھی مجسمے میں داخل ہو کر رہ سکتا تھا۔ وہ کھاتا پیتا بھی تھا۔ مقبرے میں جب بھی "کا" حنوط شدہ جسم کے ساتھ

رہتا تو اسے وہاں اشیائے خورد و نوش کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ گوشت اور پھولوں کی خوشبو سے بہت ہی محظوظ اور خوش ہوتا تھا پھر مصریوں کا عقیدہ تھا کہ اگر کھانے پینے کی چیزیں مقبروں میں نہ پہنچائی گئیں تو پھر مرنے والوں کے "کا" مجبوراً مقبروں سے باہر آ کر گھومنے پھرنے لگیں گے اور فضلہ وغیرہ کھانے اور گندا پانی پینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس بات کا بطور خاص خیال رکھا جاتا کہ مرنے والوں کے "کا" کے لیے مقبروں میں اشیائے خوردنی نذرانوں کی صورت میں وافر مقدار میں پہنچائی جاتی رہیں۔

ہر زمانے کے مصری اسر (اوزیریں) اور اس کے ساتھی دیوتاؤں سے یہ دعا مانگا کرتے کہ ان کے "کا" کی خاطر کافی مقدار میں چڑھاوے عنایت کیا کریں۔ اگر ناسازگار حالات کی وجہ سے "کا" کے لیے چڑھاوے چڑھانے کا سلسلہ جاری نہ رہتا اور "کا" کے لیے بیچ بچ کی اشیائے خورد و نوش مقبروں میں پہنچانا ممکن نہ رہتا تو ایسی صورت میں مصریوں کا عقیدہ تھا کہ اگر کھانے پینے کی چیزیں مقبروں میں نہ پہنچائی گئیں تو پھر مرنے والوں کے "کا" مجبوراً مقبروں سے باہر آ کر گھومنے پھرنے لگیں گے اور فضلہ وغیرہ کھانے اور گندا پانی پینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس بات کا بطور خاص خیال رکھا جاتا کہ مرنے والوں کے "کا" کے لیے مقبروں میں اشیائے خوردنی نذرانوں کی صورت میں وافر مقدار میں پہنچائی جاتی رہیں۔ ایسی صورت میں مصریوں کا عقیدہ یہ تھا کہ "کا" یہ منتر پڑھے گا اور اس کی ضروریات پوری ہو جائیں گی۔

"میں اپنے دل کا مالک ہوں اور اپنے سینے کا اور اپنے
ہاتھوں کا اور اپنے منہ کا اور اپنے تمام اعضاء کا اور اپنے تدفینی
چڑھاوؤں کا (مالک ہوں)"

غیر متمدن انسان کو ایک ایسی چیز یا ہستی پر یقین کامل تھا جو اس کے خیال میں حیات قوت غذائیت ذہانت اور طلسم کا مرکز و منبع تھی۔ اسے "منا" کا نام دیا گیا تھا۔ غیر متمدن انسان کے اس "منا" اور "کا" میں جتنی مشابہت ہے اتنی مشابہت "کا" کے ساتھ کسی اور چیز کی نہیں "منا" کی طرح "کا" "انفرادی یا واحد" بھی اور "مجموعہ" بھی تھا۔ مصریوں کے نزدیک آسمان پر تمام دیوتاؤں کا ایک "کا" رہتا تھا جو اصلی "کا" تھا مصری تحریروں میں اس کے بارے میں لکھا ہے۔

"تو سارے دیوتاؤں کا "کا" ہے تو ان کی رہنمائی
کرتا ہے تو ان پر حکومت کرتا ہے۔ تو تمام دیوتاؤں میں طاقتور ہے تو
فنا نہیں ہوتا اور تیرا "کا" "منا" نہیں ہوتا۔"

"کا" پوری زندگی تمام ساحرانہ قوتوں تمام طاقت اور اقتدار کا "مسکن" تھا جس طرح ابتداء میں قبیلے کے ہر فرد میں "منا" حلول کیے رہتا اور پھر جس طرح بعد کے زمانوں میں وہ (منا) کسی بھی قبیلے والوں کے مختلف دیوتاؤں میں خاص طور پر موجود ہوتا تھا۔ اسی طرح "اصل ناگزیر کا" ہر "انفرادی" کا میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ آسمان کے ہر باسی کے لیے "انفرادی کا" باپ کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ یہ "انفرادی کا" صحت قوت اور غذائیت کا ضامن تھا بعض علماء کا خیال ہے کہ "کا" اصل میں ایک آسمانی مخلوق تھی اور یہ کہ یہ خیال غلط ہے کہ "کا" انسانی جسم کا ہمزاد ہوتا تھا اور ہر انسانی بدن کے ساتھ پیدا ہوتا وہ اسی کے ساتھ رہتا تھا اور انسان کے مرنے پر ہی اس سے الگ ہوتا تھا۔ "کا" آسمان پر رہتا تھا۔

مصر والے دیوتا کو "نتر" کہتے تھے۔ بعض محققین کے نزدیک "نتر" اور "ٹر" سے مراد وہ کھجور کے درخت کی سالانہ افزائش سے لیتے تھے۔ زیادہ واضح طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ تمام نباتات کی باقاعدہ اور دوبارہ پیدائش کا اظہار لفظ "ٹر" سے ہوتا ہے۔ قدیم ترین مصریوں کے خیال میں دیوتا کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت یا کیفیت میں رہتا تھا۔ وہ انسان اور جانور کی طرح نہ تو پلتا بڑھتا تھا اور نہ ہی پل بڑھ کر مرتا تھا۔ چنانچہ "ٹر" کا مفہوم ہوا "ابدی ہستی" جسے موت یا فنا نہ تھی۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ "نتر" کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے وہ ایک حد تک "کا" پر بھی صادق آتی ہے گویا بات یہ بنی کہ "دیوتا" اور "کا" میں کچھ خصوصیات قدر مشترک کی حیثیت بھی رکھتی تھیں۔ مصریوں کے نزدیک کسی دیوتا کی طاقت تباہ یا بے اثر بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ اس دیوتا سے اس کا "کا" الگ کر دیا جائے مرنے کے بعد "کا" اور "زت" کے اتصال سے جو کامل ہستی وجود پذیر ہوتی وہ روح (با) جوہر (اخ) اور قوت (سخم) کا مرکب ہوئی۔ "کامل جسم یا ہستی" یعنی مرنے والا "دیوتا کی صورت" (اور نتر) اختیار کر لیتا اس کے بعد مصری اسے دیوتا (نتر) کہنے لگا بعد کے زمانوں کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ دیوتاؤں اور بادشاہوں کے چودہ

"کا" ہوتے تھے اور ان میں یہ چودہ خصوصیات مجسم ہو گئی تھیں:

1- ساحرانہ قوت	2- جسمانی قوت	3- شہرت
4- دولت	5- شادابی (صحت)	6- غذائیت
7- شرافت	8- بصارت	9- سماعت
10- تدفینی سامان	11- دانشمندانہ ذہانت	12- آگہی
13- علم	14- ذائقہ	

اہل مصر روح کو 'با' کہتے تھے۔ لیکن روح کے بارے میں مصریوں کا نظریہ ہمارے آج کل کے نظریے سے مختلف تھا... مصریوں کے نزدیک "با" کا تعلق دل سے تھا۔ اسی لیے وہ اسے "روح قلب" یعنی دل کی روح بھی کہتے تھے تاکہ "با" اور "اخ" (نورانی پیکر) میں فرق روا رکھا جا سکے۔ "با" کسی طرح "کا" سے بھی متعلق ہوتی تھی۔ یہ "کا" کے اندر یا اس کے ساتھ مقبروں میں رہتی تھی اور نذرانوں میں اپنا حصہ بٹاتی تھی۔... کچھ محققین کا خیال ہے کہ مصریوں کے نزدیک انسانی "با" روح کا حصہ تھی یا یہ کہ "با" انسان کا "روحانی" حصہ تھی۔ "با" صرف انسان ہی نہیں بلکہ کسی بھی جاندار کی وہ چلتی پھرتی "روح" تھی جو عملی کام کرنے پر قادر تھی' جب انسان مر جاتا تو "با" اس کی ہستی یا وجود کو برقرار رکھتے۔ — "با" کی جمع "باؤ" تھی اور "باؤ" اپنے جسم سے الگ ہو کر عملی قوتوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے' وہ زندہ انسان کی ایسی علامت تھی جو اس فاصلے پر ظاہر ہوتی تھی۔ گویا وہ انسان کی ذات کا علیحدہ ہو جانے والا ایسا حصہ تھے جو اس سے دور سرگرم عمل رہتا تھا۔ "باؤ" کا ترجمہ "قوت" ہی کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے مراد ایسی قوت ہے جو مکانی قیود سے آزاد تھی اور اس جگہ سے دور سفر کر سکتی تھی جہاں وہ شخص موجود ہوتا جس میں "باؤ" حلول کیے ہوئی تھی۔

مذہبی لٹریچر پر مبنی پیپرس میں "با" کو باز کی شکل میں بنایا جاتا تھا جس کا سر اور منہ انسانی ہوتا تھا۔ "نب تت" نامی ایک قدیم مصری شخص کے لیے ایک پیپرس پر "کتاب الاموات" کا ایک باب لکھا ہوا ملا ہے جو اس کے مقبرے میں دفن کیا گیا تھا۔ اس پیپرس پر باز کی تصویر اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ انسانی شکل والے باز کی صورت میں حنوط شدہ جسم

کے لیے ہوا اور خوراک لے کر اڑتا ہوا اوپر سے نیچے تدفینی گڑھے کی طرف آ رہا ہے اس حنوط شدہ جسم سے ہی "با" کا تعلق تھا۔ یہاں ایک بات ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ قدیم مصری زبان میں کوئی مخصوص اور موزوں لفظ ایسا نہیں تھا جو روح کے بارے میں ہمارے آج کل کے نظریے کے مطابق تصور کا اظہار کر سکتا' وہ روح جو موجودہ مذہبی نظریات کے مطابق انسان کا روحانی اور لازمی حصہ ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی' کہ لفظ روح کا مفہوم و تصور صحیح اجاگر کرنے کے لیے قدیم مصری زبان میں کوئی لفظ نہیں تھا اس سے بھی توثیق ہوتی ہے کہ قبطی یعنی عیسائیت قبول کر لینے والے مصر کے اصل باشندے روح کے لیے یونانی لفظ سائیکی (Psyche) بولتے تھے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ روح کا صحیح معنوں میں مترادف کوئی لفظ قدیم مصری زبان میں مستعمل نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو قبطی (Copts) مصری اپنے ہی ملک کا لفظ کسی بھی شکل میں استعمال یقیناً کرتے یونانی نہ لفظ اپناتے ..... متعدد مذہبی عبارتوں کی رو سے "با" سورج دیوتا "را" یا پھر آخرت کے منصف دیوتا اسر (اوزیرس) دیوتا کے ساتھ آسمان پر رہتی تھی۔ مصریوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ جب کوئی آدمی مر جاتا ہے تو "با" اسے چھوڑ کر آسمان پر چلی جاتی ہے اور وہاں دیوتاؤں اور نیک لوگوں کی روحوں کے ساتھ رہنے لگتی۔ اسر (اوزیرس) دیوتا کی مملکت میں جب مرنے والوں کے اعمال جانچے جاتے تو عظیم ترازو کے ایک پلڑے میں مرنے والے کا دل اور دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جاتا۔ یہ سچائی اور حق کی علامت تصور ہوتا تھا۔ وزن کے دوران روح "با" اس کے نزدیک کھڑی رہتی اور اپنی صفائی پیش کرتی...... قدیم مصری عقیدے کے مطابق دیوی دیوتاؤں کے بھی "با" ہو سکتے تھے۔ مصریوں کے نزدیک فرعون کی روح (با) زمین پر اس (فرعون) کے ساتھ نہیں بلکہ دیوتاؤں کے ساتھ آسمان پر رہتی تھی اور جب فرعون مرنے کے بعد اپنے "کا" سے مل جاتا تو وہ از خود "با" ہو جاتا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دیوتا جس حالت میں بھی اپنی زندگی گزارتے تھے "با" ہونا دیوی دیوتاؤں کی اسی حالت کے مترادف تھا۔

"با" ایسا روحانی عنصر تھی جو اپنی "جسمانی قوت" کے بل پر آزادانہ طور پر نمودار ہو سکتی تھی اور اپنے مالک..... یعنی جس انسان سے اس کا تعلق ہوتا ... کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی مرضی کے مطابق کام کر سکتی تھی۔ وہ اپنی مرضی سے مادی اور غیر مادی شبیہ

اختیار کر سکتی تھی۔ اپنے اصل دنیاوی اور مادی حنوط شدہ بدن کو دیکھنے دھرتی پر آجاتی' چنانچہ وہ مدفن کمرے میں مرنے والے کے ساتھ رہ سکتی تھی۔ مقبرے میں ایک راستہ ضرور بنایا جاتا تا کہ ''با'' اس میں سے ہو کر اس کمرے میں جا سکے جہاں مرنے والے کی حنوط شدہ لاش رکھی جاتی تھی۔ ...''با'' جہاں چاہے آجا سکتی تھے عموماً اسے کھلی جگہوں پر گھومنا پھرنا پسند تھا اور وہ ان جگہوں پر پھرتی تھی جو مرنے والوں کو اپنی زندگی میں پسند تھیں۔ مثلاً وہ اس تالاب پر جاتی جہاں آنجہانی اپنی زندگی میں جایا کرتا تھا' اس درخت کے پاس جاتی جس کے نیچے مرنے والا اپنی زندگی میں ٹھنڈی شامیں گزار کر لطف اندوز ہوتا تھا۔

مصریوں کے نزدیک زندگی میں انسان کے روحانی عناصر کم از کم دو مخصوص ہستیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کو وہ ''کا'' کہتے تھے اور دوسرے کو ''اخ اخ'' کا تشخص' یا ہستی'' نا قابل فنا تھی ''اخ'' ایسا مادہ ہے جس سے قدیم مصری زبان کے متعدد ایسے الفاظ مشتق تھے جن کے معنی ''چمکنا'' اور موثر ہونا بنتے ہیں بہر حال ''اخ'' کے معنی ہیں ''منور و روشن'' ''اخ'' سے ایک امکانی مراد ماہرین نے نورانی پیکر' بھی لی ہے۔ مصریوں کے نزدیک فرعون کی ''ہستی کامل'' کی مخصوص یا امتیازی حالت' نورانی جسم'' تھا۔ ''اخ'' روح کی کوئی دوسری قسم یا صورت یا شکل نہیں تھی۔ جب فرعون ''با'' بن جاتا تو ساتھ ہی وہ ''اخ'' کا درجہ بھی حاصل کر لیتا تھا۔ ''اخ'' کے بارے میں مصری عبارتوں میں لکھا ہے......

''جس طرح (انسانی) بدن کا تعلق دھرتی سے ہے اسی طرح ''اخ'' کا تعلق آسمان سے ہے۔''

ساحو (ساح' سَح) وہ ایسے بدن کو کہتے تھے جو علم' قوت اور رفعت حاصل کر لیتا تھا۔ اس طرح یہ جسم (ساحو) ان کے نزدیک برقرار رہتا تھا اور خراب نہیں ہوتا تھا۔ ساحو (روحانی جسم)' روح کے ساتھ باتیں کر سکتا تھا وہ آسمان پر جا کر مبارک اور روحانی مسرت حاصل کرنے والے ساتھ رہ سکتا تھا ... مصریوں کا یہ خیال بھی تھا کہ لاش کو حنوط کرنے اور اس پر منتر پھونکنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل مادی جسم سے ایک اور جسم ظہور میں آتا ہے جو صورت شکل کے لحاظ سے اصل جسم کے بالکل مشابہ ہوتا ہے لیکن یہ اتنا غیر مادی ہوتا تھا کہ اسے ہم ''روحانی جسم'' کہہ سکتے ہیں۔ ساحو میں انسان کے فطری جسم کی ذہنی اور روحانی

خصوصیات مجتمع ہو جاتی تھیں۔ ''ہری عبارتوں'' کے کئی ٹکڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم (ساحو) آسمان میں دیوتاؤں کے ساتھ رہتا تھا اور انسانی روح' اسی بدن میں رہتی تھی۔ جدید شہنشاہی دور (576ق۔م) میں اس روحانی جسم یعنی ساحو کا ذکر نسبتاً بہت کم ملتا ہے اصل میں بعد کے زمانوں کے لوگ گوشت پوست کی اصل جسم کی دوبارہ زندگی کے زیادہ قائل تھے.... ساحو دعاؤں اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کی وجہ سے فانی جسم سے ظہور پذیر ہوتا تھا۔ یہ دعائیں اور رسمیں تعلیم یافتہ پجاری پڑھتے اور ادا کرتے تھے۔

''با'' (روح قلب) کے ساتھ خو (روحانی جسم) کا اکثر ذکر ملتا ہے۔ ایسا معلوم پڑتا ہے کہ اہل مصر اسے نہایت لطیف وجود گردانتے تھے۔

دل کو اہل مصر ''اب'' بھی کہتے تھے اور حاتی (حتی) بھی۔ ''اب'' (دل) کا تعلق روح (با) کے ساتھ بہت قریبی اور گہرا تھا۔ ''اب'' حیوانی زندگی اور انسانی نیکی و بدی کا سرچشمہ تھا' مصریوں کے نزدیک انسان کے دل کو محفوظ رکھنے کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ پورے انسانی بدن میں صرف دل (اب) ہی وہ عضو تھا جسے عالم آخرت میں حساب اخروی کے وقت الگ کر لیا جاتا تھا اور پھر اسے ترازو میں رکھ کر سچائی یا حق (مات) کے پر سے تولا جاتا۔ اگر پلڑے برابر رہتے تو انسان بے گناہ قرار پاتا اور بخشا جاتا اور اگر ''پر'' کا پلڑا بھاری رہتا تو مرنے والے انسان کو گناہگار قرار دیا جاتا۔ وہ دل (اب) کو روحانی اور فکری زندگی کا مرکز خیال کرتے تھے۔ یہی انسانی عضو تھا جس سے نیکی اور بدی ظاہر ہوتی تھی۔ دل ہر اس چیز کا آئینہ دار تھا جسے ہم آج کی زبان میں ضمیر کہہ سکتے تھے ان کے نزدیک دل ذہانت کا مسکن تھا اور ذہانت کا ''جوہر'' یا ''روح'' بھی دل میں رہتی تھی۔ ذہانت کی اس ''روح'' کو وہ ''اب'' کہتے تھے۔ ''اب'' ارادے اور خواہش کی مظہر تھی۔

انسانی جسم کا سایہ ''خابت'' (خائے بت) کہلاتا تھا۔ اس کا ''با'' (روح) سے گہرا تعلق تھا۔ یہ انسانی بدن کا ناگزیر عنصر تسلیم کیا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ''کا'' کی طرح ''خابت'' کا گزارہ بھی اس شخص کے مقبرے میں نذر کی ہوئی اشیا خوردنی و نوشیدنی پر تھا جس شخص سے یہ سایہ متعلق ہوتا تھا۔ ''کا'' کی ہی مانند ''خابت'' کا بھی انسانی جسم سے جداگانہ وجود تھا۔ خابت (خائے بت) بھی اپنی مرضی سے جہاں جی چاہے آجا سکتا تھا۔

سخم سے مراد ''قوت' توانائی'' بھی لی گئی ہے۔ اہل مصر سخم کو غالباً انسان کی قوت

حیات کی غیر مادی تجسیم خیال کرتے تھے۔ تم آسمان پر انسانوں کے ''خو'' (ارواح) کے ساتھ رہتی تھی مذہبی عبارتوں میں اس کا ذکر (ارواح) کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اوپر مصر کی قدیم تہذیب میں ملنے والے ایسے نظریات اور عقائد کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر روح یا روحانیت کے ساتھ بنتا ہے۔ مصر دنیا کی قدیم ترین تہذیب تھی۔ دنیا کے دیگر علاقوں نے ابھی وحشی پن سے آگے قدم نہیں بڑھایا تھا کہ اہل مصر تہذیب و تمدن کی نہایت اعلیٰ حالتوں تک پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے فلسفہ شاعری اور داستانوں کے ساتھ ساتھ مابعد الطبیعیاتی مسائل پر بھی غور کیا۔ ان میں روح کا تصور لافانیت کی خواہش کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اس تصور نے بالخصوص یہودیت عیسائیت اور اسلام کو بہت متاثر کیا جن کا مطالعہ ہم آگے چل کر کریں گے۔

◆ ○ ◆
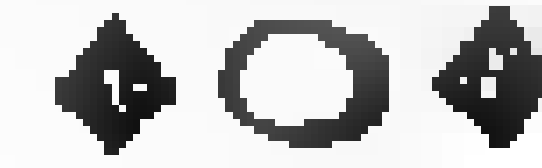
14

سومیر

سومیر کی قدیم تہذیب کا تصور بھی تخلیق کائنات کے تصور سے منسلک ہے۔ ہم تک اس قدیم دور کی صرف کچھ ادھوری داستانیں ہی پہنچی ہیں جو اپنا روپ بدل کر دوسرے مذاہب اور معاشروں میں ابھی تک موجود ہیں۔ سومیر کے کسی فلسفی یا باقاعدہ سوچنے والے ذہن کے خیالات سے ہم محروم ہیں کہ جس نے روح کے بارے میں تفصیلات کی ہوتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت عقل انسانی نے اتنی ترقی ہی نہ کی تھی کہ ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرتی جو آج بھی حل طلب ہیں۔ سومیر کے دیوی دیوتا ہی اصل میں ارواح سعید اور ارواح خبیثہ تھے۔ ارواح پرستی میں انسان ہر مظہر فطرت اور ہر زندہ چیز کی روح کو پوجتا تھا۔ اس سے اگلے دور میں اس نے ان ارواح کو ہی دیوتا بنا لیا۔ بیشتر مذاہب نے ان تمام ارواح کے سردار روح الارواح نور الانوار یعنی خدا کو معبود بنایا۔

سومیر کی تہذیب موجودہ عراق میں تھی۔ فضا روحوں سے پر تھی ہر طرف شفیق فرشتے محافظ تھے۔ اور شیطان بدروحیں محافظ دیوتا کو بے دخل کر کے جسم و روح پر ملکیت قائم کرنے کی کوشش میں مصروف رہتیں۔

اس ابتدائی دور میں بھی مذہب کی عظیم اساطیر صورت پذیر ہو رہی تھی۔ مردے کے ساتھ قبر میں کھانا اور ہتھیار بھی دفن کیے جاتے اس لیے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ سومیری حیات بعد از موت پر یقین رکھتے تھے۔ لیکن یونانیوں کی طرح انہوں نے بھی اگلی دنیا کی

تصویر کشی آفت زدہ سایوں کے تاریک مسکن (پاتال) کے طور پر کی جہاں تمام مرنے والے بلا امتیاز اترتے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے بہشت اور دوزخ ''ابدی سزا و جزا کا تصور نہیں کیا تھا۔ وہ عبادت اور قربانی ''ابدی زندگی'' کے لیے نہیں بلکہ مادی دنیا میں قابل محسوس فائدوں کی خاطر کرتے تھے۔

آج کی طرح قدیم عراقیوں کے سامنے بھی کچھ مسئلے تھے' کچھ سوال تھے' جن میں سے بعض ان کے مشاہدے اور بعض ان کے ''نظریہ کائنات'' کی روشنی میں پیدا ہوئے تھے' ابن مریم سے کم از کم تین ہزار برس پیشتر عراق کی سومیری قوم میں ایسے مفکر اور معلم ضرور پیدا ہوئے جو ان مسائل اور سوالات کے جوابات دینے کی کوشش میں عمر عزیز صرف کر گئے اور مرنے سے پہلے علم کائنات (اور علم دینیات بھی) اپنی حد تک مرتب کر گئے' اپنی اس سعی حاصل خیز میں وہ اتنے اونچے چلے گئے تھے اور اپنے ان نتائج پر انہیں ایمان کی حد تک اس قدر اعتماد تھا کہ آگے چل کر ان کے نکالے ہوئے نتیجے اور عقیدے مشرق قریب کے ازمانی اصولوں اور عقیدوں کے سنگ بنیاد بن کر رہ گئے۔

سومیریوں اور بابلیوں کی فلاسفی' دینیات اور علم کائنات اور آفرینش کے متعلق قریباً ساری معلومات کی عمارت ان کی ادبی تخلیقات خصوصاً داستانوں' کہانیوں' مناجاتوں اور ارسطو کی بنیادوں پر کھڑی ہے' اگر یہ بنیادیں ہٹا دیں تو کچھ باقی نہیں رہتا۔

کائناتی ڈھانچے کی ساخت کے متعلق سومیری دانشور اپنے بنیادی نظریوں کو بڑے واضح اور نکھرے ہوئے' غیر متنازعہ فیہ اور طے شدہ حقائق پر مبنی سمجھتے تھے' انہی نظریات سے انہوں نے یہ استنباط کیا کہ تکوین کائنات کیسے ہوئی؟ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سب سے پہلے ''اولین سمندر'' موجود تھا۔ وہ اس سمندر' بہ الفاظ دیگر پانی کو اولین علت ازلی اور محرک اول خیال کرتے تھے' لیکن انہوں نے خود سے یہ سوال نہیں پوچھا کہ اس ازلی اصول اول یعنی سمندر سے پہلے زمان و مکان میں کیا چیز تھی؟..... مذکورہ سمندر میں کسی نہ کسی طرح کائنات وجود میں آئی' ان کی یہ کائنات ''زمین و آسمان'' پر مشتمل تھی اور اسے وہ ''انکی'' کہتے تھے یعنی ''آسمان و زمین'' (ان۔ آسمان' کی۔ زمین) اور یوں ان کے نظام کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

غلاف دار آسمان مسطح اور ہموار زمین کے اوپر قائم تھا' ان دونوں کے درمیان

متحرک ہوا پھیلی ہوئی تھی جو انہیں جدا کیے ہوئے تھی' اس ہوا سے چاند' سورج اور ستارے بنے ہوئے تھے زمین و آسمان کی جدائی اور اجرام فلکی کی تخلیق کے بعد نباتاتی' حیواناتی اور انسانی زندگی نے آنکھ کھولی۔

وہ کون سی قوت تھی جس نے تخلیق کائنات کا آغاز کیا اور قرنوں تک روز بروز' سال بہ سال موجودات کو پیدا بھی کرتی رہی اور نظام کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

غلاف دار آسمان مسطح اور ہموار زمین کے اوپر قائم تھا' ان دونوں کے درمیان متحرک ہوا پھیلی ہوئی تھی جو انہیں جدا کیے ہوئے تھی' اس ہوا سے چاند' سورج اور ستارے بنے ہوئے تھے زمین و آسمان کی جدائی اور اجرام فلکی کی تخلیق کے بعد نباتاتی' حیواناتی اور انسانی زندگی نے آنکھ کھولی۔

وہ کون سی قوت تھی جس نے تخلیق کا آغاز کیا اور قرنوں تک ..... روز بروز سال بہ سال موجودات کو پیدا کرتی رہی اور نظام کائنات کو بھی چلاتی رہی؟ اس سوال کے تفصیلی جواب کے لیے ہمیں پھر سومیریوں کی ادبی تخلیقات ہی کو کھنگالنا ہوگا۔ سومیری فلاسفر اور علمائے دین (کلیے کے طور پر) جانداروں کے ایک ایسے گروہ پر ایمان رکھتے تھے جو شکل و شباہت میں تو انسان کے سے تھے لیکن تھے مافوق الفطرت اور لافانی' فانی آنکھ انہیں دیکھ نہیں سکتی تھی اور یہ ہستیاں تجسیم انسانی اختیار کیے ہوئے تھیں۔ یہی ان دیکھی اور ابدی ہستیاں تھیں جو ایک باقاعدہ نظام اور باقاعدہ طور پر تجویز شدہ آئین کے تحت امور کائنات کو چلاتی اور کنٹرول کرتی تھیں۔ مافوقیت کی حامل یہ غیر مرئی ہستیاں کائنات کے مختلف صیغوں اور اشیاء کی الگ الگ نگران تھیں چنانچہ سومیری کتبوں سے ایسی کتنی ہی چیزوں کا پتا چلتا ہے جو کہ ان ابدی نگرانوں سے مخصوص تھیں مثلاً آسمان' سورج' چاند ستارے' سیارے' ہوا' آندھی' طوفان' زمین' سمندر اور دریا پہاڑ' میدان' شہر' ریاست' پشتے' خندق' چراگاہ' کھیت' کدال' خشتی سانچے' ہل' اناج اور مویشی وغیرہ..... سومیری دانشوروں کے مذکورہ بالا فرضی کلیے کے پس پردہ ایک منطقی نتیجہ کام کر رہا ہے' وہ ان انسان نما غیر مرئی ہستیوں کو دیکھ تو نہ سکتے تھے' چنانچہ اب صرف ایک ہی ذریعہ ان کے پاس رہ گیا تھا' جس سے وہ اس سلسلے میں کوئی کلیہ قائم کرتے اور وہ ذریعہ تھا انسانی معاشرے کا مشاہدہ چنانچہ اب بات یہاں آ

کر شہری کے سومیری اہل خرد کسی مرئی چیز اور واقعہ سے کسی غیر مرئی شے اور وقوعے کے متعلق استدلال کیا کرتے تھے' وہ برابر دیکھ رہے تھے کہ تمام قابل تصور اور نظر آنے والی چیزوں اور اداروں مثلاً ملکوں' شہروں' مندروں' کھیتوں' چراگاہوں' مویشیوں' اناجوں اور اوزاروں کی رکھوالی اور محاسبہ مختلف انسان کرتے ہیں' اگر یوں نہ ہوتا تو ملکوں اور شہروں میں ویرانی کی خاک اڑنے لگتی' مندر اور محلات کھنڈر بن جاتے' کھیتوں اور مرغزاروں پر بیابان اور صحرا چڑھ دوڑتے' ان سب مشاہدوں سے سومیریوں نے یہ منطقی نتیجہ نکالا کہ کائنات اور اس کے متنوع مظاہر کا بھی اسی طرح کنٹرول اور دیکھ بھال ہوتی ہے' اس کی نگرانی اور نظم و ضبط کا ذمہ دار کون تھا؟ کائنات بحیثیت مجموعی اس خطے سے کہیں زیادہ وسیع و عریض تھی' جس میں انسان بستا تھا۔ اس لیے انہوں نے ایسی مافوق الفطرت ہستیوں کا تصور پیش کیا جو لازمی طور پر انسانوں سے ناقابل قیاس حد تک مضبوط' بااثر اور مقتدر تھیں' اور ان کا لافانی ہونا انتہائی ضروری تھا' اگر وہ امر نہ ہوتیں تو ان کی موت پر کائنات منتشر اور دنیا ختم ہو جاتی (یہی سب باتیں بابلیوں کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہیں) ان مذکورہ انسان نما فوق العادات' غیر محسوس اور ابدی ہستیوں کو سومیری "سومیری دنگر" کہتے تھے اور "دن گر" کے معنی ہیں دیوتا۔

انسان کی تخلیق کے متعلق بابلی اور عبرانی نظریات میں واضح فرق ہے' بابلی روایت کی رو سے انسان "کنگو" دیوتا کے خون سے بنایا گیا تھا' جو خود بھی تھا تو دیوتا ہی' مگر دیوتاؤں کا باغی' انتہائی فتنہ جو اور مفسد' بابلیوں کے خیال میں انسان کی تخلیق اس وجہ سے ہوئی کہ وہ دیوتاؤں کی خدمت کرے اور انہیں فکر معاش سے آزاد کر دے' لیکن بائبل کی رو سے انسان مٹی سے پیدا کیا گیا تھا' اور مقصد یہ تھا کہ انسان تمام جانوروں پر حکومت کرے' سومیریوں کا نظریہ تھا کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی' اور خالق کی نیت یہی تھی کہ انسان نہ صرف دیوتاؤں کی خدمت بجا لائے بلکہ ان کے لیے کمائے اور انہیں محنت و مشقت کی زندگی سے چھٹکارا دلائے اور ایک سومیری کہانی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ دو دیوتاؤں کے خون سے بھی تخلیق انسانی ہوئی تھی۔

ایک سومیری منظوم کہانی کو مویشی اور اناج کا نام دیا گیا ہے' اس کی اہمیت خاص طور پر اس لیے ہے کہ اس میں تخلیق انسانی کا ذکر ہے' اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس ضرورت

کے تحت انسان کو پیدا کیا گیا تھا' اس کہانی کے خاص کردار مویشیوں کے دیوتا لہار (لاہار) اور اس کی خوبصورت اور فیاض بہن اشنن دیوی ہیں' یہ دونوں دیوتاؤں کے "حجرۂ تخلیق" میں پیدا ہوئے تاکہ انو دیوتا کے بچوں اور معتقدین یعنی انوناکی کو کھانے کے لیے خوراک اور پہننے کے لیے کپڑے مل سکیں لیکن انوناکی عدم واقفیت کی بنا پر مویشیوں اور اناج سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکے اور بھوکے رہتے تھے' چنانچہ ان کو آرام پہنچانے' خدمت کرنے اور ضروریات بجا لانے کے لیے انسان کی تخلیق کی گئی۔ مندرجہ ذیل ترجمہ تقریباً لفظی ہے۔

"زمین اور آسمان کے پہاڑ پر انو دیوتا نے انوناکی کو پیدا کیا (اس وقت) اشنن اور اتو کا نام پیدا نہیں کیا گیا تھا اتو دیوی کے لیے (مندر کا) مقدس احاطہ نہیں بنا تھا۔ کوئی بھیڑ نہ تھی' نہ بھیڑ نے کوئی میمنا جنا تھا۔ کوئی بکری نہ تھی اور بکری سے کوئی لیلا پیدا نہیں ہوا تھا۔ بھیڑ نے اپنے دو اور بکری نے اپنے تین بچوں کو جنم دیا تھا' انوناکی عظیم دیوتا' زیرک اشنن اور لہار کے ناموں سے آگاہ نہ تھے' تمیں دنوں کا شش اناج اور چالیس دونوں کا شش اناج موجود نہ تھا' اتو دیوی پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن روئیدگی کا سر نہیں ابھرا تھا۔ بادشا... پیدا نہیں ہوا تھا' میدانوں کا دیوتا سموگن آگے نہیں آیا تھا' جب پہلے پہل انوناکی پیدا ہوئے' تو وہ نوع انسانی کے برعکس نہ تو روٹی کھانا جانتے تھے اور نہ کپڑے پہننا۔ وہ بھیڑوں کی طرح پودے کھاتے اور کھائی سے پانی پیا کرتے...... ان دونوں دیوتاؤں کے حجرۂ تخلیق میں ان کے گھر دل لگ میں لہار اور اشنن کو پیدا کیا گیا' لہار اور اشنن کی پیداوار انوناکی کھاتے مگر سیر نہ ہوتے تھے' بھیڑوں کے پاکیزہ باڑے میں انوناکی خوش ذائقہ شم دودھ پیتے لیکن سیری نہیں ہوتی تھی' ان پاک اور اچھے باڑوں کی خاطر انسان کو سانس بخشا گیا۔"

انسان کی تخلیق کے بعد لہار اور اشنن کو زمین پر بھیجا گیا' وہ اپنے ساتھ تمدنی برکات لے کر آئے تھے۔

"ان دنوں ان کی' ان لل سے کہتا ہے' ان لل باپ' لہار اور اشنن جنہیں دل' کُک میں پیدا کیا گیا ہے ہم دل کُک سے نیچے (زمین پر) اتار دیں۔" ان کی اور ان لل کے مقدس حکم پر لہار اور اشنن دل کُک سے نیچے اترے' ان کی اور ان لل نے لہار کے لیے بھیڑ بکریوں کا باڑا بنایا۔ اس (لہار) کو انہوں نے افراط پودے اور جڑی بوٹیاں دیں' اشنن کے لیے انہوں نے ایک گھر بنایا' ہل اور (بیلوں کی گردن کا) جوا سے دیا' لہار اپنے باڑے میں' باڑے کی دولت میں اضافہ کرنے والے کی حیثیت سے اور اشنن کسی مہربان فصلوں کی طرح' فصلوں کے درمیان کھڑی تھی' وہ (بھی) فیاض تھی۔ آسمان سے نازل ہونے والی فراوانی کو لہار اور اشنن نے زمین پر پیدا کیا۔ زمین میں وہ "زندگی کا سانس" لائے' دیوتاؤں کے قوانین کو (دونوں) نے لاگو کیا۔ گوداموں کے ذخیروں میں اضافہ کیا۔ اناج سے گوداموں کو بھر دیا' غریبوں کے خاک دھول سے بھرے ہوئے گھروں میں جا کر انہوں نے خوشحالی بخشی' وہ دونوں جہاں کہیں بھی کھڑے ہوتے ہیں' اس جگہ کو معمور کر دیتے ہیں' جس جگہ وہ بیٹھتے ہیں وہاں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں' انہوں نے انو اور انلل کے دل کو مسرت عنایت کی۔"

تخلیق انسانی سے متعلق ایک سومیری کہانی ملی ہے' اکثر سومیری کہانیوں کی طرح یہ بھی پانیوں کے دیوتا ان کی' اور زمین کی دیوی نن ہر سگا کے گرد گھومتی ہے' لیکن اس میں نن ہر سگا کے بجائے اس کا وصفی نام نن مح آیا ہے۔ نن مح کے معنی ہیں "عظیم خاتون" چنانچہ زیر نظر کہانی میں اس کا یہی نام آتا رہے گا۔ اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ نمو (اولین سمندر)' دھرتی ماتا نن مح اور عقل و دانش کے دیوتا ان کی' کی مشترکہ کوششوں سے نسل انسانی وجود میں آئی۔

ان کی اور نن مح کی کہانی سے پتا چلتا ہے کہ:

"ان ابتدائی دنوں میں دیوتاؤں کو اپنی بقا کی خاطر

سارے کام خود ہی کرنا پڑتے تھے۔ سب دیوتا اور دیویاں' کدالیں اور دوسرے آلات کشاورزی استعمال کرنے پر مجبور تھے' انہیں نہریں کھودنے اور اپنی روٹی حاصل کرنے کے لیے ماتھے کا پسینہ بہانا پڑتا تھا' پر وہ اس محنت و مشقت کی زندگی سے خوش نہ تھے' اور جب دیویاں بھی پیدا ہو گئیں تو ان کا کام اور بھی مشکل ہو گیا' دیوتاؤں نے شکایت کی' انہیں توقع تھی کہ ان کی مدد کے لیے دور اندیش دیوتا ان کی کچھ نہ کچھ ضرور مدد کرے گا' مگر وہ تو ہر وقت اپنی مسہری پر پڑا خواب شیریں کے مزے لیا کرتا' آنکھ نہ کھولنے کی تو گویا اس نے قسم کھا رکھی تھی۔"

آخر اس کی ماں' تمام دیوتاؤں کو جنم دینے والی نمو دیوی دیوتاؤں کے آنسو جمع کر کے پاس لائی اور بولی:

"میرے بیٹے اپنے بستر سے اٹھ
اپنی عقل سے کوئی دانشمندانہ کام کر
دیوتاؤں کے لیے خدام پیدا کر
وہ (انسان) ان (دیوتاؤں) کے لیے دگنا پیدا کریں....."

نمو کا بیٹے کے پاس جانا بے کار نہیں گیا' اس نے اس مسئلہ پر خوب غور کیا' پھر ماں سے بولا:

"ماں جس مخلوق کا تو نے نام لیا موجود ہے
اس پر دیوتاؤں کا عکس ڈال
اپسو کے مٹی کے دل کو گوندھ
اچھے اور اعلیٰ صورت گر (اس) مٹی کو موٹا کریں گے
تو انسان کے اعضا پیدا کر
نن مح تیرے اوپر کام کرے گی۔
بناتے وقت' زچگی کی دیویاں تیرے قریب ہوں گی
ماں! اس (نومولود) کے نصیبے کا اعلان کر

نن حُرسَاگ اس پر دیوتاؤں کا عکس ڈالے گی

''یہ آدمی ہوگا''

زچگی کے وقت نن حُرسَاگ نے ننمو کی مدد کی' نن حُرسَاگ کے ساتھ زچگی کی آٹھ دیویاں بھی اس کام میں ہاتھ بٹانے کو حاضر تھیں' اس طرح ابسو کے اوپر کی' مٹی پیدا ہوئی اور اسی سے انسان کی تخلیق ہوئی' افسوس کہ اس مقام پر آکر کہانی کا بے حد اہم حصہ اتنی بری طرح ضائع ہو چکا ہے کہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس مٹی سے آخر انسان کس طریقے سے پیدا ہوا۔

◆ ○ ◆
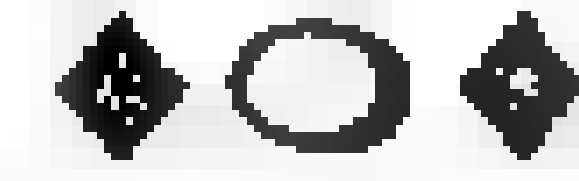
15

بابل کی ''کشر''

بابلیوں نے شخصی ابدیت کے تصور سے کوئی تسکین حاصل نہ کی۔ ان کا مذہب ارضی حیثیت میں عملی تھا۔ دعا کرتے وقت وہ آسمانی انعامات نہیں بلکہ زمینی چیزیں مانگتے تھے۔ وہ قبر میں جانے کے بعد اپنے دیوتاؤں پر اعتبار نہیں کر سکے۔ یہ درست ہے کہ ایک عبارت مردوک کو ''مردوں میں زندگی پیدا کرنے والے'' کے طور پر بیان اور ''طوفان کی کہانی'' دو زندہ بچ جانے والے انسانوں کو تاابد زندہ پیش کرتی ہے' لیکن موت کے بعد ایک اور زندگی کا بابلی تصور یونانیوں جیسا تھا۔ مردہ انسان..... ولی اور بدمعاش' جوہر کامل اور احمق سب ایک ہی طرح...... زمین کے پیٹ کے اندر تاریک اور چھاؤں دار دنیا میں جاتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی دوبارہ روشنی نہ دیکھتا۔ ایک بہشت موجود تھی' لیکن صرف دیوتاؤں کے لیے، رالو..... جہاں سب انسان جاتے تھے..... بار بار سزا کی جگہ تھی' خوشی کبھی نہیں وہاں مردہ بندھے ہوئے ہاتھوں پاؤں کے ساتھ تاابد سردی سے ٹھٹھرتا اور بھوکا پیاسا لیٹا رہتا' جب تک اس کے بچے تھوڑے عرصے کے بعد قبر میں خوراک نہ رکھ دیں۔ زمین پہ بالخصوص عیاری دکھانے والے لوگوں کو خوفناک ایذائیں ملتی تھیں۔ کوڑھ انہیں کھا جاتا یا پھر کوئی اور بیماری' جسے ارالو کے نر اور مادہ دیوتا نرگل اور الات ان کی اصلاح کے لیے لگا دیتے تھے۔

زیادہ تر نعشیں محرابوں میں دفنائی جاتیں۔ چند ایک کو جلایا جاتا اور ان کی باقیات

کو مرتبانوں میں محفوظ کر دیتے۔ نعش کی حنوط کاری نہیں کی جاتی تھی لیکن پیشہ ور نوحہ گر اسے دھو کر خوشبو لگاتے' خوبصورت لباس پہناتے' گالوں پر روغن کرتے' پلکوں کو مزید کالا بناتے' انگلیوں میں انگوٹھیاں ڈالتے اور لینن کا ایک جوڑا بھی مہیا کر دیتے تھے۔ عورت کی نعش کے ساتھ عطر کی شیشیاں' کنگھیاں' سنگھار پنسلیں اور سکارہ بھی رکھ دیا جاتا تھا تاکہ وہ اگلی دنیا میں اپنی مہک اور رنگت کی حفاظت کر سکے۔ اگر مردہ مناسب طریقے سے نہ دفنایا جائے تو وہ زندہ کو اذیت دیتا۔ اور اگر بالکل ہی دفن نہ کیا جائے تو روح کھانے کی تلاش میں رد بکاروں اور گندی نالیوں میں گشت کرتی اور سارے شہر کو کسی وبائی مرض میں مبتلا کر سکتی تھی۔ تصورات کا یہ ملغوبہ یوکلیڈ کے تصورات جیسا ہم آہنگ تو نہیں۔ لیکن سادہ لوح بابلی کو اپنے دیوتاؤں اور پروہتوں کو اچھی طرح کھلانے پلانے پر اکسانے کے لیے کافی تھا۔

کھانا اور مشروب عام چڑھاوا تھا کیونکہ ان چیزوں میں یہ فائدہ تھا کہ اگر دیوتاؤں نے ان کا پوری طرح سے استعمال نہ کیا تو یہ ضائع نہیں جائیں گی۔ بابلی قربان گاہوں پر اکثر میمنے کی قربانی دی جاتی تھی اور ایک قدیم بابلی منتر انوکھے انداز میں یہودیت اور عیسائیت کی تشبیہات کی پیش بینی کرتا ہے۔ "انسان اپنی زندگی کے بدلے میں میمنا قربان کرتا ہے۔" قربانی ایک پیچیدہ رسم تھی' جس کے لیے پروہت کی ماہرانہ خدمات درکار تھیں مقدس روایت کے تحت رسم کا ہر وظیفہ اور لفظ طے شدہ تھا اور ان سے کوئی بھی ناچیز انحراف کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ دیوتا سے بغیر کھا رہے ہیں۔ بحیثیت مجموعی اہل بابل کے لیے مذہب کا مطلب اچھی زندگی کے بجائے درست انداز میں رسم کی ادائیگی کرنا تھا۔ دیوتاؤں کے سامنے اپنا فرض ادا کرنے کے لیے معبدوں کو موزوں قربانی کی نذر کرنا اور مناسب دعاؤں کا ورد کرنا پڑتا تھا۔ آسمان کو خفا کیے بغیر وہ اپنے شکست خوردہ دشمن کی آنکھیں نکال سکتا تھا اور قیدیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ اور باقی جسم بھٹی میں زندہ بھون سکتا تھا۔ ان جیسے طویل اور مذہبی جلوسوں میں حصہ لینا (تعظیم کے ساتھ شامل ہونا) جن میں پروہت مردوک کی شبیہ ایک عبادت گاہ سے دوسری تک لے جاتے ہیں اور ان کی موت اور حیات نو کا مقدس ناٹک کھیلتے تھے' اصنام کو خوشبودار تیلوں سے تر کرنا' ان کے سامنے لوبان جلانا' انہیں امیرانہ پوشاکیں پہنانا' دیوتاؤں کے ساتھ کھانا اور مشروب رکھنا اور پروہتوں کے ساتھ فیاضی برتنا۔۔۔۔ پارسا تقی بابلی روح کے لیے یہ بنیادی کام تھے۔

اہل بابل کی چند عمدہ ترین ادبی تحریریں وہ مناجات ہیں جو ایک عمیق اور مخلص پارسائی میں سانس لیتی ہیں۔ مغرور نبوکد نضر کو عاجزی کے ساتھ مردوک سے مخاطب ہوتے سنیں:

اے مالک' تیرے بغیر کیا ہست ہو سکتا تھا؟
کیونکہ بادشاہ تیرا پیارا ہے تو اس کا نام پکارتا ہے۔
تو جیسے چاہے گا اس کے رتبے میں برکت دے گا'
اور اس پر ایک بلاواسطہ راہ کی عنایت کرتا ہے۔
میں تیرا مطیع بادشاہ'
وہی ہوں جیسا تیرے ہاتھوں نے مجھے بنایا ہے'
تو میرا خالق ہے'
تو نے مجھے انسانوں کی جمعیتوں پر حکومت سونپی'
اپنی رحمدلی کے مطابق' مالک......
اپنی دہشت ناک قوت کو محبت بھری مہربانی میں بدل'
اور میرے دل میں
اپنی الوہیت کے لیے تعظیم پیدا کر
اپنے خیال کے مطابق بہترین عطا کر

بابلی تصور گناہ نے ان فریادوں اور آہوں کو زیادہ خلوص عطا کیا۔ گناہ روح کی محض نظری حالت ہی نہیں تھا۔ بیماری کی طرح گناہ بھی جسم پر کسی شیطان کا تسلط تھا جو اسے تباہ کر سکتا تھا۔ دعا شیطان کے خلاف ایک منتر جیسی تھی جو اس جادوئی قوتوں کے سمندر سے نکل انسان پر قابض ہو جاتا تھا' جس میں قدیم مشرق زندہ اور متحرک تھا۔ بابلی نکتہ نظر کی رو سے یہ غارتگر شیطان ہر کہیں گھات لگائے بیٹھے تھے۔ وہ درزوں میں چھپے تھے' دروازوں یا حتیٰ کہ چٹخنیوں اور جوڑوں میں سے اندر سرک آتے۔ اور جب بھی کوئی گناہ لمحہ بھر کے لیے بھی دیوتاؤں کی مہربان سرپرستی سے نکلتا تو وہ شیطان کسی بیماری یا پاگل پن کی صورت میں اپنے شکار پر جھپٹ پڑتے۔ وہ بوڑھے' اپاہج اور سب سے بڑھ کر عورتیں بھی' محض ایک بری

نگاہ کے ساتھ ان انسانوں کے جسم میں تخریبی روح داخل کرنے کی قوت رکھتی تھیں۔ جن کے وہ خلاف ہوں۔ ان شیطانوں کے خلاف جزوی تحفظ تو جادوئی منتروں' طلسماتوں اور تعویذوں سے مہیا ہوتا تھا۔ جسم پر دیوتاؤں کی شبیہیں بنانا' شیطانوں کو ڈرا کر بھگانے کے لیے عموماً کافی ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کی مالا یا زنجیر بنا کر گردن میں لٹکا لینا خصوصاً موثر تھا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری تھا کہ خوش قسمتی کے ساتھ موزونیت رکھنے والے پتھر لیے جائیں اور دھاگہ پیش نظر مقصد کے مطابق سفید' کالا یا سرخ ہو۔ کنوارے بچوں کو بنا ہوا دھاگہ بالخصوص طاقتور تھا۔ لیکن ان ذرائع کے علاوہ پرجوش منتروں اور جادوئی رسم کے ذریعہ شیطان کی جھاڑ پھونک کرنا بھی دانشمندی تھی...... مثلاً مقدس دریاؤں دجلہ و فرات کے پانی سے جسم پر چھینٹے مارنا ...... یا پھر شیطان کی ایک شبیہ بنا کر اسے کشتی میں رکھنے کے بعد موزوں منتر کے ساتھ پانی میں بھیجا جا سکتا تھا۔ اگر کشتی کو اوندھا کیا جا سکے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ مناسب منتر کے ساتھ شیطان کو اپنے انسانی شکار کا جسم چھوڑنے اور جانور (پرندہ' سور یا عموماً مینا) کے جسم میں داخل ہونے پر مائل کیا جا سکتا تھا۔

بابل کی سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر داستان انوما الش کی ہے جس میں ہمیں روح کے بارے میں قدیم ترین اور غیر واضح تصور نظر آتا ہے۔ خیال رہے کہ قدیم تہذیبوں میں دیوتاؤں اور نیک و خبیث روحوں میں زیادہ فرق نہ تھا۔ بابلیوں کا مقبول ترین دیوتا مردوخ یا مردوک اس داستان کا ہیرو ہے۔ یہی مردوخ بابلی دیوی' دیوتاؤں کا سربراہ تھا' انوما الش کا اصل مقصد بھی مردوخ کی عظمت کے گن گانا تھا اجرام فلکی کی تخلیق اسی نے کی۔ اسی نے دنیا میں نظم و ضبط قائم کیا اور نور پیدا کیا مردوخ کے پجاریوں نے اس سے وہ کام یا کارنامے بھی منسوب کر دیئے جو اصل میں کسی وقت دوسرے دیوتاؤں سے مخصوص تھے۔ بعل اور ایا دیوتاؤں کی جگہ بھی اس نے جتھیا لی۔ انو اور دوسرے برگزیدہ دیوتاؤں نے مردوخ کی بالادستی بخوشی تسلیم کر لی مردوخ کو شروع زمانوں میں کچھ ایسی اہمیت حاصل نہ تھی۔ وہ بابل کے ان دیوتاؤں میں سے ہے جو سب سے آخر میں نمایاں پوزیشن کے مالک بنے تھے۔ اسے انوما الش کا ہیرو اور بابل کے تمام دیوتاؤں کا سردار مشہور بابلی مقنن بادشاہ حمورابی (2087\2525 ق م) کے چند صدیوں بعد جا کر بنایا ہوگا اور یہ وہ وقت تھا جب مردوخ کی حیثیت کو عوام نے تسلیم کر لیا تھا۔

انوما الش میں تخلیق کائنات کا عمل یوں بیان کیا گیا:

''جب اوپر آسمان کا نام بھی نہ رکھا گیا تھا'
اور نیچے ٹھوس دھرتی کا نام بھی نہ سوچا گیا تھا۔
جب صرف قدیم ترین اپسوان کا سرچشمہ'
اور ممو
اور غیض آلود تیامت' دونوں کی ماں'
اپنے پانیوں کو ملا کر ایک کر رہے تھے۔
جب دلدل نہ تھی'
کسی کھیت کی حد بندی نہ ہوئی تھی'
کوئی زمین نظر نہ آتی تھی۔
جب ابھی کوئی بھی دیوتا پیدا نہ ہوا تھا
کسی (دیوتا) کا نام بھی نہ رکھا گیا تھا
کسی کا نصیبہ مقرر نہ ہوا تھا
پھر دیوتاؤں نے جنم لیا۔

یہاں بابلیوں نے کائنات کی ابتدائی کیفیت پیش کی ہے۔ گو اصل عبارت بڑی مختصر ہے۔ تاہم اس سے اتنی بات ضرور نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ بابلی موجودات عالم کے آغاز یا ابتدا کے متعلق کیا نظریہ رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے پہلا عنصر پانی تھا' شروع میں ہر طرف پانی موجیں مار رہا تھا۔ اس وقت کھاری اور میٹھے پانی ایک لامحدود اور بے کنار اور اتھاہ سلسلے کی آغوش میں مربوط تھے اس لیے الگ الگ سمندروں' دریاؤں اور جھیلوں کا کہیں پتا نہ تھا' دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے' اور سمندروں کا کھاری' چنانچہ بابلیوں کے نزدیک سمندروں اور دریاؤں کی غیر موجودگی میں شیریں اور نمکین پانی الگ نہ ہو سکتے تھے' سمندروں اور دریاؤں کا عدم وجود بھی شاید ان کے خیال میں مذکورہ پانیوں کے خلط ملط ہونے کا ثبوت قرار پاتا ہوگا' پانیوں پر تاریکیاں چھائی تھیں' نہ اوپر آسمان تھا اور نہ نیچے زمین۔ دلدلیں' جزیرے غرضیکہ کوئی چیز ابھی نہ بن پائی تھی' دیوتا تھے ہی نہیں اور نہ ان کی تقدیروں کا تعین ہوا تھا۔

ہر طرف ہیولٰی ہی ہیولٰی یا بے نظمی تھی اور وہ پانی تین عناصر یا بہ الفاظ دیگر تین دیوی دیوتاؤں پر مشتمل تھا' اپسو' تیامت اور ممو۔ اپسو اولین گہرائیوں کا باپ' سب کا خالق اور شیریں پانیوں کا مظہر تھا۔ اپسو کو انہوں نے عمیق یا گہراؤ کی تجسیم قرار دے لیا تھا اور سمندر یا عمق ہر چیز کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ اپسو دراصل اکادی لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے ''گہرائی' عمق'' اس کے علاوہ اس کا ایک مفہوم وہ اور بھی لیتے ہیں یعنی ''دانش گاہ'' اور یہ دانش گاہ وہ جگہ تھی جہاں اکادیوں اور بابلیوں کا محبوب دیوتا ایا (سومیریوں کا انکی) رہتا تھا' اکادی شروع شروع میں ''اپسو'' کو ایا کی ماں سمجھتے تھے گویا یہ ان کے نزدیک مونث تھی۔ وہ اسے زگارون' یا زگرون' بھی کہتے تھے' جس کا مطلب ہے' آسمان' یا ''وہ ماں' جس نے زمین و آسمان پیدا کیے۔'' اپسو کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ اکادیوں کی زمین کی دیوی تھی' لیکن اس کی مختلف صفات پر نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اپسو ہمارے ان ظاہری زمین و آسمان کا مظہر نہیں تھی بلکہ درحقیقت یہ وہ سب سے پہلی گہرائی تھی جس سے بعد میں زمین اور آسمان دونوں ہی وجود میں آئے۔ بہرحال انوما الش میں اپسو ہمارے مذکر اور تیامت کے شوہر کی حیثیت سے آتا ہے۔

اس تثلیث کا دوسرا رکن یا عنصر بے نظمی کی ''روح'' اور ''مادر کل'' تیامت تھی۔ تیامت کے معنی سمندر کے ہیں' یہ نمکین پانیوں کا سمندر تھی' یہ لفظ اشوریوں کے ہاں بھی مستعمل تھا اور بائبل میں بھی آیا ہے (پیدائش 1:2) بائبل میں اسے تاحوم لکھا گیا ہے جس کے معنی گہراؤ یا گہرائی کے ہیں اشوری اسے تہمو (گہرا سمندر) کہتے تھے اور بائبل میں بھی اس سے مراد گہرائی یا گہراؤ لی گئی ہے۔ تیامت عبرانیوں کی تاحوم کے مترادف ہے اور تاحوم اپسو کی مانند آبی گہرائی کی تجسیم ہے۔ اس طرح اپسو اور تیامت ہم معنی ہیں۔ جے ہیوٹ (J-Hovit) نے تیامت کے معنی کچھ اور ہی دیے ہیں یعنی ''ذی مخلوق کی ماں'' مت بہ معنی ماں اور تیا بہ معنی جاندار مخلوق۔ تیامت اصل میں عمق یعنی (اپسو) کا نسائی روپ ہے۔ بہت سے علماء کا خیال ہے تیامت اور اپسو کبھی ایک ہی چیز تھی یا یوں کہہ لیں کہ اکاد والے عمق کو اپسو اور بابل والے تیامت کہتے تھے لیکن انوما الش میں انہیں الگ الگ مان کر جوڑے کی حیثیت سے روشناس کرایا گیا۔ اپسو جو پہلے خود بھی مونث تھا اب آ کر تیامت کا شوہر بن گیا۔ یہ نظریہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ ان بابلیوں کا خیال تھا کہ پیدائش کا سلسلہ آگے چلانے

کے لیے میاں بیوی کا ہونا ضروری ہے اور اس لیے بھی کہ چونکہ انوما الش میں حق و باطل کی کشمکش یا جنگ ہے چنانچہ بابلیوں کے لیے لازمی تھا کہ وہ تیامت کو کسی کا شریک کار دکھاتے' جو (تیامت) بعد میں باطل کی سب سے بڑی قوت یا علامت بن گئی تھی چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے قدیم دیوی اپسو ہی کو تیامت کا شوہر بنا دیا۔ اس کے علاوہ ان دونوں کو میاں بیوی کی حیثیت سے پیش کرنے کی سب سے بڑی وجہ بابلیوں کا وہ نظریہ تھا جس کے تحت وہ ہر حرکت یا عمل اور کائنات کی ''زیست'' سے متعلقہ ہر چیز کے لیے مذکر اور مونث کا ہونا ضروری خیال کرتے تھے۔ عراقی تیامت کو عام طور پر ایک بہت ہی بڑی اور کریہہ المنظر صورت میں دکھاتے تھے۔ قدیم اور جدید عہد ناموں (بائبل) میں ''تاحوم'' سے متعلقہ جو تخیل ملتا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے' جیسا کہ بابلیوں کا تیامت کے بارے میں تھا۔ بائبل میں رہب' لیویاتان اور یوحنا عارف کا مکاشفہ (عہد نامہ جدید) میں لال اژدھے کا ذکر موجود ہے۔ ان کے متعلق بائبل میں جو نظریات اور عقیدے آئے ہیں وہ قریباً وہی ہیں جو عراق میں تیامت سے پھوٹے تھے۔

تیسرا ممو تیامت اور اپسو کا بیٹا تھا' محققین ابھی تک یہ نہیں طے کر پائے کہ ممو کس چیز کی نمائندگی کرتا تھا' چونکہ یہ ''بابائے کل'' اپسو اور ''مادر کل'' تیامت کا بیٹا تھا اس لیے بہت ممکن ہے کہ بابلی ممو سے مراد وہ بادل اور کہر لیتے ہوں جو آبی اور ہیولٰی یا بے نظمی سے اٹھتی رہتی تھی۔

انوما الش کے مذکورہ بالا ٹکڑے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بابلیوں کی نظر میں کائنات کے اولین اجداد ملے جلے پانی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مقام ایسا ہے جہاں بڑے پیمانے پر کھاری اور میٹھا پانی ایک دوسرے سے ملتا رہتا ہے اور یہ وہ جگہ تھی جہاں نمکین پانی کی خلیج فارس اور اس کے ساتھ ہی جنوبی بابل کے میٹھے پانیوں کی فراخ اور وسیع جھیلیں اور دلدلیں تھیں اور یہ دلدلیں فرات اور دجلہ کے شیریں پانیوں سے بنی تھیں۔ مدوجزر کے باعث ان جھیلوں اور دلدلوں میں قریباً روزانہ ہی زبردست اتھل پتھل مچی رہتی تھی' شاید یہی تلاطم خیزیاں بابلیوں کو سوچنے پر مجبور کر گئیں کہ سمندر میں کوئی بڑا عفریت رہتا ہے۔ اس آبی اتار چڑھاؤ کا باعث وہی ہے' اسی دیو یا شیطان صفت ''عفر'' کو بابل والے تیامت ماننے لگے موجودہ بصرہ (عراق) کے عرب کے ذہن میں اسی عفریت یا یوں کہہ لیجیے کہ

قیامت کا آج بھی مبہم سا تصور موجود ہے۔ اس سے پوچھا جائے تو کہہ اٹھے گا دھرتی تلے ایک عظیم الجثہ بیل یا جن ہے جو زلزلہ لہرا دیتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کے بابلی تصورات بصرہ کے عربوں میں ہی نہیں بلکہ مختلف ملکوں میں نہ جانے کب سے پھیل چکے ہیں۔ قیامت اژدھے کے روپ میں ایک ایسا ہولناک عفریت تھی جس نے دیوتاؤں اور دنیا کے امن و سکون کو درہم برہم کرنے کی پوری لیکن ناکام کوشش کی۔

دیوتا اور ابتدائی بے نظمی یعنی اپسو اور قیامت ہمعصر تھے۔ دیوتاؤں اور اپسو قیامت کے باہمی رشتے کے انوما الش میں ابہام کی وجہ یہ ہے کہ قدیم عراقی اس سلسلے میں مختلف نظریات یا عقائد رکھتے تھے چنانچہ جب ان مختلف عقائد میں مطابقت یا مصالحت ہوئی تو اس کے نتیجے میں انوما الش میں ابہام یا الجھاؤ پیدا ہوا۔ اتنا بالکل واضح ہے کہ جس وقت دیوتاؤں کا ظہور ہوا ان کی قیامت کے ساتھ ٹھن گئی اور ان کی باہمی کشمکش یا لڑائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے نظمی اور انتشار سے ہی نظم و ضبط نمودار ہوا۔

عراق سے ایک لوح ملی ہے جس پر دیوی دیوتاؤں کے دس جوڑوں کے نام درج ہیں۔ ان میں لخمو اور لخامو' انشر اور کشر' نشر گل اور کشر گل' انشر اور نن شر' دوار اور درار۔ الالا اور (اس کی بیوی) بلیلی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کتبے یا فہرست کی رو سے لخمو اور لخامو اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن انوما الش میں لخمو اور لخامو کو جداگانہ گروہ سے منسلک بتایا گیا ہے۔ انشر اور کشر سے لخمو اور لخامو کی یہ علیحدگی اس لیے دکھائی گئی کہ انوما الش کے مرتبین بے نظمی سے نظم و ترتیب کی طرف ارتقائی کیفیت لازمی طور پر پیش کرنا چاہتے تھے اور یہ نکتہ ایسا ہے جو تکوین عالم کے بابلی نظریے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

مدتیں گزر گئیں اور پھر لخمو اور لخامو کے ملاپ سے ایک اور مقدس جوڑا عالم وجود میں آیا' یہ تھے انشر اور کشر' انشر شوہر تھا اور کشر بیوی۔ انشر ہر اس چیز کی روح تھی جو اوپر ہے اور کشر ہر اس چیز کی "روح" جو نیچے ہے۔ انشر کے معنی ہیں "وہ جو ہر شے کا اوپر احاطہ کرتا ہے۔" ان وہی مادہ ہے جو انو (دیوتا) کے نام میں بھی موجود ہے۔ ان کے معنی ہیں اونچا' بلند' آسمان اور شر یا شار کا مطلب ہے "کل۔ مجموعیت" کشر کا مفہوم ہے وہ "قوت جو نیچے کی ہر چیز کا احاطہ کرتی ہے۔" اس کے علاوہ انشر کے معنی "آسمان کا بادشاہ" اور کشر کے معنی "زمین کی ملکہ" کے بھی ہیں (ان۔ آسمان' شر یا شار۔ بادشاہ اور کی۔ زمین) انشر اور کشر

سے عراقیوں کی مراد اس مٹی سے تھی جو دریا اور سمندر کے سنگم کے آس پاس دائرے یا افق کی شکل میں دور دور تک جمی اور تہہ آب مٹی (یعنی لخمو اور لخامو) کے اوپر جمتی چلی گئی۔ اس دائرے یا انگشتری نما مٹی کے اوپر کا حصہ انشر اور نچلی پرت کشر تھی۔ اس طرح گویا عراقیوں کے خیال میں زمین اور آسمان کی تخلیق ایک ہی مٹی سے ہوئی اور بعد کے زمانوں میں آسمان اپنی موجودہ حالت میں اوپر چلا گیا۔

انوما الش میں انشر کا ذکر لخمو اور لخامو اور دیوتاؤں کی تثلیث (انو' ایا اور بعل) کے درمیان آیا ہے' انشر کا تذکرہ اس مقام پر غالباً اس لیے کیا گیا ہے کہ انوما الش میں مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس قسم کی دانستہ کوشش انوما الش میں صاف نظر آتی ہے' لیکن قدیم بابلی علما نے یہ مذہبی ہم آہنگی سمونے کی خاطر بابل کی دوسری مقبول عام کہانیوں سے مواد حاصل کیا تھا۔ اشوری قوم کا رب عظیم اشور (دیوتا) تھا اور اشوری اپنی بے پناہ عسکری کامرانیوں کے بعد ایک عرصے تک نمایاں پوزیشن کے حامل رہے ہیں چنانچہ اشوریوں کی اسی اہمیت یا یوں کہہ لیجیے کہ اشور دیوتا کے مرتبے کے پیش نظر اشور کو انوما الش میں "انشر" کے نام سے دیدہ و دانستہ ایک مخصوص مقام یا مرتبہ دیا گیا' اشور اصل میں انشر ہی تھا' اور شمالی عراقیوں یعنی اشوریوں نے اپنے دیوتا جنوب یعنی بابل والوں سے مستعار لیے تھے۔ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ تمام بابلی دیوتا اشوروں کے ہاں بھی پوجے جاتے تھے بلکہ یہ ہے کہ اشور والوں کے دیوتا بابل میں بھی موجود تھے اور یہ "بابلی الاصل" ہی تھے۔ اشور دیوتا کا اصل یا ابتدائی نام اشور نہ تھا۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اشور کا در حقیقت ایک اور نام تھا اور وہ تھا "انشر" ملک اشوریہ کے "صوتیاتی اصولوں" کی وجہ سے انشر بدل کر "اش۔ شر" بن گیا۔ اشور کے لیے جو صفاتی علامتیں استعمال کی گئی تھیں۔ ان کا مطلب بنتا ہے کہ "اچھا خدا" نہ صرف اشوریہ زبان بلکہ عبرانی میں اشر کے معنی ہیں "مہربان ہونا' فیض بخشنا' خوش اقبال بنانا۔" غرض انشر سے "اش شر" بنا اور اش شر سے اشور اور اس طرح اشور اصل میں جنوب (یعنی بابلیوں) کا دیوتا تھا۔ ہومل (Hommel) وغیرہ کا خیال ہے کہ اشور کے جنوب (یعنی بابل) میں بھی نینوا نام کی ایک اور بستی تھی' یہیں کے لوگوں نے شمال یعنی ملک اشوریہ میں جا کر اسی نام کی ایک بستی بسائی۔ یہ نو آباد شہر وہی مشہور و معروف نینوا تھا جسے بعد کے اشوری فرمانرواؤں نے اپنی سلطنت کا دار الحکومت بنایا۔

انشر کا اشتقاق بالکل اسی طرح نامعلوم ہے جیسے کہ بابل کے کئی اور دیوی دیوتاؤں مثلاً عشتار' سن اور مردوخ وغیرہ کی اشتقاقیات کا کچھ پتا نہیں چل رہا' انشر اور کشر قدیم دیوتاؤں میں سے تھے اور یہ پرانے دیوتا بعد میں آنے والے دیوتاؤں مثلاً انو' بعل اور ایا وغیرہ کے پیشرو یا بزرگ تھے بابلی اور اشوری دیومالا میں کشر کی کوئی اہمیت نہ تھی' تاریخی یا مذہبی عبارتوں میں کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یوں لگتا ہے جیسے اسے بابلی علما نے انشر کی بیوی کی حیثیت سے تخلیق کر لیا ہو اور بس۔

انشر اور کشر کائنات کی تقسیم کو دو مخصوص یا بڑے واضح حصوں میں ظاہر کرتے ہیں جب ''بے نظمی'' کی تقسیم ہوئی تو گویا یہ اس کے حتمی طور پر ختم ہو جانے کی طرف پہلا قدم تھا۔ انشر اور کشر کی تخلیق دراصل اس فیصلہ کن فتح کا نکتۂ آغاز تھی جس کے نتیجے میں تیامت کا خاتمہ ہوا' انوما الش جس موجودہ شکل میں پائی جاتی ہے' اس کی رو سے انو' بعل' ایا اور تاریخی دور کے دوسرے اہم برتر دیوتاؤں کی پیدائش سے قبل تیامت اور دیوتاؤں کی اس ہولناک جنگ کا آخری فیصلہ نہ ہو سکا تھا' اس کے باوجود ذرا غور سے دیکھا جائے تو انوما الش کے عقب سے ایک ایسی قدیم تر کہانی جھانکتی نظر آتی ہے جس میں پیش کردہ لڑائی کا ہیرو انشر تھا اور اس کی مدد کو غالباً کچھ اور بھی دیوتا تھے۔

◆ ○ ◆
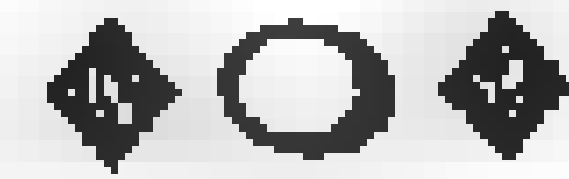
16

یونان کی ''مادی اور خیالی روح''

یونان فلسفیانہ زرخیزی کے لحاظ سے ہندوستان کا ہم پلہ اور کچھ حوالوں سے برتر بھی نظر آتا ہے۔ یونانی فلسفہ کی ابتدا اساطیر سے ہوئی جن میں تخلیق کائنات کا نظریہ مختلف انداز میں پیش کیا گیا۔ انہیں داستانوں میں ہمیں روح کا تصور ملتا ہے۔ روح پر بعد کے یونانی فلسفیوں' افلاطون' سقراط' بقراط' ذینوفون' فیثا غورث وغیرہ نے زیادہ صراحت سے بات کی۔ یونانی ہندوستانیوں کے برعکس اگلی زندگی کے بجائے اپنی موجودہ زندگی پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس لیے ان کے ہاں روح کے تصور نے زیادہ پیچیدگی حاصل نہیں کی۔

خصوصاً چھٹی صدی قبل مسیح سے پہلے یونان میں دینیات اور اساطیری خیالات کا دور دورہ تھا۔ ان خیالات پر ہومر اور بالخصوص ہیسیارڈ کی صنمیاتی کہانیوں کی گہری چھاپ تھی۔ ان اساطیر کے مطابق دیوتاؤں کے ظہور سے زمانوں پہلے ہر طرف بے شکل اور بے نظم مادہ پھیلا ہوا تھا۔ اندھیرے اور ہر سو محیط انتشار سے رات' اری بس یعنی بے پایاں گہرائی اور ہوا نے جنم لیا۔ پھر عجائب کا ایک عجوبہ ظاہر ہوا۔ اس ڈراؤنے اور بے انتہا خلا سے ایک اعلیٰ ترین چیز ''محبت'' پیدا ہوئی۔ سیاہ پروں والی شب نے ہوا سے ملاپ کر کے اری بس کے رحم میں روپہلی انڈا دیا۔ زمانوں کے بعد اس انڈے سے ''جگمگاتی محبت'' برآمد ہوئی۔ اسے اروز یعنی عشق کہتے تھے۔ یونانیوں کے مطابق یہ عشق ہی پوری زندگی کا سرچشمہ تھا' نور حیات بھی اور نور محبت بھی۔ شاید ہم ڈھیلے ڈھالے طور پر اس ''محبت'' یا

"عشق" کو ہی یونانیوں کی "روح ازل" کہہ سکتے ہیں جو ساری دنیا تخلیق کرنے کا باعث بنی۔ ہمارا مقصد صرف روح کے طے شدہ لفظ سے منسوب کردہ خیالات کے بجائے روح کے تصور کو پیش کرنا ہے۔

پھر تخلیق کے کئی مرحلوں میں زیوس (سورج دیوتا)، جانوروں، پانی، پودوں، دیوتاؤں وغیرہ کی تخلیق کے بعد انسان کی باری آئی۔ انسان کی تخلیق کے وقت ہمیں روح کا تصور زیادہ واضح طور پر مل سکتا ہے۔ تخلیق انسان کا فریضہ دیوتاؤں نے پرومیتھیس (لفظی مطلب دور اندیش) اور اس کے بھائی ایپی میتھیس (کوتاہ اندیش) کو سونپا۔ ایتھنا دیوی کی رضامندی سے پرومیتھیس نے ہی انسان تخلیق کرنے کا عزم کیا تھا۔ اس نے پیوٹیس کے مقام سے مٹی اور پانی لے کر آدمی بنایا جو جانوروں سے زیادہ خوبصورت اور معزز دیوتاؤں کی طرح سیدھا تھا۔ پھر ایتھنا دیوی نے اس میں "زندگی کا سانس" پھونک دیا۔ روح انسانی ان مقدس لیکن منتشر عناصر سے ترتیب دی گئی جو اولین تخلیقی عمل سے بچ رہے تھے۔ خلق انسان سے فارغ ہو کر پرومیتھیس آسمان پر سورج تک پہنچا اور وہاں سے آگ چرا لیا جس پر اسے ابدی سزا ملی۔ یہ "سنہری دور" کے واقعات ہیں جس میں عورت کا وجود نہیں تھا۔ دیوتاؤں نے مردوں کو سرکشی کی سزا دینے کے لیے انہیں عورت دی۔ بعض علمائے تحقیق کا خیال ہے پرومیتھیس کے انسان کو مٹی اور پانی سے بنانے اور ایتھنا کے اس میں روح پھونک دینے کی روایت یونانیوں نے بابلیوں کی داستان گل گامش سے لی ہے۔

بلاشبہ یونانی صدیوں تک سورج دیوتا زیوس کو شہنشاہ کونین مانتے رہے لیکن اس کے باوجود اکثر یونانی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ تمام دنیا کی خالق کوئی دیوی ہو گی نہ کہ دیوتا۔ یونانی کہانیوں میں ماضی کے متعلق جو کچھ تخیل پیش کیا گیا ہے اس میں بے جان مقامات اور جاندار ہستیوں یا شخصیات میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ زمین کو وہ ایک ٹھوس میدان مانتے تھے۔ یونانی کہانی کار تمام کائنات کو خود اپنی طرح ذی روح سمجھتے تھے۔ لہٰذا روح دار یا زندہ ہستیاں تخلیق کا عمل شروع ہونے سے پہلے بھی موجود تھیں۔ آیئے اب مختلف فلسفیوں کے نظریہ روح کا جائزہ لیتے ہیں۔

تھیلس کہتا ہے کہ دنیا کا ہر ذرہ جاندار ہے، مادہ اور زندگی ناقابل علیحدگی اور ایک ہیں، جانوروں اور انسانوں کے ساتھ ساتھ پودوں اور دھاتوں میں بھی ایک لافانی

روح موجود ہے۔ یہ قوت حیات شکل تو بدل لیتی ہے لیکن فنا نہیں ہوتی۔ تھیلس کہنا چاہتا تھا کہ زندہ اور مردہ کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں۔ اس سے کسی نے کہا کہ اگر وہ زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں سمجھتا تو پھر مر کیوں نہیں جاتا۔ تھیلس نے جواب دیا: "کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔" اس نے اپنے آپ کو جاننا زندگی کی اعلیٰ ترین اور نصیحت کرنا بدترین چیز قرار دیا۔ وہ روح کی طرح خدا کو بھی بے ابتدا و بے انتہا، لافانی اور لامحدود خیال کرتا تھا۔ اناکسی مانڈر کے مطابق ابتدا میں زمین سیال مائع حالت میں تھی، بیرونی حدت نے زمین کا کچھ حصہ سکھا کر زمین بنا دیا۔ زندہ اجسام پانی میں سے درجہ بدرجہ پیدا ہوئے، زمینی جانور شروع میں مچھلیاں تھے۔ کبھی انسان مچھلی تھا۔ اناکسی مانڈر کے شاگرد اناکسی مینز نے کہا کہ تمام عناصر ہوا میں پیدا ہوئے۔ روح بھی ہوا ہی ہے جو ہمیں برقرار رکھتی ہے۔ چنانچہ دنیا کی ہوا ہر جگہ موجود روح، سانس، یا خدا ہے۔ یہی خیال بعد میں یونانی فلسفہ پر غالب آ گیا اور رواقیت پر عیسائیت میں جگہ پائی۔

ہیراکلیٹس کثرت میں وحدت تلاش کرتا رہا یعنی دنیا کی بے ترتیبی اور تغیر میں ذہن کو استحکام دینے والی یگانگت اور ترتیب۔ اس نے کہا کہ "سب کچھ واحد ہے" لیکن فلسفے کا مسئلہ یہی ہے کہ "واحد" کیا ہے۔ ہیراکلیٹس نے اس کا جواب "آگ" دیا۔ شاید اس پر فارسی آگ پوجا کا اثر تھا۔ اس نے آگ ہی کو روح اور خدا قرار دیا۔ "یہ دنیا خدا اور نہ ہی کسی انسان نے بنائی، بلکہ یہ ہمیشہ سے موجود تھی، ہے اور رہے گی۔" ہر چیز آگ کی ایک صورت ہے۔ اس روح کائنات آگ کے اندر مسلسل تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ زندگی کی تمام حالتیں اسی تبدیلی کا نتیجہ ہیں۔ "زندگی اور موت ایک ہی ہیں۔ اسی طرح سونے اور جاگنے، جوانی اور بڑھاپے میں کوئی فرق نہیں۔" "آگ"، تبدیلی اور تضادات کا اتحاد ہیراکلیٹس کے نظریہ روح و خدا کی بنیاد ہیں۔ وہ چڑھاوے چڑھانے اور بتوں کے سامنے عبادت کرنے والوں پر ہنستا ہے۔ وہ انسان کی لافانیت کو مسترد کرتا ہے۔ باقی تمام چیزوں کی طرح انسان بھی تبدیلی سے بھرپور شعلہ ہے۔ پھر بھی انسان آگ ہے۔ روح یا حیات بخش عنصر تمام چیزوں میں موجود ابدی توانائی کا حصہ ہیں، لہٰذا وہ کبھی نہیں مرتا۔ ہر لمحے ہمارا کوئی حصہ مرتا ہے جبکہ "کل" زندہ رہتا ہے۔ زندگی زندہ رہتی ہے اور ہم مر جاتے ہیں۔ جس طرح روح زندگی کے غیر مختتم طور پر متغیر شعلے کی زبان ہے، اسی طرح خدا پائیدار آگ

اور دنیا کی ناقابل فنا توانائی ہے۔ المختصر ہر آدمی کی روح الگ الگ نہیں بلکہ یہ تمام ارواح ایک ہی بڑی آفاقی آگ والی روح کا حصہ ہیں۔

ایمپی ڈوکلیز کہتا ہے کہ دنیا کے وجود میں آنے کا عمل گول دائرے کی مانند ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔ اس دائرے کی حرکت میں محبت اور ہم آہنگی کی قوت استعمال ہو رہی ہے۔ وہ اس حرکت یا عمل کو یا بذات خود دائرے کو رحیم دیوتا کا نام دیتا ہے۔ ایمپی ڈوکلیز روح کے قلب ماہیت کے نظریہ کو مانتا تھا۔ اس نے ایک حیاتی محسوسات یا حسیاتی پہچان کا نظریہ بھی پیش کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حس خمسہ کے محسوس کرنے کے لیے اسی کے مطابق ایک شے ہے۔

فیثا غورث نے محسوس کیا کہ کسی بھی چیز کے اجزاء کا عددی رشتہ ہی اس کا بنیادی اور پائیدار پہلو ہے۔ غالباً صحت جسم کے مختلف حصوں یا عناصر میں ایک مناسب ریاضیاتی تعلق یا تناسب تھی۔ اور شاید روح بھی ایک ہی عدد ہی تھی۔ مصر اور مشرق قریب میں پرورش پانے والے فیثا غورث کا تصوف اس موقع پر آشکار ہوتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ روح تین حصوں میں تقسیم ہے: احساس' وجدان اور استدلال' احساس کا مرکز دل جبکہ وجدان اور استدلال کا دماغ میں ہے۔ پہلے دو حصے یعنی احساس اور وجدان انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں میں بھی ہیں' جبکہ تیسرا حصہ استدلال صرف انسانوں سے تعلق رکھتا اور لافانی ہے۔ موت کے بعد روح ہیڈز (پاتال) میں کچھ عرصہ تک رہتی ہے اور پھر دنیا پر کسی نئے جسم میں لوٹ آتی ہے۔ اور قلب ماہیت کا یہ سلسلہ صرف پاکباز زندگی گزارنے سے ہی ختم ہو سکتا ہے۔ فیثا غورث نے اپنے پیروکاروں کو یہ بتا کر محظوظ کیا کہ اس نے کبھی ایک طوائف کی صورت میں جنم لیا تھا اور پھر ایک جنگجو بن کر بھی دنیا میں رہا۔ وہ ایک مار کھائے ہوئے کتے کے چلانے کی آواز سنتے ہی فوراً اسے بچانے بھاگا اور کہا کہ اسے اس کتے میں اپنے آنجہانی دوست کی چیخیں سنائی دی ہیں۔ فیثا غورث کے یہ نظریات یونان' افریقہ اور ایشیا میں بڑھتے ہوئے فکری لین دین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

یونان میں جوہریت پسند (Atomist) مکتبہ فکر کا بانی لیوسی پس نامی شخص تھا۔ جبکہ ڈیما کریٹس نے اس مکتبہ کو شہرت دی۔ اس کا خیال تھا کہ کائنات ایٹم یا ذرات سے بنی ہوئی ہے۔ یہ ذرات محدود ہیں اور ایک دوسرے سے جدا یا الگ الگ ہیں۔ لیکن انہیں الگ

الگ کرنے کے لیے خلا موجود ہے۔ لہٰذا آفاقی حقائق دو ہیں مادی ذرات اور خلاء جوہریت پسندوں کا مزید خیال یہ تھا کہ "نظریہ مادی ذرات" (The Atomic Theory) کے تحت اگر کسی قسم کے مادے یا مادی وجود کی وضاحت ہوگی تو وہ اس مادے کی شکل' حجم اور ذرات کی حالت کے مطابق ہوگی۔ جن ذرات سے وہ مادی وجود بنے ہوئے ہیں۔ ان کا یہ نظریہ تھا کہ آگ شفاف گول ذروں کی بنی ہوئی ہے' اور یہ کہ روح آگ کی غیر معمولی طور پر شفاف صورت ہے۔ اور موت کے وقت چونکہ روح کے ذرات بکھر جاتے ہیں اس لیے روح بھی جسم کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے لہٰذا دوسری زندگی ناممکن ہے ڈیمو کریٹس نے ایک ادراک کا نظریہ بھی پیش کیا (Theory of Perception) جس کے مطابق' مادی اشیا اپنے تصورات یا پرچھائیوں (Images) کو خلا میں آگے بڑھاتے تھے اور یہ Images یعنی تصوراتی عکس یا پرچھائیاں انسانوں کے حواس خمسہ سے ٹکراتے تھے اور یہ عمل اس طرح تھا جیسے ایک ایٹم اپنے جیسے دوسرے ایٹمز کی طرف جاتے تھے۔

بقول ڈیما کریٹس یہ خیال اس حالت میں درست ہے جب روح پوری طرح مطمئن ہو۔ اس کا یہ خیال بھی تھا کہ اشیاء کی حسی صفات' جیسا کہ بو' ذائقہ' رنگ وغیرہ ان چیزوں کے اپنے اندر نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ صرف اس طریقے کا اظہار کرتے ہیں۔ جس کے ذریعے وہ انسانی حواس خمسہ سے ٹکراتے ہیں' اور یہ اس لحاظ سے ہماری طرح ہیں۔ اگرچہ ڈیما کریٹس نے بہت سے اخلاقی اصول بھی بیان کیے ہیں لیکن ان کا تعلق کسی طرح بھی ان کی اٹامک تھیوری سے نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی کوئی سائنسی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کے دنیاوی تجربات پر مبنی عام تاثرات ضرور ہیں۔ ان اخلاقی اصولوں میں سے ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان کو اپنی ذات کے اندر خوش رہنا چاہیے اور خود کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ دراصل مندرجہ بالا نصیحت قناعت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو اپنی قسمت کے لکھے پر قناعت کرنی چاہیے۔ اس کا خیال تھا کہ اصل خوشی دولت کے باعث نہیں بلکہ دل و دماغ یا روحانی قناعت کے باعث حاصل ہوتی ہے۔

وہ سکون قلب اور روحانی مسرت کے لیے دعا کیا کرتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ دونوں چیزیں اعتدال اور سادگی سے حاصل ہوتی ہیں۔

افلاطون کے فلسفیانہ نظام کی تشکیل میں پارمینائیڈز' ہیراکلیٹس اور سقراط کے

خیالات ونظریات کی کارفرمائی نمایاں ہے۔ ویسے تو افلاطون نے اپنے ہمہ گیر فلسفیانہ نظام کی تشکیل کے لیے اپنے سے پہلے کے بہت سے فلاسفہ کے خیالات سے استفادہ کیا لیکن اس کے ہمہ گیر نظام کی تشکیل میں پارمینائیڈز اور سقراط کے خیالات ونظریات کا حصہ غالب ہے پھر ان دونوں میں سے بھی افلاطون سقراط سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔

اس کی ایک مناسب وجہ یہ نظر آتی ہے۔ سوفسطائیوں کی آمد سے پہلے تک سارا فلسفہ کائنات اور مادی دنیا کی مادی اشیاء کے وجود میں آنے اور پھر مٹ جانے کے راز کو معلوم کرنے لینے کی ایک سائنسی جستجو پر مشتمل ہے۔ انسان کی اپنی ذات اور انسان کی سماجی نفسیات' انسان کا ضمیر اور انسان کے سماجی مسائل اور ان کا کوئی مناسب حل تلاش کرنا۔ فلسفے کا یہ سماجی رخ سوفسٹس کی آمد سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن ایک منفی انداز کی خودغرضی سوفسٹس کے نظریات کی نمایاں صفت بن کر ان کے سارے نظریات اور افکار پر چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ پھر انسانی نفسیات کی الجھی گرہوں کو کھولنے اور انسان کے سماجی مسائل کو حل کرنے کے لیے مثبت انداز فکر کی ابتدا سقراط سے ہوئی۔ اور افلاطون سقراط کا ایک قریبی ساتھی اور شاگرد تھا۔ لہٰذا افلاطون کے ہمہ گیر فلسفیانہ نظام میں سقراط کے خیالات کا عنصر غالب ہے۔

افلاطون ایک "خالق" یعنی "Supreme Creator" کا ذکر کرتا ہے جو' پوری کائنات کو چلاتا ہے اور اس کا حکمران ہے۔ اور جو تمام انسانوں کی زندگیوں کی رکھوالی کرتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس خالق کا دوسرے تمام تصورات سے کیا تعلق ہے؟ خاص طور پر خدا کے تصور کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ ور اگر خدا اس سب سے بڑے تصور سے الگ ہے تو کیا خدا اس بڑے ترین تصور کی 'علت' یعنی اسے پیدا کرنے والا ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر تصور کی اپنی اہمیت جو اس نظام کے تحت ہے وہ ختم ہو جاتی ہے بلکہ افلاطون کا پورا تصوراتی نظام تباہ ہوتا ہے۔ کیونکہ افلاطون تو یہی کہتا ہے کہ کسی چیز کی حقیقت اس چیز کے اپنے وجود میں نہیں بلکہ اس کے تصور میں پنہاں ہے۔ اور یہ کہ 'تصور' ایک حتمی یا اصل حقیقت ہے۔ افلاطون کے اصول کے مطابق تو خدا کے ہونے کی وجہ خود خدا نہیں بلکہ خدا کا تصور ہے۔ لیکن افلاطون خود بھی اس فلسفے کو بیان نہیں کر پاتا اور چھوڑ دیتا ہے۔

افلاطون نے اپنے ڈائیلاگ "سمپوزیم" میں اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ دوسری

تمام اخلاقی یا روحانی معروفیات فلسفے ہی کے تحت عمل پذیر ہو سکتی ہیں دوسرے لفظوں میں فلسفہ ہی سب سے بڑا روحانی عمل یا معروفیت ہے "Sp.ritual activity" ہے۔ اور اس ساری بحث کو "ڈوکٹرین آف ایروس یا لو" کے تحت بیان کیا ہے "Doctrine of Eros or Love" افلاطون کا یہ نظریہ ہے کہ محبت کا تعلق ہمیشہ خوبصورتی سے ہے۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ کسی جسمانی شکل میں پیدائش سے پہلے انسانی روح' جسم کے بغیر یا بے جسم حالت میں تھی اور تصورات یا خیالات کی دنیا میں رہتے ہوئے گہری اور خالص فکر یا سوچ بچار کے عالم میں تھی۔ لیکن جونہی اس نے انسانی جسم میں دخول کیا تو وہ حواس خمسہ کے جہان میں ڈوب گئی یا مدغم ہو گئی۔ اور اس طرح وہ تصورات یا خیالات کے اس جہان کو بھلا بیٹھی جہاں وہ انسانی جسم میں دخول سے پہلے رہتی تھی۔ اور یہاں "یعنی حواس خمسہ کے جہاں میں وہ جب کسی خوبصورت چیز کو دیکھتی ہے تو اسے خوبصورتی کے اس ایک تصور کی یاد آتی ہے جو خیالات کی دنیا میں تھا۔ اور جب روح ایک کے بعد دوسرے خوبصورت چیز کو دیکھتی ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تو اسی خوبصورتی کے ایک خاص تصور والی خوبصورتی ہے جو اپنے آپ کو ان خوبصورت چیزوں میں پیش کر رہی ہے۔ اور خوبصورتی کے علاوہ بدصورتی کا تصور بھی تھا۔ اور دنیا کی بدصورت چیزوں میں اس بدصورتی کے تصور کی بدصورتی جھلکتی ہے۔

روح ایک خوبصورت چیز سے محبت کے جذبہ سے آشنا ہو جاتی ہے تو پھر وہ دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ پھر وہ خوبصورت اجسام سے آگے بڑھ کے خوبصورت ارواح کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور آخرکار وہ خوبصورت علوم کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اس طرح روح' خوبصورت چیزوں کو دیکھ اور پرکھ لینے کے بعد آگے بڑھتے ہوئے' خوبصورتی کے ایک تصور کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور اب روح کی محبت کا مرکز' خوبصورت چیزیں نہیں بلکہ اصل خوبصورتی کے ایک تصور کا علم یا فہم وادراک قرار پاتا ہے۔ اور اس ایک تصور کے فہم وادراک کے بعد اس کی جستجو یہ ہوتی ہے کہ وہ تصورات یا خیالات کے پورے نظام کو سمجھے۔ اور اس طرح وہ فلسفہ کے جہان میں داخل ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ "روح" اصل میں ہے کیا چیز؟ افلاطون اس کا تفصیلاً جواب دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی روح اپنی بھی قسم میں دنیا کی روح سے ملتی جلتی ہے۔ اور یہی انسانی جسم

میں حرکت کی وجہ ہے' اور اسی میں انسان کا عقلی استدلال ''Reason'' پنہاں ہے۔ انسانی روح کا تعلق آفاقی تصورات کے جہان سے بھی ہے اور حواس خمسہ کے جہان سے بھی۔ یہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اور دونوں حصوں میں سے ایک حصہ پھر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ اوپر والا حصہ عقلی استدلال والا ہے جو آفاقی تصورات کے جہان کا ادراک کرتا ہے یہ بناوٹ میں سادہ اور نا قابل تقسیم ہے۔ اور چیزوں کا تباہ ہونا دراصل ان کے اجزا کا بکھر جانا ہے لیکن روح کا عقلی استدلال والا حصہ چونکہ بناوٹ میں سادہ ہے لہٰذا اس کے حصے نہیں ہیں۔ اس لیے یہ فنا نہیں ہو سکتا' لہٰذا یہ غیر فانی ہے۔ جبکہ روح کے غیر استدلالی حصے فانی ہیں اور یہ اچھے اور برے میں تقسیم ہیں۔ جو اچھے حصے ہیں ان سے بہادری' عزت داری سے محبت اور اسی قسم کے نیک اور اچھے جذبات کا تعلق ہے۔ جبکہ برے حصے سے حیاتی بھوک کا تعلق ہے۔''Sensuous appetities'' اور چونکہ اچھے حصے میں تھوڑا سا عقلی استدلال ہے لہٰذا اس میں اچھی اور عظیم جذبوں کی پہچان ہے۔

افلاطون روح کے عقلی استدلال والے حصے کے غیر فانی ہونے کے نظریے کو ''فلسفہ یادداشت'' ''Doctrine of Recollection'' سے منسلک کرتا ہے۔ اس فلسفہ یادداشت کا مطلب یہ ہے' کہ تمام علم اسی علم کو دوبارہ یاد کرنے کے مترادف ہے جس کا تجربہ روح کو آفاقی تصورات کے جہان میں اس وقت ہوا جب وہاں جسم کے بغیر رہ رہی تھی۔ یعنی روح نے جسم میں دخول سے پہلے آفاقی تصورات کے جہان میں جو باتیں یا چیزیں دیکھیں یا جن کا تجربہ کیا وہ ان کو جسم میں دخول کے وقت اپنے ساتھ لائی۔ لہٰذا روح اور جسم کے دخول کے بعد آہستہ آہستہ ان تمام تجربات کو یاد کرتی ہے اور یہی علم کی اصل صورت ہے۔ لیکن روح کے ساتھ آنے والا علم حواس خمسہ کے جہاں کی معمولی باتوں کا علم نہیں بلکہ یہ عقلی استدلال ہے جو آفاقی تصورات کے ادراک سے مماثل ہے۔

اس تھیوری کے مطالعہ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ یہ ہندوؤں کے دوسرے جنم کے نظریے سے بالکل مختلف ہے۔ جس کے مطابق آدمی کے مرجانے کے بعد اس آدمی کی روح کسی اور بچے کی شکل میں جنم لیتی ہے۔ اور جب وہ بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو اس کی یا اس کی روح کو اپنے پہلے جنم یا زندگی میں گزرے ہوئے واقعات بھی کچھ کچھ یاد آتے ہیں کہ پچھلے جنم میں فلاں تھا یا فلاں کا بیٹا تھا اور فلاں جگہ رہتا تھا وغیرہ وغیرہ۔

کیونکہ افلاطون کی بیان کردہ روح اپنے پہلے جنم کی باتوں کی یادداشت نہیں رکھتی بلکہ اس روح کے پاس ان باتوں یا تجربات کی یادداشتیں ہیں جو اس نے آفاقی تصورات کی دنیا میں اس وقت دیکھے جب وہ جسم میں دخول سے پہلے بے جسم حالت میں وہاں رہ رہی تھی۔

افلاطون اپنے ڈائیلاگ ''مینو'' (Meno) میں اس کی ایک مثال پیش کرتا ہے۔ اس ڈائیلاگ میں سقراط کو ایک غلام لڑکے سے گفتگو کرتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ یہ لڑکا حتمی طور پر حساب کے علم سے ناواقف ہے اور بمشکل تمام اتنا جانتا ہے کہ مربع یا چوکور کیا ہوتا ہے۔ نقطہ یہ ہے کہ سقراط اس لڑکے کو کچھ بتاتا یا سمجھاتا نہیں۔ بلکہ بڑی چابکدستی سے اس سے سوالات پوچھتا ہے۔ سقراط صرف ایک خاص انداز میں سوالات پوچھ کر اس سے حساب اور جیومیٹری کے کچھ مسئلے حل کرواتا ہے۔ یعنی لڑکا اپنی ظاہری بے علمی کے باوجود سقراط کے سوالوں کے جوابات دیتا ہے۔ اور اس مثال سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ لڑکے نے وہ علم کسی سکول میں کسی استاد سے نہیں سیکھا بلکہ حساب اور جیومیٹری کا یہ علم اس لڑکے کی روح کے جسم میں دخول سے پہلے والی زندگی کے تجربات کی یادداشت ہے۔ افلاطون کا یہ نظریہ تھا کہ روح جو علم اپنے ساتھ لاتی ہے وہ خاص طور پر حساب اور جیومیٹری کا علم ہے۔ اور اپنی اس تھیوری میں افلاطون فیثا غورث کے ہندسوں یا اعداد کے فلسفے سے متاثر نظر آتا ہے۔

ارسطو بنیادی طور پر مادیت پسند تھا۔ اس نے روح پر اسی حوالے سے بات کی۔ وہ کہتا ہے کہ روح جسم میں کوئی اضافی یا سکونت پذیر چیز نہیں بلکہ جسم کے ساتھ ہی ہم توسیع (Co extensive) ہے۔ بذات خود اپنی پرورش' نشوونما اور زوال کا باعث بننے والا جسم ہی روح ہے۔ روح نامیاتی جسم کے وظائف کا مجموعہ ہے' یہ جسم کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو منظر آنکھ کے لیے۔ بایں ہمہ عملی پہلو بنیادی ہے۔ اعمال یا وظائف (Functions) ہی ڈھانچے (سٹرکچرز) بناتے ہیں' خواہشات اعضا کو ڈھالتی ہیں' روح جسم کی صورت گری کرتی ہے۔ ''تمام فطری اجسام روح کے اعضا ہیں۔ ایک مخصوص حوالے سے بات کی جائے تو تمام موجود چیزیں روح ہیں' کیونکہ تمام چیزیں ادراکات یا پھر خیالات ہیں۔'' ارسطو کہتا ہے کہ روح کے تین مدارج ہیں۔ غذائی' حیاتی اور منطقی' غذائی یا نشوونمائی حصے میں پودے' جانور اور انسان شریک ہیں۔ جانوروں اور انسانوں میں

حیاتی روح بھی ہے یعنی محسوس کرنے کی صلاحیت۔ اعلیٰ درجہ کے جانوروں اور انسانوں میں "منفعل منطقی" روح موجود ہے۔ صرف انسان ہی "مستعد یا فاعل منطقی" روح کا مالک ہے۔ روح کا آخری حصہ کائنات کی خالق اور منطقی قوت یعنی خدا کا حصہ ہے لہٰذا یہ لافانی بھی ہوا۔ لیکن یہ لافانیت غیر شخصی ہے۔ جسم نہیں بلکہ صرف قوت باقی بچتی ہے۔ کوئی فرد غذائی، حیاتی اور منطقی صلاحیتوں کا مرقع ہے۔ وہ تولید یا موت کے ذریعے سے ہی غیر شخصی لافانیت حاصل کرتا ہے۔ ارسطو نے کہا کہ مابعد الطبیعیات کی طرح آرٹ کا مقصد بھی چیزوں کی بنیادی لازمی صورت کو قبضہ میں کرنا ہے۔ یہ زندگی کی نقل یا نمائندہ ہے نہ کہ مشینی قسم کا نقش ثانی۔ آرٹ کسی مادے کی روح کی نقل کرتا ہے نہ کہ جسم یا خود مادے کی اور اصل جوہر کی اس بصیرت اور عکاسی کے ذریعہ بدصورت چیز بھی خوبصورت ہو سکتی ہے۔
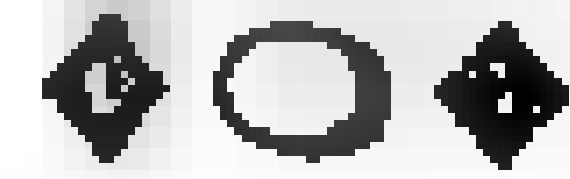
حصہ دوم

رسوم، اقوام اور تصور روح

17

ارواح پرستی' قدیم ترین مذہب

انسان کے قدیم آبا جو لنگور' چپانزی اور گوریلا کے چچیرے بھائی تھے ابتدا میں انہیں کی طرح درختوں میں بسیرا کیا کرتے تھے۔ یخ کے طویل زمانوں میں جب جنگل برفانی تودوں کی لپیٹ میں آ گئے وہ پہاڑوں کی کھوہوں میں رہنے لگے۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے دو ٹانگوں کے بل چلنا سیکھ لیا جس سے ان کے ہاتھ کام کے لیے آزاد ہو گئے اور وہ لٹھ تھام کر گھومنے پھرنے لگے لٹھ ان کے بچاؤ کا ہتھیار بن گیا اور وہ اس سے جانوروں کا شکار بھی کھیلنے لگے۔ قدیم پتھر کے زمانے ہی میں انہوں نے لکڑیاں رگڑ کر آگ سلگانے اور اسے محفوظ کرنے کا طریقہ معلوم کر لیا تھا۔ آگ کے الاؤ ان کی اندھیری راتوں کو روشن بھی کرتے تھے اور درندوں کو غار کے قریب پھٹکنے سے روکتے بھی تھے۔ لٹھ اور آگ کے استعمال سے ایک نیا حیوان وجود میں آیا جسے نیم انسان کہا جاتا ہے۔ نیم انسان نے قدرت کے جبر کو توڑ کر رکھ دیا جس سے دوسرے حیوانات آج تک آزاد نہیں ہو سکے۔ رفتہ رفتہ اس نے لٹھ کے سرے سے نوکیلا پتھر باندھ کر برچھا بنا لیا جبکہ دوسرے درندے بدستور پنجوں اور دانتوں سے کام لیتے رہے۔ اس ہنر مندی کی تہہ میں وہ تبدیلیاں کارفرما تھیں جو یخ کے زمانوں میں قدرت کے شدائد کے خلاف طویل کشمکش کرتے ہوئے اس کے مغز سر میں واقع ہوئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے مغز سر کے حجم میں اضافہ ہو گیا اور دوسرے یہ کہ مغز سر کے اس حصے میں جسے نیو کارٹکس کہتے ہیں سوچ اور خود شعوری کی صلاحیتیں بیدار ہو گئیں۔ اس جوہر ذہن کی نشو و نما نے جہاں اس کے ذہن میں عقدوں کا شعور

پیدا کیا وہاں انہیں سلجھانے کے لیے وسائل بھی فراہم کیے۔ داخلی پہلو سے دوسرے حیوانات درندے اور پرندے بدستور جبلتوں کے اسیر رہے اور آج بھی ہیں جب کہ نیم انسان کے ذہنی ارتقا نے ان جبلتوں کے تصرف کو توڑ دیا اور اپنی نئی فکری صلاحیتوں کے طفیل اس نے فطرت کے قوانین کو سمجھنے اور انہیں اپنے حق میں ڈھالنے کا آغاز کیا۔ برچھے کے استعمال' آگ کی دریافت' پہیے اور کشتی کی ایجادات اور گفتگو نے اس کے اعتماد نفس میں اضافہ کیا۔ اس نے ہڈی کی سوئی اور چمڑے کے تسمے سے کھالیں سی کر جاڑے کی ٹھنڈک سے محفوظ رہنے کا راز معلوم کر لیا اور گوشت کے ٹکڑوں کو آگ پر بھون کر زیادہ خستہ اور مزیدار بنا لیا۔ اس نے ذہنی ترقی کے باعث جہاں اپنے خارجی ماحول کے ساتھ مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی وہاں اس کی داخلی دنیا میں بھی عجیب و غریب تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ نفسیات کا ایک قانون ہے کہ انسانی ذہن سدا حرکت میں رہتا ہے۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی بات سوچتا رہتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک صحیح الدماغ شخص کا ذہن جلد ہو جامد ہو جائے یا سوچنا چھوڑ دے۔ سوچ کا یہ عمل بیداری ہی سے خاص نہیں بلکہ سوتے میں بھی جاری رہتا ہے۔ اسی کے کارن ہم خواب دیکھتے ہیں جو انسان سے خاص ہے۔ بے شک حیوانات اور پرندے بھی ذہن رکھتے ہیں لیکن خود شعوری کے نہ ہونے کے سبب وہ خواب نہیں دیکھ سکتے نہ یہ بے زبان اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں۔

ہمارے نیم انسان کو اپنے مخصوص ذہنی جوہر کے طفیل ہتھیار بنانے' خوراک ذخیرہ کرنے' تن ڈھانپنے یا کتے اور گدھے کو سدھانے میں کچھ زیادہ دقت محسوس نہیں ہوئی لیکن خواب اس کے لیے پریشانی کا باعث بن گئے ہوں گے۔ یہ بات تو ممکن نہیں تھی کہ وہ خوابوں کے بارے میں نہ سوچتا یا خوابوں کی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا چنانچہ خارجی مظاہر کے اسباب کی تلاش کے ساتھ ساتھ اس نے داخلی عالم پر بھی غور کرنا شروع کیا اور اپنی توفیق کے مطابق اسے سمجھنے کی کوشش بھی کی۔ وہ دیکھتا کہ سوتے میں اس کا جسم تو غار میں دراز ہے لیکن وہ جنگلوں میں شکار کھیلتا پھرتا ہے یا اپنے مرے ہوئے عزیزوں سے ملاقاتیں کر رہا ہے۔ اس عجیب و غریب صورت احوال کی یہی توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ اس کے اندر کوئی شے ایسی موجود ہے جو سوتے میں اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے اور جاگنے پر لوٹ آتی ہے اس کے ساتھ اس کا روزمرہ کا مشاہدہ تھا کہ اس کی زندگی کا انحصار سانس کی ڈوری پر ہے۔ جب تک یہ ڈوری باقی

ہے انسان زندہ رہتا ہے اور اس کے ٹوٹ جانے سے مر جاتا ہے۔ سانس کی اس ڈوری یا ہوا کے اس جھونکے کو ابتدا میں وہ روح سمجھتا رہا۔ چنانچہ قدیم زبانوں میں روح۔ عربی میں ہوا کا جھونکا ... کے لیے جو الفاظ مستعمل ہیں ان کے لغوی معنی ہوا کا جھونکا یا سانس ہی ہے جیسا کہ رواح (عبرانی) سائکی (یونانی) آتما (سنسکرت) اینے ما (لاطینی) کے لغوی معنی سے ظاہر ہے۔ شدہ شدہ ان الفاظ کے لغوی معنی تو سانس یا ہوا کا جھونکا ہی رہے لیکن اصطلاحی معنی بدل گئے اور روح کا اطلاق بھوت چلتی پھرتی کایا یا ہمزاد پر کرنے لگے جو انسان کی ہم شکل ہے۔ اس کی پیدائش کے ساتھ معرض وجود میں آتی ہے اور موت کے بعد کسی دوسرے پُر اسرار عالم کو چلی جاتی ہے۔ روح کے مفہوم کی یہ تبدیلی نوع انسان کی تاریخ میں بڑی انقلاب آفریں اور دوررس ثابت ہوئی کیونکہ مذاہب عالم کی بنیاد اسی تصور پر اٹھائی گئی۔

پتھر کے زمانوں کے انسان کی ذہنی اور قلبی واردات کو سمجھنے کے لیے آسٹریلیا' افریقہ' ملائشیا وغیرہ کے وحشی قبائل کے مشاہدے اور نفسیات سے رجوع لایا جاتا ہے۔ انسان کے قدیم آبا بھی آج کل کے وحشی قبائلیوں اور بچوں کی طرح حقیقت خارجی اور تخیل میں فرق روا نہیں رکھتے تھے یعنی تخیلاتی عالم ہی کو حقیقی عالم سمجھتے تھے۔ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بچے کھلونوں کو اپنے آپ پر قیاس کر کے انہیں بھی اپنی ہی طرح جیتی جاگتی اور باشعور ہستیاں مان لیتے ہیں۔ وہ اپنے کھلونوں سے باتیں کرتے ہیں' ان کا بیاہ رچاتے ہیں۔ ایک بچہ کہتا ہے "ہٹ جاؤ! میرا کتا کاٹ کھائے گا۔" دوسرا کہتا ہے "میرا گھوڑا پیاسا ہے۔ اس کے لیے پانی لاؤ۔" ایک بچی کہتی ہے "میری گڑیا تمہارے گڈے سے روٹھ گئی ہے۔ دیکھو وہ اس کی طرف پیٹھ کیے بیٹھی ہے۔" دوسری کہتی ہے "میں اپنے گڈے کے لیے مٹھائی لا رہی ہوں بے چارہ کل سے بھوکا بیٹھا ہے۔" اس طرح بچے اپنے ہی خیالات اور احساسات کو اپنے کھلونوں سے منسوب کر لیتے ہیں اور یوں اپنی تخیلاتی دنیا کو حقیقی مان لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو ذہنی بلوغت کے ساتھ ان پر تخیلاتی عالم اور حقیقی عالم کا فرق واضح ہو جاتا ہے اور وہ اپنے بچپن کے کھلونوں کو بے شعور اور بے جان مان لیتے ہیں۔ لیکن پتھر کے زمانے کا انسان ہزاروں برسوں تک ذہنی بلوغت سے نا آشنا رہا اور بعض پہلوؤں سے وہ آج بھی ذہنا نابالغ ہے۔ وہ عمر بھر اپنے تخیلات کے بسائے ہوئے عالم ہی کو حقیقی سمجھتا رہا ہمارے بچوں کی طرح وہ بھی بے جان اشیاء کو اپنے آپ پر قیاس

کر کے ذی حیات اور ذی روح خیال کرتا اور ان سے اپنے ہی جیسے احساسات و جذبات منسوب کیا کرتا تھا۔ جس سے روحوں کے "مت" کا آغاز ہوا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ دنیا کی ہر شے میں روح کا بسیرا ہے۔ سورج' چاند' دھرتی' تارے' چشمے' دریا' جھیلیں' پہاڑ' پتھر' درخت' پھل' پھول' پرندے چرندے سب ہی اس کی طرح زندہ اور ذی روح ہیں اور اسی کی طرح ایک دوسرے سے پیار یا نفرت کرتے ہیں' لڑتے جھگڑتے ہیں' کھاتے پیتے ہیں بیاہ کرتے ہیں روٹھ جاتے ہیں مان جاتے ہیں۔

قدیم انسان کے ذہن میں خارجی و داخلی یا معروضی اور نفسیاتی کا فرق بھی ناپید تھا آج کل کے وحشی قبائلیوں کی طرح اس کا بھی عقیدہ تھا کہ جو واقعات انسان کے خارج میں واقع ہوتے ہیں وہی اس کے داخل میں رونما ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ روحوں کے "مت" کی شکل پذیری دو مراحل میں ہوئی تھی۔

1۔ بے جان اشیاء سے روحیں منسوب کرنا (Animism)

2۔ ہر ذی حیات کو ذی روح سمجھنا (Animatism)

کائنات کے مظاہر اور اشیاء سے اپنی ہی طرح کی روحیں منسوب کر کے قدیم انسان نے پہلے پہل کائنات سے اپنا ذہنی اور جذباتی رشتہ جوڑنے کی کوشش کی۔ روحوں کے اس مت کے اثرات و نتائج بنی نوع انسان کے دل و دماغ پر بڑے گہرے ہوئے علم انسان کے طلبہ نے جادو' شمن مت' دیو مالا' مذہب' سریت سے لے کر لوک بات' لوک شاعری' لوک گیتوں' لوک کہانیوں اور توہمات میں ان آثار کا کھوج لگایا ہے۔ شمن اور جادوگر اپنے ٹونکوں میں ہمیشہ نیک اور بد روحوں سے مدد مانگتے رہے ہیں۔ آسمان سورج' چاند' تاروں وغیرہ پر قابو پانے کے طریقے بتاتے رہے ہیں۔ آسمان' سورج' چاند' تاروں وغیرہ میں روحوں کا بسیرا تسلیم کرنے سے دیو مالا کی تدوین عمل میں آئی۔ مذاہب عالم کی بنیاد بھی روح کی بقا کے تصور پر رکھی گئی ہے۔ صوفی اور ویدانتی انفرادی روح کو روح کل کا عضویاتی حصہ مانتے رہے ہیں اور اس میں کھو جانے کے لیے تپ جپ اور ریاضت کرتے رہے ہیں۔ شاعری کے اسالیب اور تمثیلیں اس قیاس کی تخلیق تھیں کہ آسمان' بادل' پھول اور درخت وغیرہ روح ذی حیات ہیں اس لیے شاعر ان سے قلبی رابطہ پیدا کر لیتا ہے۔

ان سب پر روحوں کے مت کے گہرے اثرات ثبت ہوئے ہیں اور انہیں روحوں کے مت کی طرح کائنات کے ساتھ انسان کے ذہنی و جذباتی رابطے کی مختلف صورتیں سمجھا جا سکتا ہے۔ فی الفور ہم ان آثار و روایات اور توہمات کو سپرد قلم کریں گے جو روحوں کے مت سے یادگار ہیں۔

عام عقیدہ یہ ہے کہ روحیں جو آدمی کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں دو قسم کی ہیں' خبیث اور سعید یا نیک اور بد' نیک روحیں آباء و اجداد کی ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنے عزیزوں کے آڑے آتی ہیں اور لوگ مشکل وقت میں ان سے رجوع لاتے ہیں۔ آباء پرستی اسی عقیدے کی پیداوار ہے۔ روم اور چین (انقلاب سے پہلے کا چین) میں خاص اہتمام سے اجداد کی روحوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ ان کے لیے خوبصورت معبد تعمیر کیا جاتے تھے۔ ان کے بتوں کے سامنے کھانے چن دیے جاتے تھے۔ رومیوں کے ہاں برے لوگوں کی روحوں کو لاروے اور نیک لوگوں کی روحوں کو مانس کہا جاتا تھا۔ وہ لاروے سے خوفزدہ رہتے تھے اور مانس کی تکریم کرتے تھے۔ منگول اور تاتار روحوں کے مسکن کو تنگری کہتے تھے اور ان کے لیے چڑھاوے لے جاتے تھے۔ وہ پروہت کے توسط سے ان روحوں سے رابطہ کرتے تھے۔

اکثر اقوام میں یہ عقیدہ موجود رہا ہے کہ خاص تقریبات پر بزرگوں یا پرکھوں کی روحیں اپنے سابقہ مسکن کو لوٹ آتی ہیں چنانچہ لذیذ کھانوں کا دسترخوان ان کے لیے بچھایا جاتا تھا۔ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ نیک لوگوں کی روحیں اپنے مزاروں میں زندہ رہتی ہیں اور اپنے عقیدت مندوں کی مشکلات دور کرنے پر قدرت رکھتی ہیں۔ اسی لیے لوگ مزاروں پر منتیں مانتے ہیں اور قیمتی چڑھاوے نذر کرتے ہیں مراد بر آنے پر یہ لوگ ان مزاروں پر جا کر چوکی بھرتے ہیں اور مت کے چاول پکوا کر بطور تبرک لے جاتے ہیں۔ بانجھ عورتیں مزار کے قریب اگے ہوئے پیڑ کی ٹہنیوں پر رنگ برنگی دھجیاں باندھ کر حصول اولاد کی خاطر منتیں مانتی ہیں۔ سندھ میں ایسے درخت کو ولی مانا جاتا ہے اور اسے ٹھکو پیر کہا جاتا ہے (ٹھکو بہ معنی دھجی) بلوچی عورتیں اسی مقصد کے لیے شاہ وساوا کے مزار پر اگے ہوئے درخت سے ہم کنار ہوتی تھیں۔ ہندو عورتیں پیپل کے درخت کو زندہ تسلیم کرتی ہیں۔ اور اولاد کی خاطر اس کا پرکما (طواف) کرتی ہیں اسی طرح تلسی' کنول' پلاس کی پوجا کی جاتی ہے۔ گویے گوالیار میں تان سین کی قبر پر اگے ہوئے املی کے درخت کے پتے چباتے ہیں تا کہ ان کا گلا سریلا ہو جائے۔

نجد میں عورتیں اولاد نرینہ کے لیے ضرار بن ازور کی قبر کے قریب اگے ہوئے پیڑ سے ہم کنار ہو کر منت مانتی تھیں چنانچہ اسے بدعت سمجھ کر محمد بن عبدالوہاب نے کٹوا دیا تھا۔

بد روحوں میں شیاطین' بھوت پریت' غول' نسناس' آل' راکھش' دیو' پری' پون' شیخ' سدو' چڑیل' ڈائن' عفریت وغیرہ کا ذکر لوک کہانیوں میں تواتر سے آتا ہے اور سادہ لوح عوام کے ساتھ بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی ان پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ کتابوں میں قلیانوس کو شیطان کا باپ بتایا گیا۔ جو سوماس بن جان کا بیٹا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شیطان کے چار ماتحت ہیں۔ ملتیہ' جاموس' ملبوط اور یوسف اور نو بیٹے ہیں۔ ذوالعبون' وسین' اوان' حفان' مرا لقیس' مزلوت' داسم اور دلجان۔ ان میں ہر ایک کے سپرد ایک کام کیا گیا ہے۔ مثلاً ذوالعبون بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے' وسین آدمی کو غم اور اندیشے دیتا ہے' اوان بادشاہوں کا درباری اور ندیم ہے۔ اور انہیں ظلم و ستم پر اکساتا ہے' حفان شرابیوں کا سرپرست ہے۔ مرا گانے بجانے والوں اور ناچنے والیوں کے پاس رہتا ہے۔ لقیس آتش پرستوں کا آقا ہے' مزلوت افواہیں پھیلاتا ہے' داسم میاں بیوی میں پھوٹ ڈالنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ ان کی اولاد بے شمار ہے۔ جو دنیا میں ہر کہیں پھیلی ہوئی ہے۔ اور لوگوں کو برائی پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔ مسلمانوں کا ایک فرقہ یزیدیہ جو ملک شام میں پایا جاتا ہے۔ شیطان کو ملک طاؤس کہتا ہے جو کوئی شیطان کو برا کہے یہ لوگ اسے جان سے مار دیتے ہیں۔

بعض شاعروں نے شیطان کو بطل جلیل یا ہیرو کا درجہ دیا ہے۔ کیونکہ اس نے ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی قبول کر لی لیکن اپنی آزادی فکر پر آنچ نہ آنے دی چنانچہ بلیک' ملٹن اور اقبال آزادی اور حفظ خودی کے باعث اسے ہیرو مانتے ہیں۔

شیطان کا تصور مجوسیت سے یادگار ہے۔ بنی اسرائیل ابتدا میں شیطان کے قائل نہیں تھے بلکہ خداوند خدا یہواہ کو خیر اور شر کا مبدء سمجھتے تھے۔ جب بنوکد نضر شاہ بابل نے یروشلم پر قبضہ کیا تو تمام بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر بابل لے گیا جہاں وہ کم و بیش اسی برس تک اسیری کی حالت میں مقیم رہے۔ اسی دوران انہوں نے بابل سے میلاد آدم' جنت عدن' طوفان نوح اور شجر حیات وغیرہ کے ساتھ شیطان کا تصور بھی مستعار لیا ہے۔

بابل کے باشندوں کے عقیدے کے مطابق جب کوئی مرد بیمار پڑتا ہے تو یہ ارواح خبیثہ یعنی شیاطین اور جنات کی کارروائی ہوتی ہے۔ یا پھر مرد بیمار کے اعمال بد یا

دشمنوں کے ٹونکوں کا اثر ہوتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہر مرض کا الگ' الگ شیطان ہوتا ہے خود مرض کبھی نہیں لگتا۔ شیاطین پر قابو پانے اور ان کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے کاہنوں کا ایک مستقل طبقہ موجود تھا جو بد ارواح پر قابو پا کر انہیں بے بس کر دیتا تھا۔ یہ کاہن مذہبی پیشوا بھی تھے اور ارواح پر ان کا تسلط تسلیم کیا جاتا تھا۔ کاہن بدروح کو اس کا نام لے کر پکارتا تھا اور پھر منتر پڑھ کر اسے بھگا دیتا تھا۔ ہمارے یہاں کے عامل' جن گیر یا سیانے انہیں بابلی کاہنوں کی اولاد معنوی ہیں۔ عالم اسلام میں یہ عقیدہ ہر کہیں موجود ہے کہ جنات امراض لگاتے ہیں اور مصائب نازل کرتے ہیں۔ جنوں کا بسیرا کھنڈروں' اجڑے ہوئے مکانوں جنگل بیابان کے درختوں' پہاڑ کی کھوہوں اور ویران باؤلیوں میں ہوتا ہے۔ الف لیلیٰ میں کئی کہانیاں ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کسی شخص نے جنگل میں سے گزرتے ہوئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر کھجوریں کھائیں اور ایک گٹھلی اس زور سے پھینکی کہ کسی جن کے بچے کی آنکھ پھوڑ دی۔ اس پر جن نے اسے پکڑ لیا یا کسی شخص نے ایک درخت کے نیچے جہاں جنوں کا مسکن تھا پیشاب کر دیا اور جنوں کا عتاب اس پر نازل ہوا۔

مغربی ممالک میں شیطان کا مت جو وسطی زمانوں میں ہر کہیں رائج تھا آج بھی اکثر شہروں میں موجود ہے اس کے ماننے والے حل مشکلات کے لیے شیطان سے رجوع لاتے ہیں۔ عارفیوں کا عقیدہ ہے کہ کائنات کی تخلیق خدا نے نہیں شیطان نے کی ہے۔ وہ یہودا اسکریوتی کو جس نے مخبری کر کے حضرت عیسیٰ کو گرفتار کروایا تھا سچا نبی مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کے سخت دشمن ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوسی فر (شیطان) نے خدا کے خلاف بغاوت کی تھی تو اچھا ہی کیا تھا۔ عارفی خدا کے بجائے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی عقیدہ وسطی زمانوں کی جادوگرنیوں کا بھی تھا۔ اور اس پر آج کے شیطان پرست قائم ہیں۔ یہ لوگ شیطان کا تصور ایک دراز قد سیاہ پوش کی صورت میں کرتے ہیں۔ جس کے سر پر سینگ ہیں' ٹانگوں پر گھنے بال ہیں' اس کی دم بھی ہے۔ اور بکرا اس کا خاص جانور ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں امریکہ اور یورپ میں حاضرات ارواح کا چکر چلا جو قدیم شمن مت سے یادگار ہے۔ شمن کا لفظ اصل میں سنسکرت کا سمن ہے۔ جس کا معنی تپسوی کا ہے۔ افریقہ' آسٹریلیا' ملائیشیا' انڈونیشیا' جزائر غرب الہند کے قبائل اور امریکی لال انڈیوں کے اپنے اپنے شمن ہوتے ہیں۔ جو بیک وقت طبیب' کاہن اور فال گیر ہوتے

ہیں۔ وہ ایک مدت کسی پہاڑ کی کھوہ یا ریگستان کی تنہائی میں گزارتے ہیں اور منتر پڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں "روحانی قوت" پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے بل پر لوگوں کے عقدے حل کرتے ہیں' بیماریوں کا علاج کرتے ہیں اور مردوں کی ارواح کو حاضر کر کے ان سے مدد مانگتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کا رابطہ روحوں سے بلاواسطہ قائم ہے۔

شمن مت کی حاضرات میں وہی عناصر پائے جاتے ہیں۔ جو مغربی روحانیت کی خصوصیات ہیں یعنی (1) بیٹھک (2) از خود رفتگی (3) واسطہ (4) روح کا حاضر ہونا (5) واسطے کی زبان سے سوالات کا جواب دینا۔

مغرب میں حاضرات ارواح کا آغاز 1847ء میں اضلاع متحدہ امریکہ سے ہوا۔ نیویارک کے نواح میں ایک بستی تھی جسے ہائڈس ول کہتے تھے۔ وہاں ایک کنبہ رہتا تھا مسٹر جے ڈی فاکس' اس کی بیوی اور دو بیٹیاں مارگریٹ اور کیٹ۔ یہ لوگ راتوں کو دستک کی آوازیں سنا کرتے تھے جنہیں وہ ارواح سے منسوب کرتے تھے۔ شدہ شدہ اس بات کا چرچا ملک بھر میں ہونے لگا جس سے حاضرات ارواح کی شروعات ہوئی اور واسطوں کے کاروبار کو فروغ ہوا۔ واسطے دو قسم کے تھے جسمانی اور ذہنی۔ جسمانی واسطے تاریک کمرے میں روح کو نورانی دھندلکے کی صورت میں دکھاتے تھے اور دستک کی آواز سناتے تھے اور دور سے اشیاء کو متحرک کرتے تھے۔ جب ذہنی واسطے ارواح سے باتیں کرواتے تھے اور ان کی زبان سے روحیں سوالوں کے جواب دیتی تھیں۔

امریکیوں نے حاضرات ارواح کا یہ ادارہ لال ہندیوں سے لیا ہے۔ لال ہندیوں کے شمن مردہ عزیزوں کی روحوں کو بلا کر ان کی ملاقات زندہ عزیزوں سے کرواتے رہے ہیں۔ امریکیوں نے لال ہندیوں کی بیٹھک اور شمن کے واسطے کو اپنا لیا۔ راتوں کو ایک خاص کمرے میں اکٹھا ہونا' حاضرین کا واسطے کی فوق الطبع قوت پر کامل اعتماد' واسطے کا اپنے آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری کر لینا اور اس عالم میں روحوں کو دکھانا' ان کی آوازیں سنوانا یا ان کے سوالوں کے جوابات پوچھنا یہ سب رسوم لال ہندیوں کے شمن مت سے لی گئی ہیں۔ البتہ ان پر سائنس کی اصطلاحات کے پردے ضرور ڈال دیئے گئے ہیں۔ قبائل شمن مت میں لوگ سعید اور شقی روحوں پر عقیدہ رکھتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے یا ان کی خوشنودی طلب کرتے تھے جبکہ حاضرات ارواح میں مردوں کی روحوں کو بلانے کے لیے

ان سے رابطہ قائم کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ قبائلی شمن مرد ہوتے ہیں جبکہ حاضرات ارواح میں عام طور پر عورتیں واسطے کا کام کرتی ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر حاضرات ارواح کو قدیم شمن مت ہی کی بدلی ہوئی صورت کہا جا سکتا ہے۔

بھوت پریت پر عقیدہ رکھنا عالمگیر توہمات میں سے ہے۔ یہ بدارواح ہیں جو انسان کے در پے آزار رہتی ہیں۔ بعض زبانوں میں روح اور بھوت کے لیے ایک ہی لفظ پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھوتوں کا بسیرا ویرانوں میں ہوتا ہے۔ لیکن راتوں کو یہ بستیوں کا رخ کرتے ہیں۔ وہ دن کی روشنی سے خائف ہوتے ہیں۔ اس لیے رات کے اندھیرے میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو ناحق قتل کر دیا جائے ان کی روحیں بھوت بن کر جائے واردات کے قریب منڈلاتی رہتی ہیں۔ لوک کہانیوں اور رومانی قصوں میں بھوتوں کا ذکر اکثر ملتا ہے۔ شیکسپیر کے ناٹک میکبتھ میں بنکو کا بھوت اس کی معروف مثال ہے۔ اسی طرح ہیملٹ کا مقتول باپ بھوت کی شکل میں اپنے بیٹے کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور اسے اپنے چچا سے انتقام لینے پر اکساتا ہے۔ کھنڈر اور اجڑی ہوئی حویلیاں بھوتوں کے مسکن بن جاتی ہیں جیسا کہ فارسی والے کہتے ہیں خانہ خالی را دیو می گیرد۔ کئی لوگوں نے بھوتوں کو دیکھنے اور ان سے باتیں کرنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ ان کے بصری واہمے تھے۔ ہندوؤں کے ہاں عقیدہ ہے کہ جس شخص کی موت کے بعد شرادھ کی رسم ادا نہ کی جائے اس کی آتما بھوت بن کر گھر کے قریب منڈلاتی رہتی ہے۔ شرادھ کی تقریب پر گھی' شکر' شہد وغیرہ سے بنایا ہوا ایک بڑا سا لڈو برہمنوں کو کھلایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہتا ہے۔ تب کہیں آتما کو چین ملتا ہے۔ جب کسی ہندو کی پتنی مر جائے اور وہ دوبارہ بیاہ کرے تو پہلی عورت کا پریت دوسری پتنی کو ستانے لگتا ہے۔ اس سے بچاؤ کے لیے دوسری پتنی پہلی پتنی کا ایک چھوٹا سا ٹھپا کسی دھات کا بنوا کر اپنے گلے میں لٹکا لیتی ہے۔ جب کبھی وہ کھانا کھانے بیٹھتی ہے تو پہلے اس ٹھپے کو نوالہ پیش کرتی ہے تا کہ وہ خوش ہو جائے اور بعد میں خود کھاتی ہے۔ خیال یہ ہے کہ اس طریقے سے پہلی پتنی کا پریت خوش ہو کر اسے ستانا چھوڑ دیتا ہے۔ ہندوؤں کے خیال میں بیر اور پون دو بد روحیں ہیں جنہیں کوئی جادوگر کسی شخص کو آزار دینے کے لیے بھیجتا ہے۔ پون بٹھانے اور پون دوڑانے کے محاورے اسی توہم سے یادگار ہیں۔ چڑیلیں اور ڈائنیں بھی خبیث روحیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی عورت دردزہ کی حالت میں مر جاتی ہے تو وہ چڑیل

یا ڈائن بن جاتی ہے۔ چڑیل کے پاؤں پیچھے کی جانب مڑے ہوتے ہیں۔ ڈائن سیاہ فام اور بدصورت ہوتی ہے جس کی آنکھیں مشعل کی طرح چمکتی ہیں۔ ڈائنیں خوبصورت نوجوانوں کا کلیجہ نکال لیتی ہیں اور وہ بے چارہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔

بدارواح کا تصور ایرانیوں کی اخلاقیات پر بھی بار پا گیا۔ مشہور ایرانی دانش مند وزرگ نے دس بدروحیں گنائی ہیں جو انسان کی عقل و خرد پر غالب آ جاتی ہیں اور جن سے دامن بچانا ضروری ہے۔ یہ ہیں آز (لالچ)' نیاز (احتیاج)' خشم' رشک' کینہ' ننگ' نمام (تہمت) دوروئی (منافقت)' ناسپاسی (ناشکراپن)' ناپاک دین (بدمذہبی) قدیم اقوام میں یہ عقیدہ عام تھا کہ شیطان خدا کے نیک بندوں کو آزماتا رہتا ہے۔ ازمنہ وسطیٰ کے یورپ میں خیال کیا جاتا تھا کہ شیطان بعض لوگوں سے ان کی روح کے عوض معاہدے کرتا رہتا ہے۔ گوئٹے کے مشہور ناٹک فاؤسٹ کا مرکزی خیال یہی ہے۔ شیطان فاؤسٹ سے کہتا ہے کہ تمہاری روح کے عوض میں تمہیں دولت' حکومت' اور حسین عورتوں کی محبت دوں گا۔ گوتم بدھ کے سوانح میں ہے کہ وہ بڑ کے درخت کے نیچے سمادھی میں بیٹھا تو مارا (شیطان) نے اسے ہر طریقے سے بہکانے کی کوشش کی۔ گوتم نے دیکھا کہ نیم برہنہ حسین عورتیں نہایت ترغیب آور انداز میں آنکھیں مٹکا مٹکا کر اور کولھے ہلا ہلا کر اس کے سامنے ناچ رہی ہیں۔ یہ مارا کی کارستانی تھی۔ ولی انطونی کو بھی شیطان نے اسی طریقے سے گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ شیطان نے حضرت عیسیٰ کو بھی آزمایا تھا۔

"اور فی الفور روح نے اسے بیابان میں بھیج دیا اور وہ
بیابان میں چالیس روز تک شیطان سے آزمایا گیا"

عرب اور ایران کی لوک بات میں دیو' عفریت' غول' آل' پالیس' بچہ خور جیسی بدروحوں کا ذکر ملتا ہے جو انسان کے دشمن ہیں اور اس کی جان لینے کی فکر میں رہتی ہیں۔ غول (لغوی معنی ہے مصیبت' دہشت) کا تصور ماقبل اسلام کے عربوں سے یادگار ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ غول راستہ چلتے مسافروں کو بہکا کر ایک طرف لے جاتے ہیں اور جان سے مار دیتے ہیں۔ وہ اپنی شکل بدلنے میں بھی طاق ہوتے ہیں۔

نسناس (نصف الناس یعنی آدھا آدمی) ایرانیوں کا پیر تسمہ پا ہے جو کسی ندی کے کنارے بیٹھا رہتا ہے جب کوئی مسافر پار جانا چاہے تو وہ عاجزی سے گڑگڑا کر اس کی منت

کرتا ہے کہ مجھے بھی اٹھا کر لے چلو۔ مسافر رحم کھا کر اسے اپنے کندھوں پر بٹھا لیتا ہے۔ ندی پار کرتے ہوئے نسناس مسافر کی گردن اپنی ٹانگوں میں جکڑ لیتا ہے اور سے ہلاک کر دیتا ہے۔ پالیس سوئے ہوئے مسافروں کے پاؤں کے تلوے چاٹ چاٹ کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ آل ایک خطرناک بدروح ہے جو زچہ کا کلیجہ چبا جاتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ایرانی زچہ کے پاس ننگی تلوار رکھتے ہیں۔ بچہ خور ایک بلا ہے جو بانجھ عورت کے رحم میں رہتی ہے جو جنین کو کھا جاتی ہے ایرانی عورتیں آل سے سخت خائف رہتی ہیں کیونکہ وہ نومولود کو کھا جاتی ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد ماں اور بچے کو آل سے بچانے کے لیے ایک پیاز ماں کے سر پر رکھتے ہیں تاکہ آل دور رہے۔ آل کے چار پاؤں اور ایک دم ہوتی ہے۔ گردن اونٹ کی طرح لمبی اور منہ گدھے کا ہوتا ہے۔ فولاد سے ڈر کر بھاگ جاتی ہے۔ دیوؤں' عفریتوں اور پریوں کا ذکر مشرق وسطیٰ کی لوک کہانیوں میں اکثر آتا ہے۔ ایرانیوں کے خیال میں دیو اور عفریت کوہ دماوند پر بسیرا کرتے ہیں۔ وہ نہایت عظیم الجثہ اور ڈراونی شکل کے ہوتے ہیں سر پر دو سینگ ہوتے ہیں اور ہوا میں اڑ سکتے ہیں۔ فردوسی نے شاہ نامے میں ان کا ذکر کیا ہے' رستم کے باپ زال کو سیمرغ اور سفید دیو نے پالا تھا اور رستم نے شاہ کیکاؤس کو دیوؤں کی قید سے نجات دلانے کے لیے تلوار اٹھائی تھی۔ عفریت مادہ دیو ہوتی ہے اور نہایت مکار ہوتی ہے۔ وہ خوبصورت جوان لڑکیوں کے روپ میں جوانوں کو بہکاتی اور کچھ عرصے کے بعد ان کو جان سے مار دیتی ہے۔ پریاں اور پری زاد نہایت حسین اور طرح دار ہوتے ہیں۔ ان کا بادشاہ شہپال کوہ قاف میں رہتا ہے۔ پریاں راتوں کو اڑتی پھرتی ہیں اور کوئی خوبصورت جوان دکھائی دے تو اسے اپنے تخت پر بٹھا کر پرستان لے جاتی ہیں۔ داستانوں میں ان کا اکثر ذکر آیا ہے پری زاد اور دیو ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں۔ پریاں انسانوں کو آزار نہیں پہنچاتیں البتہ کسی پری کا سایہ کسی آدم زاد پر پڑ جائے تو وہ آسیب زدہ ہو جاتا ہے۔

ہندوستان کے ادب میں راکھشسوں کا ذکر آیا ہے۔ جو نہایت خوفناک' قوی ہیکل اور خونخوار ہوتے ہیں' راون جو سیتا کو لے کر بھاگا تھا اور راہو جو سورج چاند کو نگل کر گرہن لگا دیتا ہے راکھشس ہی تھے شیو اور کالی دیوی راکھشسوں کے خلاف لڑتے رہے ہیں۔ گندھرو اور اپسرائیں راجہ اندر کے سورگ کے غلمان اور حوریں ہیں۔ گندھرو خوش گلو

موسیقار ہیں جن کی سر اور تال پر حسین اپسرائیں ہوس پرور انداز میں بھاؤ بتا بتا کر ناچتی ہیں۔ اور راجہ اندر اور اس کے درباریوں کو رجھاتی ہیں۔ سنسکرت کے قصوں اور ناٹکوں میں بعض اپسراؤں اور انسانوں کے معاشقوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ کالی داس کے مشہور ناٹک شکنتلا کی ہیروئن ایک اپسرا کے بطن سے تھی۔

مانا کا تصور بھی روحوں کے مت سے وابستہ رہا ہے۔ جیمز ڈریور نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مانا عالم ارواح کے لیے میلانیشیا والوں کا دیا ہوا نام ہے۔ اس سے غیر شخصی تقدس یا وہ پراسرار توانائی مراد لی جاتی ہے جو بعض اشیا میں نفوذ کر جاتی ہے۔ کوڈرنگٹن کہتا ہے کہ مانا کا تصور میلانیشیوں کے ذہن ودماغ پر چھایا ہوا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق مانا ایک قسم کی فوق الطبع توانائی یا تاثیر ہے جو بعض اشیا یا اشخاص میں موجود ہوتی ہے اس کے طفیل بادشاہوں' سرداروں' کاہنوں اور سیانوں میں غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ کوڈرنگٹن کے اس خیال کی تشریح کرتے ہوئے ژنگ لکھتا ہے کہ مانا کا عقیدہ نہ صرف ہماری نفسیاتی توانائی کے تصور کا پیش رو ہے بلکہ تمام توانائی کا سرچشمہ ہے وہ کہتا ہے کہ ابتدائی دور کی غیر شخصی توانائی یا تاثیر کو بعد میں خاص خاص اشخاص' درختوں' جانوروں' پرندوں' چٹانوں' دریاؤں' آبشاروں' جادوگروں' شمنوں' کاہنوں' دیوتاؤں اور ان کے اوتاروں سے منسوب کر دیا گیا۔

مانا کا تصور آج بھی افریقہ' آسٹریلیا' میلانیشیا' انڈونیشیا کے وحشی قبائل اور کئی مہذب اقوام میں پایا جاتا ہے۔ شمالی امریکہ کے لال ہندی مانا کو اورنڈا' واکن یا نیٹو کہتے ہیں۔ دوسرے عرب ممالک میں اسے برکہ (برکت) کا نام دیا جاتا ہے۔ ہندو اسے شکتی کہتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق اوتاروں اور دیوتاؤں کی مورتیوں میں موجود ہوتی ہے۔ شیو کی زوجہ کالی کو شکتی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ شیو کی توانائی کی صورت ہے۔ شکتی آفاقی توانائی کی شکل میں دنیا بھر کی اشیاء پر اپنا اثر ڈالتی رہتی ہے۔

"مقدس جانور" کے تصور کا آغاز بھی مانا ہی کے عقیدے سے ہوا تھا۔ رابرٹسن سمتھ نے لکھا ہے کہ سامیوں کے ہاں یہ عقیدہ عام تھا کہ مقدس جانور کا گوشت کھانے سے اس کی مانا کھانے والے میں حلول کر جاتی ہے اور وہ بھی جانور کی توانائی اور تقدس سے بہرہ ور ہو جاتا ہے اس مقصد کے لیے مقدس ضیافت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ وائیکنیس کے

پیرو نشے کے عالم میں بیلوں اور بکروں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتے تھے۔ ہندو گائے کو نہایت مقدس مانتے ہیں لیکن شاستروں میں لکھا ہے کہ خاص خاص تقاریب پر اس کا گوشت کھایا بھی جاتا تھا تاکہ اس کی شکتی کھانے والے میں حلول کر جائے۔ اسی طرح اشومیدھ یگ کی تقریب پر قربانی کے گھوڑے کا گوشت بھی کھاتے تھے۔

وحشی قبائل بھی بعض جانوروں میں مانا تسلیم کر کے انہیں مقدس سمجھتے تھے اور اپنا قبائلی نشان یا ٹوٹم بنا لیتے تھے۔ جن کا گوشت کھانا ٹیبو یعنی حرام تھا۔ لفظ ٹیبو میں احترام اور امتناع دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ لفظ حرام میں دونوں مفہوم موجود ہیں۔ عام حالات میں ان جانوروں کو مارنا سخت ممنوع تھا لیکن خاص تقاریب پر ان کا گوشت کھا لیا جاتا تھا۔ قدیم مصری جن جانوروں کو مقدس مانتے تھے ان کے لیے عالیشان مندر تعمیر کرتے تھے انہوں نے مقدس سانڈ اپیس اور مقدس بکرے کے لیے معبد تعمیر کر رکھے کیونکہ وہ انہیں غیر معمولی توانائی اور طلسماتی قوت سے بہرہ ور سمجھتے تھے۔ مرنے پر ان کی ممیاں بنا کر دفن کیا کرتے تھے۔ گائے بیل کا تقدس زرعی معاشرے میں ہر کہیں موجود تھا۔ سوسرتی میں لکھا ہے کہ کوئی برہمن کسی چنڈال' حاملہ عورت' شودر' زچہ' لاش یا ہڈی کو چھو کر ناپاک ہو جائے تو گائے کے چھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ آج بھی پاک ہونے کے لیے برہمن پنج گویہ (گائے کا دودھ' دہی' گھی' پیشاب اور گوبر ملا ہوا) پیتے ہیں۔ کوٹلیہ کے ارتھ شاستر میں لکھا ہے کہ دربار میں جانے سے پہلے راجہ کے لیے لازم ہے کہ وہ گائے' بیل اور بچھڑے کو نمسکار کرے۔ قدامت پسند ہندو مرنے سے پہلے گائے کو چھوتے ہیں تاکہ سیدھے سورگ میں چلے جائیں۔ مولوی محمد حسین آزاد سخندان فارس میں لکھتے ہیں۔

> "پارسی لوگ مہرگاں کے دن عید کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آج کی رات ایک گائے ظاہر ہوتی ہے۔ سونے کے سینگ اور چاندی کے کھر۔ ایک جلوہ دکھا کر غائب ہو جاتی ہے جسے نظر آ جاتی ہے اس کا تمام سال عیش اور خوشحالی میں گزرتا ہے۔"

پارسیوں میں "نوراتوں کی عبادت" میں گائے کا بول پیتے ہیں۔

سانپ کے ساتھ ابتدائے تاریخ سے ہی ایک عجیب قسم کی طلسماتی کشش اور ہیبت وابستہ رہی ہے اور لوگ اسے حیات نو اور جنسی ترغیب کی علامت سمجھتے رہے ہیں۔ ناگ پوجا

کا رواج ہے دراوڑوں میں عام تھا۔ آج بھی ہندوستان اور کشمیر میں جا بجا ناگ کے مندر دکھائی دیتے ہیں جہاں ناگ دیوتا کی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندو سانپ کو مارنا مہاپاپ سمجھتے ہیں اور اسے دودھ پلاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ دفینوں کی حفاظت سانپ کرتے ہیں۔

آریہ اقوام میں ہر کہیں گھوڑے کو مقدس مانا جاتا تھا۔ جب 2000 ق م کے لگ بھگ وسط ایشیاء میں گھوڑے کو سدھا لیا گیا تو گویا تاریخ عالم میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ گھڑ سوار قبیلے فتح و نصرت کے پرچم اڑاتے دور دراز کی اقوام پر غالب آ گئے یونان اور ہندوستان میں سفید اور سیاہ گھوڑے کی قربانی دی جاتی تھی مسلمانوں میں گھوڑے کو "غازی مرد" کہا جاتا ہے سندھی اسے فرشتہ مانتے ہیں۔ ایران میں گھوڑے کا سم چشم زخم سے بچنے کے لیے آج بھی دروازے پر لٹکاتے ہیں یا ٹرکوں کے پیچھے باندھ لیتے ہیں۔ یونان اور ایران میں دستور تھا کہ جب کوئی سورما لڑائی میں مارا جاتا تو اس کے گھوڑے کو اس کی ہتھیاروں سے سجا کر اس کا جلوس نکالتے تھے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے ماتم کرتے ہوئے جاتے تھے۔ یونانی ریاست تھیباس کے مقدس دستے کا سردار پیلوپائڈس جنگ میں مارا گیا تو اس کے ساتھیوں نے اپنے سر منڈوا دیے اور ماتم کرتے ہوئے اس کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے۔ سکندر اعظم نے اپنے دوست ہیفے سٹس اور ایرانیوں نے اسفندیار کی موت پر ان کے گھوڑوں کے جلوس اسی طرح نکالے تھے۔ سلیمان ذریں کے علم پر گھوڑوں کی سات دمیں بطور تبرک لٹکائی جاتی تھیں۔ چنگیز خان کی قبر پر اس کے چالیس بہترین گھوڑے ذبح کیے گئے تھے۔ لوک کہانیوں میں اڑنے والے کل کے گھوڑے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جسے رومی پیگاسس کہتے تھے۔ ہندو کہتے ہیں کہ گدھے میں بدشگنی ہوتی ہے۔ اور اس کا رابطہ بھوتوں پریتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

قدیم زمانے کا انسان جس شے کو پراسرار سمجھتا اس سے مانا یا طلسماتی اثر منسوب کر دیتا تھا۔ اسی خیال کے تحت اس نے دریاؤں' سمندروں' ندی نالوں' چشموں' جھیلوں اور آبشاروں کو بھی اپنی ہی طرح ذی حیات و ذی روح ہستیاں مان لیا۔

◆○◆

18
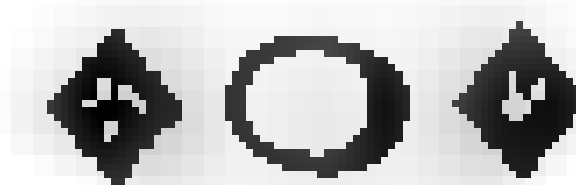
خارجی روح کا تصور

خارجی روح' بے جان چیزوں میں

اس صورت سے یہ تصور کہ روح کو طویل یا مختصر عرصے تک جسم سے باہر کسی محفوظ مقام پر منتقل کیا جا سکتا ہے یا بہر کیف بالوں میں محفوظ کیا جا سکتا ہے' متعدد نسلوں میں پایا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تصور محض ایک ایسی چیز نہیں جو زیب داستان کے لیے گھڑی گئی ہو' بلکہ وحشی کا جزو ایمان ہے' جس کی بنا پر عوامی رسم و رواج کی ایک مماثل قسم وجود میں آ گئی ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ان کہانیوں میں ہیرو کبھی کبھی لڑائی پر جانے سے پہلے جسم سے اپنی روح نکال لیتا ہے تاکہ لڑائی میں دشمن کی ضرب اس کے جسم پر اثر نہ کر سکے اور وہ مارا نہ جا سکے۔ کچھ اسی مقصد سے وحشی مختلف موقعوں پر حقیقی یا خیالی خطرے کی صورت میں اپنی روح کو جسم سے نکال لیتا ہے۔ چنانچہ سیلبیز میں منہاسا والوں کے ہاں جب کوئی کنبہ کسی گھر میں منتقل ہونے لگتا ہے تو اس کا مذہبی پیشوا سارے خاندان کی روحیں ایک تھیلی میں جمع کر لیتا ہے اور منتقلی کے بعد انہیں متعلقہ اشخاص کے جسم میں لوٹا دیتا ہے۔ ان کی دانست میں نقل مکانی کا وقت فوق الفطرت خطرات سے پُر ہوتا ہے۔ جنوبی سیلبیز میں جب کسی عورت کی زچگی کا وقت قریب آتا ہے تو وہ شخص جو طبیب یا دائی کو لینے جاتا ہے' چھری کی قسم کی کوئی نہ کوئی آہنی شے اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور اسے طبیب کو دے دیتا ہے۔ طبیب کو وہ چیز زچگی کی مدت پوری ہونے تک اپنے گھر میں حفاظت سے رکھنی پڑتی ہے' جس کے بعد وہ

اسے واپس کر دیتا ہے۔ اس کے صلے میں طلسم گر کو ایک مقررہ رقم ملتی ہے۔ چھری یا جو بھی شے ہو زچہ کی روح کا مظہر ہوتی ہے جو یہاں کے دیسیوں کے عقیدے کے بموجب اس نازک وقت میں جسم سے باہر نسبتاً محفوظ رہتی ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر کو اس اوزار کی سخت نگہداشت کرنی پڑتی ہے۔ خیال ہے کہ اگر وہ گم ہو جائے تو اس کے ساتھ عورت کی جان بھی جاتی رہے گی۔

جنوب مشرقی بورنیو کے ضلع چیوا یہ کے داکوں میں بچے کی پیدائش پر طلسم گر کو بلایا جاتا ہے جو اپنے عمل کے زور سے اس کی روح کو ناریل کے نصف ٹکڑے میں کھینچ لاتا ہے اور اسے فوراً ایک کپڑے سے ڈھانک کر اس رکابی یا تاب میں رکھ دیتا ہے جو ایک ڈوری سے بندھی چھت سے لٹکی رہتی ہے۔ یہ رسم وہ سال بھر ہر چاند کی پہلی کو ادا کرتا ہے۔ جس مصنف نے اس رسم کی کیفیت بیان کی ہے وہ اس کے مقصد کی کوئی وضاحت نہیں کرتا' لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کارروائی کی غرض و غایت بچے کی روح کو اس کے ننھے سے کمزور جسم سے نکال کر ایسی چیز میں رکھنا ہے جو نسبتاً محفوظ ہو۔ اس دستور کی جو وجہ بیان کی جاتی ہے اس سے ہمارے قیاس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جزائر کائی میں جب کوئی بچہ تولد ہو تو بعض اوقات گھر میں خاندان کے کسی جد کی بھدی سی کاٹھ کی مورتی کے برابر ناریل کا ایک مربوط خول لٹکا نظر آئے گا۔ لوگوں کے عقیدے کے بموجب شیر خوار کی روح عارضی طور پر ناریل کے خول میں محفوظ کر دی جاتی ہے تاکہ وہ ارواح خبیثہ کے حملوں سے بچی رہے۔ لیکن بچے کے جسم کی نشوونما کے بعد جب اس میں ذرا طاقت آ جائے تو روح اس کے اندر لوٹ کر مستقل طور پر بس جاتی ہے۔ اسی طرح الاسکا کے اسکیموؤں کے ہاں جب کوئی بچہ بیمار پڑے تو طلسم گر بعض اوقات اس کے جسم سے روح کو خارج کر کے اسے کسی حرز میں محفوظ کر دے گا اور مزید احتیاط کے طور پر اس حرز کو اپنی طلسمی زنبیل میں رکھ لے گا۔ غالباً اسی صورت سے بہت سے احراز کو روح دان سمجھا جاتا رہا ہے' یعنی ان کی مثال لوگوں کی دانست میں ایسی تجوریوں کی سی ہے جن میں ان کی روحیں محفوظ رکھی جاتی ہوں۔ برطانوی وسطی افریقہ کے ضلع ویسٹ شائر کے منگانجے قبیلے کی ایک عورت اپنے گلے میں ہاتھی دانت کا کوئی تین انچ لمبا ایک کھوکھلا سا زیور ڈالے رہتی تھی اور اسے اپنی روح یا جان کہتی تھی۔ وہ کبھی اس کو اپنے سے جدا نہ کرتی تھی۔ کسی کاشتکار نے اسے خریدنا چاہا مگر وہ کسی طرح اس کو بیچنے پر

رضامند نہ ہوئی۔ ایک دن جیمس میکڈونلڈ صاحب ایک ملوبی سردار کے گھر بیٹھے اس کے جلوہ افروز ہونے کے منتظر تھے' جو اس وقت اپنی آرائش میں مصروف تھے۔ ایک دیسی نے بیل کے سینگوں کی ایک مزین جوڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا "شاہ نے اپنی روح ان سینگوں میں رکھ چھوڑی ہے۔" یہ سینگ قربانی کے ایک جانور کے تھے اور انہیں مقدس سمجھا جاتا تھا۔ کسی جادوگر نے انہیں گھر کی چھت سے باندھ دیا تھا' تاکہ مکان اور اس کے مکینوں کو برق سے محفوظ رکھا جائے۔ میکڈونلڈ صاحب کا بیان ہے: "یہ تصور جنوبی افریقہ والوں کے طرز فکر کے عین مطابق ہے کہ آدمی کی روح جسم سے الگ ہو کر اس کے گھر کی چھت' درخت' چشمہ یا ڈانگ کو اپنا مسکن بنا سکتی ہے۔" نیو برٹن میں جزیرہ نمائے گیزیل کے باشندوں کے ہاں ایک خفیہ انجمن ہے جو انگ بیٹ یا انگ نایٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں داخل ہونے پر ہر شخص کو انسان یا جانور کی شکل کا ایک پتھر ملتا ہے اور یہ یقین کر لیا جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کی روح متذکرہ پتھر سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ اس پتھر کا ٹوٹنا متعلقہ شخص کے لیے ایک بدشگونی ہے۔ اگر سوئے اتفاق سے کبھی ایسا ہو جائے تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ پتھر پر بجلی گر پڑی اور انجمن کا رکن جلد مر جائے گا۔ لیکن اپنے سنگ روح کے ٹوٹنے کے باوجود کوئی شخص جیتا رہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ پتھر ٹھیک نہیں اور اس کی جگہ اسے ایک نیا پتھر مل جاتا ہے۔ شہنشاہ روما لیسے پینس کو ایک مرتبہ ایک منجم نے بتایا کہ بلغاریہ کے شاہزادے سامون کی روح ایک خاص ستون سے اس طرح وابستہ ہے کہ اگر اس ستون کے بالائی حصے کو گرا دیا جائے تو فوراً سامون کی موت واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ شہنشاہ نے ستون کی چوٹی گروا دی اور اسی ساعت' جیسا کہ شہنشاہ کو تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا' بلغاریہ میں عارضہ قلب سے سامون کا انتقال ہو گیا۔

مزید برآں لوک کہانیوں میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ کبھی کبھی آدمی کی روح اس کے بالوں سے اس طرح منسلک ہوتی ہے کہ بال کاٹ ڈالے جائیں تو آدمی مر جائے یا کمزور ہو جائے۔ اسی صورت سے کسی زمانے میں امبوینا والے یہ سمجھتے تھے کہ ان کی طاقت ان کے بالوں میں ہے اور اگر ان کے بال کاٹ ڈالے جائیں تو وہ پرواز کر جائے گی۔ اس جزیرے کی ولندیزی عدالت میں ایک مجرم کو اذیتیں دی جا رہی تھیں' مگر وہ اپنے جرم سے برابر انکار کرتا رہا تا آنکہ اس کے بال کاٹ ڈالے گئے' جس پر اس نے فوراً اقبال جرم کر

لیا۔ ایک شخص کو جس پر قتل کے الزام میں مقدمہ چلایا جا رہا تھا طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں لیکن وہ سب کو بڑے صبر سے جھیلتا گیا اور جب اس نے ایک جراح کو قینچی لیے کھڑا پایا اور اس کے پوچھنے پر اسے بتایا گیا کہ اس کے بال کاٹے جانے والے ہیں تو اس نے بڑی عاجزی سے استدعا کی کہ اسے اس سے معاف رکھا جائے اور پھر سب کچھ اگل دیا۔ اس کے بعد یہ دستور ہو گیا کہ جب اقبال جرم کرانے میں جسمانی اذیت سے کام نہ نکلتا ہو تو ولندیزی حکام مجرم کو اس کے بال کتروا دینے کی دھمکی دیتے۔

یورپ میں لوگوں کا خیال تھا کہ جادوگروں اور جادوگرنیوں کی شرانگیز قوتیں ان کے بالوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور جب تک ان بدذاتوں کے بال سلامت رہتے ہیں ان پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ اسی لیے فرانس میں ان اشخاص کو جو جادوگری کے الزام میں ماخوذ ہوتے معذب کے حوالے کرنے سے پہلے ان کے جسم کے سارے بال منڈوا دیئے جاتے۔ ملاویس نے چند اشخاص کی تعذیب کی کیفیت دیکھی تھی جو کسی طرح اپنا جرم نہ قبولتے تھے تا آنکہ انہیں ننگا کر کے ان کے جسم کے سارے بال مونڈ ڈالے گئے اور اس کے نتیجے میں انہوں نے سب کچھ اگل دیا۔ ایک عورت کو بھی جو بظاہر بڑی پارسائی رہتی تھی جادوگری کے شک میں جسمانی اذیت دی جانے لگی۔ وہ حیرت انگیز صبر و استقلال کے ساتھ اپنے درد و کرب کو برداشت کرتی رہی لیکن جب اس کے بال صاف کر دیئے گئے تو اس نے اقبال جرم کر لیا۔ تحقیقاتی عدالت کا ایک ممتاز عہدہ دار اسپرانگر کسی مشتبہ جادوگر یا جادوگرنی کے صرف سر کے بال مونڈھنے پر اکتفا کرتا تھا لیکن اس کے سخت گیر شریک کار کیومانس نے سینتالیس عورتوں کو نذر آتش کرنے سے قبل ان کے جسموں کے سارے بال مونڈ ڈالے تھے۔ اس سخت گیری کا جواز یہ تھا کہ خود شیطان نے نارتھ برورک کے کلیسا کے منبر سے خطبہ دیتے ہوئے اپنے خدام کو یقین دلایا تھا کہ جب تک ان کے جسم پر بال موجود ہیں ان پر کوئی افتاد نہیں پڑے گی۔ اسی صورت سے ہندوستان میں باستر کے مقام پر یہ ہوا کرتا ہے کہ "اگر کوئی شخص جادوگری کا مرتکب قرار دے دیا جائے تو لوگ اسے زدوکوب کرتے ہیں اس کے بال مونڈ دیئے جاتے ہیں جن کے متعلق خیال ہے کہ اس کی شرانگیز قوت انہیں میں ہوتی ہے۔ اس کے اگلے دانت اکھیڑ دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ کوئی عمل نہ پڑھنے پائے۔ ان عورتوں کو بھی اسی طرح سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں جن پر ساحری کا شبہ ہو۔ اگر ان کا جرم ثابت

ہو جائے تو انہیں بھی یہی سزا ملتی ہے اور جب ان کے بال مونڈ دیئے جاتے ہیں تو انہیں کسی ایسے درخت پر لگا دیا جاتا ہے جو مرجع عام پر ہو۔" اسی طرح ہندوستان کے بھیلوں میں جب کسی عورت پر جادو کا الزام درست نکلتا اور اسے درخت سے الٹا ٹانگنے آنکھوں میں مرچیں لگانے وغیرہ جیسی سزائیں دی جا چکتیں تو اس کے سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر زمین میں دبا دی جاتی "تاکہ اس کے اور اس کی سفلی قوتوں کے درمیان رشتہ منقطع ہو جائے۔" اسی طرح میکسیکو کے ازٹیکوں میں جب جادوگر اور جادوگرنیاں "اپنے کار ہائے بد انجام دے چکتیں اور ان کا قصہ پاک کرنے کا وقت آن پہنچتا تو کوئی شخص انہیں پکڑ لیتا اور ان کی چندیا کے بال کاٹ ڈالتا جس سے ان کی ساری قوت ساحری جاتی رہتی اور پھر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

خارجی روح پودوں میں

مزید برآں یہ بتایا جا چکا ہے کہ لوک کہانیوں میں آدمی کی زندگی کسی پودے کی زندگی پر اس طرح منحصر ہوتی ہے کہ آدمی کے مرتے ہی پودا مرجھا جاتا ہے یا پودے کے مرجھاتے ہی آدمی مر جاتا ہے۔ مغربی افریقہ کی ایمبیگا قوم میں جو گابون کے قریب آباد ہے جب دو بچے ایک ہی دن پیدا ہوں تو ایک ہی قسم کے دو پودے لگا دیئے جاتے ہیں اور لوگ ان کے گرد رقص کرتے ہیں۔ دونوں میں ہر بچے کی روح ان میں سے کسی ایک درخت سے وابستہ سمجھی جاتی ہے اور اگر درخت سوکھ جائے یا گرا دیا جائے تو انہیں یقین ہوتا ہے کہ بچے کی موت لازمی ہے۔ کیمرونز والوں میں بھی یہ عقیدہ ملتا ہے کہ آدمی کی زندگی کسی پودے کے ساتھ مشارکت کے رشتے میں منسلک ہوتی ہے۔ کالابار میں اولڈ ٹاؤن کا سردار اپنی روح کسی مقدس شجرزار میں ایک چشمے کے قریب رکھا کرتا تھا۔ جب کچھ درخت کاٹ ڈالے تو اس سردار کے بیان کے بموجب جب اس کی روح غضب ناک ہو گئی اور اس نے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کی تہدید کی کہ وہ طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بعض پاپوائی کسی درخت کی چھال میں ایک پتھر گھسیڑ کر کسی نوزائیدہ بچے اور اس درخت کو ایک رشتہ مشارکت میں منسلک کر دیتے ہیں۔ خیال ہے کہ اس سے انہیں بچے کی زندگی پر پورا پورا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر درخت کاٹ دیا جائے تو بچہ مر جائے گا۔

۔ودریوں کے ہاں بچے کی پیدائش پر اس کی آنول نال کسی مقدس مقام پر دفن کر دی جاتی ہے اور اس پر یک ننھا سا پودا لگا دیا جاتا تھا۔ اگر پودا بڑھنے لگتا تو اسے بچے کی زندگی کی علامت سمجھا جاتا۔ اگر وہ پھولتا پھلتا تو بچہ بھی پروان چڑھتا اگر وہ مرجھا کر سوکھ جاتا تو والدین اسے بچے کے حق میں انتہائی بدشگونی خیال کرتے۔ فجی کے بعض علاقوں میں لڑکے کی نال ناریل کے درخت یا روٹ پھل کی قلم کے ساتھ بو دی جاتی ہے۔ خیال ہے کہ بچے کی زندگی کا اس درخت سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ولندیزی بورنیو کے اضلاع لانڈاک اور تاجان کے داکوں میں نوزائیدہ بچے کے لیے روٹ پھل کا درخت بونے کا دستور ہے۔ جس کے بعد سے عام عقیدے کے بموجب بچے کی قسمت اس درخت سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر درخت ٹھٹھر جائے یا مرجھا جائے تو اس کے انسانی ہمزاد پر مصیبت نازل ہونی یقینی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ روس' جرمنی' انگلستان' فرانس اور اٹلی میں ابھی تک کچھ خاندان ایسے موجود ہیں جن میں بچے کی پیدائش پر پودا لگانے کا دستور باقی ہے۔ لوگوں کو امید ہوتی ہے کہ پودا بچے کے ساتھ پروان چڑھے گا اور اس کی خاص طور پر پرورش کی جاتی ہے۔ یہ دستور اب بھی سوئٹزرلینڈ کے صوبہ آرگاؤ میں عام ہے۔ لڑکے کے لیے سیب کا درخت اور لڑکی کے لیے ناشپاتی کا درخت لگایا جاتا ہے۔ یہاں لوگوں کا خیال ہے کہ پودا پروان چڑھے گا تو بچہ بھی پروان چڑھے گا اور پودا ٹھٹھرے گا تو بچہ بھی ٹھٹھر کر رہ جائے گا۔ بچے کی نال کسی نونہال پودے کی جڑ میں پھینک دی جاتی ہے اور پھر یہ یقین کر لیا جاتا ہے کہ پودے کے ساتھ بچے کی نشوونما ہوتی رہے گی۔ ایڈنبرا سے کچھ فاصلے پر قلعہ ڈلہوزی واقع ہے' جس کے پاس ایک بلوط کا درخت ہے جو شجرا ایج ویل کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق عام عقیدہ یہ ہے کہ اس سے خاندان ڈلہوزی کی زندگی ایک تمثیلی رشتے میں منسلک ہے۔ چنانچہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب خاندان کے کسی فرد کا انتقال ہوتا ہے یا انتقال کا وقت قریب آن پہنچتا ہے تو ایج ویل کی ایک نہ ایک ٹہنی ضرور گر پڑتی ہے۔ چنانچہ جولائی 1874ء میں ایک دن جب سناٹا چھایا ہوا تھا تو اس درخت کی ایک بڑی شاخ جھڑ گئی یہ دیکھ کر جو جنگل میں رہتا تھا چلا اٹھا: "لاٹ صاحب گزر گئے!" اور تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر آن پہنچی کہ ڈلہوزی کے گیارہویں ارل فاکس ماؤل کا انتقال ہو گیا۔

انگلستان میں بعض اوقات فتق یا سوکھے کے علاج کے لیے بچوں کو اسم

Ash-tree (زیتون کی قسم کا ایک یورپی پودا) کے شگاف میں سے گزارا جاتا تھا' جس کے بعد سے بچوں اور اس درخت کے درمیان ایک مشارکی رشتہ قائم ہو جاتا۔ اس قسم کا ایک درخت جو اس غرض سے استعمال کیا جاتا تھا ہاکلے ہاؤس سے برمنگھم جانے والی سڑک پر شرلے کے جنگل کے کنارے واقع تھا۔ "سڑک سے ملحق ایک کھیت کے مالک تھامس چیلنگ ورتھ کے بیٹے کو' جس کی عمر اب چونتیس سال ہے' ایسے ہی ایک درخت کے شگاف میں سے گزارا گیا تھا' جبکہ وہ سال بھر کا تھا۔ اس درخت کی وہ اس طرح حفاظت کرتا ہے کہ اسے کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مریض کی زندگی کا تمام دارومدار اس درخت کی زندگی پر ہوتا ہے اور جس لمحے اس کو کاٹا جاتا ہے' خواہ مریض کتنی ہی دور کیوں نہ ہو اس کا فتق عود کر آتا ہے اور آدمی مر جاتا ہے' جیسا کہ اس سڑک پر ایک چھکڑا ہانکنے والے کے ساتھ پیش آیا تھا۔" بایں ہمہ یہی مصنف آگے چل کر کہتا ہے کہ درخت کے کٹنے کے بعد بھی اس سے متعلقہ اشخاص کے زندہ رہنے کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس علاج کا عام طریقہ یہ ہے کہ ایش کے نونہال پودے کو طولاً چند فٹ تک چیر دیا جاتا ہے اور سورج نکلتے وقت بچے کو ننگا کر کے اس شگاف میں سے تین مرتبہ یا تین ضرب تین مرتبہ گزارا جاتا ہے۔ مغربی انگلستان کے لوگ کہتے ہیں کہ بچے کو درخت کے شگاف میں سے سورج کے رخ نکلنا چاہیے۔ جوں ہی یہ رسم پوری کر دی جاتی ہے درخت کو کس کر باندھ دیا جاتا ہے اور شگاف پر مٹی کا پلاستر کر دیا جاتا ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح درخت کا شگاف بند ہوتا جائے گا بچہ روبہ صحت ہوتا جائے گا۔ لیکن اگر درخت کا شگاف کھلا رہ جائے تو بچے کا فتق بھی باقی رہ جاتا ہے اور جو درخت خشک ہو جائے تو اس کے بعد ہی بچے کی موت یقینی ہے۔

مختلف امراض' خاص کر فتق اور سوکھے کے علاج کا یہ طریقہ جرمنی' فرانس' ڈنمارک اور سویڈن میں بھی رائج رہا ہے لیکن ان ملکوں میں اس غرض سے ایش کے درخت کے بجائے بلوط استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں شجر بید کی بھی اجازت ہے بلکہ یہ درخت تجویز کیا جاتا ہے۔ انگلستان کی طرح میکلن برگ میں بھی درخت اور بچے کے درمیان مشارکی رشتہ اس طرح قائم ہوتا ہے وہ اس قدر گہرا خیال کیا جاتا ہے کہ اگر درخت کاٹ ڈالا جائے تو بچہ مر جائے گا۔

خارجی روح جانوروں میں

لیکن کہانیوں کی طرح عام عقیدہ کے بموجب رسم ورواج میں بھی آدمی محض بے جان اشیا اور پودوں ہی سے رشتہ مشارکت میں منسلک نہیں ہوتا۔ خیاں ہے کہ اسے یک نسبت جانور سے بھی ہو سکتی ہے' اس طرح کہ جانور کی خیریت سے آدمی کی خیریت وابستہ ہو اور جب جانور مر جائے تو آدمی بھی مر جائے۔ نیز چونکہ بسا اوقات روح کو اس طرح جسم سے نکلنے اور اسے جانور میں منتقل کرنے کا استدراج کہانی اور رواج دونوں میں جادوگروں اور جادوگرنیوں کو حاصل ہوتا ہے' لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے اور بھی قریب آ جاتے ہیں۔ چنانچہ سائبیریا کے یاکوت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر شامن یا جادوگر اپنی جان یا مختلف روحوں میں سے ایک روح کو جانور کی صورت میں مجسم کر کے دنیا سے چھپائے رکھتا ہے۔ ایک مشہور جادوگر نے کہا تھا "میری خارجی روح کو کوئی نہیں پا سکتا۔ وہ یہاں سے بہت دور ایڈز ہگانسک کے سنگلاخ پہاڑوں میں چھپی ہوئی ہے۔" سال میں صرف ایک مرتبہ جب آخری برف پگھلنے لگتی ہے اور زمین سیاہ ہو جاتی ہے تو جادوگروں کی یہ بیرونی روحیں آدمیوں کے گھروں میں جانوروں کے بدن میں آتی ہیں۔ وہ ہر جگہ گھومتی پھرتی ہیں لیکن جادوگروں کے سوا انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ طاقتور روحیں چیختی چلاتی پھرتی ہیں اور کمزور روحیں چپکے سے گزر جاتی ہیں۔ ان میں اکثر لڑائی ہوتی ہے اور پھر وہ جادوگر جس کی خارجی روح پٹ جاتی ہے' بیمار پڑتا ہے اور مر جاتا ہے۔ سب سے کمزور اور بودے جادوگر وہ ہیں جن کی روحیں کتوں کی صورتوں میں متشکل ہوتی ہیں۔ کیونکہ کتا اپنے انسانی ہم زاد کو چین نہیں لینے دیتا' بلکہ اس کا دل چبا جاتا ہے اور جسم کو پھاڑ ڈالتا ہے اور سب سے طاقتور جادوگر وہ ہیں جن کی خارجی روحیں گھوڑوں' بارہ سنگوں' سیاہ ریچھوں' عقابوں یا جنگلی سوروں کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ نیز تروخنسک کے علاقے کے سیمائڈوں کا خیال ہے کہ "جنگلی سور کی صورت میں ہر شامن کا ایک موکل ہوتا ہے جسے وہ ایک جادو کے تسمے سے باندھے لیے پھرتا ہے۔ یہ سور مر جائے تو خود شامن بھی چل بستا ہے۔ نیز یہ لوگ ایسے جادوگروں کے قصے سناتے ہیں جو خود نبرد آزما ہونے سے پہلے اپنی روحوں کو لڑنے بھیجتے ہیں۔ ملایا والوں کے عقیدے کی رو سے ایک آدمی کی روح کسی دوسرے آدمی یا جانور کی روح میں

داخل ہو سکتی ہے یا یوں کہہ لیں کہ دونوں میں ایک ایسا خفیہ رشتہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک کی قسمت دوسرے کی قسمت سے وابستہ ہو جائے۔"

جزائر نیو ہیبریڈیز کے ایک ناپوموتا کے میلینیشیوں کے ہاں خارجی روح کا تصور روزمرہ کی عملی زندگی میں نظر آتا ہے۔ ماتائیوں کی زبان میں ایک لفظ ہے "تمانیو" جس سے مراد ہے "کوئی ایسی بے جان یا جاندار چیز جس کے متعلق آدمی کے دل میں یہ خیال بیٹھ جائے کہ اس کی ذات سے وہ چیز گہرا تعلق رکھتی ہے۔ موتا میں ہر کسی کا تمانیو نہیں ہوتا تھا۔ صرف چند آدمی یہ سمجھتے تھے کہ وہ کسی شے سے نسبتی ہیں' خواہ وہ سانپ' پتھر یا کچھ ہی ہو۔ کبھی کبھی اس شے کا پتا چلانے کے لیے بعض پتوں کا افشردہ پی کر اس کی گاد کا ڈھیر لگا دیا جاتا۔ پھر جو کوئی زندہ چیز اس ڈھیر میں یا اس ڈھیر کے اوپر سب سے پہلے دکھائی دے جاتی وہ تمانیو فقط دیکھنے کے لیے ہوتا' کھلائی یا پرستش کی چیز نہ ہوتی۔ اس جزیرے کے باشندوں کے عقیدے کی رو سے وہ آواز پر آ جاتا تھا اور آدمی کی زندگی اس کے تمانیو کی زندگی سے وابستہ تھی۔ اگر تمانیو مر جاتا یا کسی بے جان شے کی صورت میں ٹوٹ پھوٹ جاتا یا کھو جاتا تو آدمی کی موت واقع ہو جاتی۔ لہٰذا اگر کوئی بیمار پڑتا تو یہ دیکھا جاتا کہ تمانیو صحیح و سالم اور خیریت سے ہے یا نہیں۔"

ایسی خارجی روح کا تصور جو حفظ ماتقدم کے طور پر کسی جانور میں منتقل کر دی گئی ہو' مغربی افریقہ خاص کر نائیجیریا' کیمرونز اور گابون میں عام ہے۔ گابون کے فنیوں کے عقیدے کے رو سے ہر مبتدی جادوگر خون کے رشتے کی ایک خاص رسم ادا کر کے اپنی زندگی کسی خاص جنگلی جانور سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اس رسم میں وہ کچھ خون جانور کے کان سے لیتا ہے اور کچھ اپنے بازو سے اور پھر اپنا خون جانور کے جسم میں پہنچا دیتا ہے اور جانور کا خون اپنے جسم میں۔ اس کے بعد ان دونوں میں ایسا گہرا رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ ان میں کسی ایک کی موت کے باعث دوسرے کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ خیال ہے کہ اس خونی اتحاد سے جادوگر کو زبردست طاقت حاصل ہو جاتی ہے' جس سے وہ مختلف صورتوں سے استفادہ کر سکتا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ پریوں یا دیوؤں کی کہانیوں کے کسی ایسے ساحر کی طرح جس نے اپنی روح جسم سے نکال کر کسی محفوظ جگہ رکھ چھوڑی ہو' فنی جادوگر مذکورہ بالا رسم کے بعد اپنے آپ کو گویا رو ئیں تن سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے علاوہ جس جانور سے وہ خونی رشتہ جوڑتا

ہے وہ اس کا موکل بن جاتا ہے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جانور جو اس کا خون بدل بھائی بنتا ہے کبھی پالتو یا پلا ہوا جانور نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ کوئی خون خوار جنگلی جانور یا درندہ منتخب کیا جاتا ہے' جیسے چیتا' کالا ناگ' مگرمچھ' گینڈا' جنگلی سور یا گدھ۔ ان تمام حیوانات میں فینٹی جادوگر سب سے زیادہ چیتے کو اپنا موکل بناتے ہیں۔ اس کے بعد کالے ناگ کا نمبر آتا ہے۔ گدھ ان کے ہاں کمیاب ہے۔ جادوگروں کی طرح جادوگرنیوں کے بھی اپنے موکل ہوتے ہیں' لیکن جن جانوروں سے اس طرح عورتوں کی زندگیاں وابستہ ہوتی ہیں وہ ان سے مختلف ہوتے ہیں جن میں مرد اپنی خارجی روحیں رکھا کرتے ہیں۔ جادوگرنی کبھی چیتے کو اپنا موکل نہیں بناتی بلکہ عموماً کسی زہریلے سانپ کو منتخب کرتی ہے۔ یہ سانپ کبھی کوئی سینگوں والا افعی ہوتا ہے' کبھی کوئی کالا ناگ اور کبھی وہ سبز سانپ جو کیلے کے درخت میں پایا جاتا ہے۔ بہرکیف ایسا جانور یا پرندہ جس کے ساتھ کوئی ساحر یا ساحرہ اس صورت سے ایک رشتہ نہانی قائم کر لیتی ہے وہ اپنی نوع کا محض ایک فرد ہوتا ہے' ساری نوع نہیں ہوتی اور جب وہ خاص جانور مر جاتا ہے تو یہ رشتہ اتحاد خود بخود منقطع ہو جاتا ہے' کیونکہ لوگوں کے خیال کے بموجب جانور کی موت بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

کیمروز کے صوبوں کی حدود میں وادی کراس (ایک دیوتا) کے باشندوں میں اسی قسم کے عقائد پائے جاتے ہیں۔ آدمیوں کے گروہوں نے جو بالعموم کسی ایک گاؤں کے باشندوں پر مشتمل ہوتے ہیں مختلف قسم کے جانور منتخب کر رکھے ہیں' جن کے ساتھ وہ اپنے عقیدے کے بموجب خلوص و رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں۔ اس قسم کے جانوروں میں گینڈا' ہاتھی' تیندوا' مگرمچھ' گوریلا' مچھلی اور سانپ شامل ہیں جو یا تو نہایت قوی ہیں یا نہایت آسانی سے پانی یا جھاڑیوں میں اپنے آپ کو چھپا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چھپنے کی یہ قوت موکل جانوروں کے انتخاب کی ایک لازمی شرط ہے' کیونکہ جانور دوست یا مددگار سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ اپنے آقا کے دشمن پر چوری سے حملہ کر جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر موکل دریائی بچھڑا ہے تو وہ اچانک پانی سے اچھل نکلے گا اور دشمن کی ڈونگی کو الٹ دے گا۔ خیال ہے کہ جانوروں اور ان کے دوست یا رشتہ دار انسانوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ مشارکت قائم ہو جاتا ہے کہ جس لمحے جانور مرے اسی لمحے انسان بھی مر جائے گا۔ اسی طرح جس لمحے آدمی کی موت واقع ہو اسی لمحے جانور کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اس سے یہ رشتہ

مستنبط ہوتا ہے کہ آدمیوں کے زخمی ہونے یا مارے جانے کے خوف سے ان کے رشتے کے جانور کو کبھی تیر وغیرہ کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا یا کبھی مارا پیٹا نہیں جائے گا۔ تاہم اس خوف کے باعث ایسے کسی گاؤں کے لوگ ہاتھی کا شکار بالکل ترک نہیں کر دیتے جن کا جانور دوست ہاتھی ہو' اس لیے کہ ان کے ہاں محض ان منفرد جانوروں کا احترام ہوتا ہی جو خاص افراد انسانی سے ایک رشتے میں منسلک ہوتے ہیں اور ان جانوروں کی انواع کا نہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ اپنے ہاتھی بھائیوں اور عام ہاتھیوں میں تمیز کر سکتے ہیں جو نرے ہاتھی ہیں اور بس۔ یہی نہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ خود رشتے کے ہاتھی بھی اس کا شعور رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی ایسا شکاری جس نے کسی ہاتھی سے رشتہ دوستی استوار کر رکھا ہو کسی آدم دوست ہاتھی سے ملتا ہے تو وہ شریف جانور اپنا ایک پاؤں اٹھا کر منہ کے پاس لے جاتا ہے' جیسے یہ کہتا ہو ''مجھے نہ مارو!'' اگر کوئی سنگ دل شکاری گولی چلا کر اسے زخمی کر دے تو وہ شخص جس کی زندگی اس ہاتھی سے وابستہ ہو' بیمار پڑ جائے گا۔

کیمروز کے بیلانگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر آدمی متعدد روحوں کا مالک ہوتا ہے' جن میں ایک اس کے جسم میں ہوتی ہے اور ایک ہاتھی' جنگلی سور' تیندوے وغیرہ جیسے کسی جانور میں ہوتی ہے۔ جب کوئی آدمی ناسازی طبع کے سبب گھر لوٹ آئے اور یہ کہہ کر کہ ''میرا وقت قریب آ چکا ہے'' مر جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ کسی جنگلی سور یا تیندوے کی صورت میں اس کی ایک روح ماری گئی ہے اور خارجی روح کے مرنے سے اس کی داخلی روح کی موت واقع ہو گئی۔ زندہ اشخاص کی خارجی روحوں کے بارے میں ایسا ہی عقیدہ دریائے نائجر کے ڈیلٹا میں بسنے والے آئی بانا کی ایک اہم قبیلے میں ملتا ہے۔ اس قبیلے کے لوگوں کا خیال ہے کہ آدمی کی روح اس کے عین حیات میں اپنے بدن کو چھوڑ کر عارضی طور پر کسی جانور کے جسم میں سکونت اختیار کر سکتی ہے جو شخص اس طرح انتقال روح کی قوت حاصل کرنا چاہتا ہو وہ کسی حکیم یا طلسم گر سے ایک خاص قسم کی دوا لیتا ہے اور اسے کھانے میں ملا کر کھا لیتا ہے۔ اس کے بعد اس کی روح خارج ہو کر کسی جانور کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔ اگر اتفاق سے جانور اپنے آدمی کی روح لیے مر جائے تو آدمی کا انتقال ہو جائے گا اور اگر اس کے کوئی زخم آ جائے تو آدمی کے جسم پر پھنسیاں نکل آئیں گی۔ اس عقیدے کی بنا پر بڑے جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے' اس لیے کہ کسی بھی وقت کوئی چالاک بدمعاش اپنے دشمن کے

کھانے میں وہی طلسمی دوا ملا کر اور پھر اس جانور کو ہلاک کر کے اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

دریائے نائی جر کے دہانے کے آس پاس بسنے والے کالا باری حبشیوں کے عقیدے کی رو سے ہر شخص کی چار روحیں ہوتی ہیں جن میں ایک ہمیشہ کسی جنگلی جانور کے بدن میں اس کے جسم سے باہر رہتی ہے۔ یہ خارجی یا منفک روح جسے مس کنگسلے نے "روح بیشہ" کے نام سے موسوم کیا ہے تیندوے' مچھلی یا کچھوے کی قسم کا کوئی جانور ہو سکتا ہے' لیکن وہ کبھی کسی پالتو جانور یا پودے کی صورت اختیار نہیں کرتی۔ کوئی شخص اپنی منفک روح کو نہیں دیکھ سکتا' تا وقتیکہ وہ نگاہ غیب بیں نہ رکھتا ہو۔ عموماً کوئی غیب داں بتا سکتا ہے کہ اس کی روح بیشہ نے کس جانور کا روپ دھارا ہے' جس کے بعد وہ شخص محتاط ہو جائے گا اور جانور کی اس قسم کو نہ خود مارے گا نہ کسی کو مارنے دے گا۔ عام طور پر مرد اور اس کے بیٹوں کی خارجی روحیں ایک ہی قسم کے جانوروں کے جسم کو اپنا مسکن بناتی ہیں۔ اسی صورت سے عورت اور اس کی بیٹیوں کی خارجی روحیں بھی ایک ہی قسم کے جانوروں کی صورت میں مجسم ہوتی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی کنبے کے تمام بچے اپنے باپ کی روح منفک پر جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کی خارجی روح تیندوے کے بدن میں رونما ہو تو اس کے سارے بیٹے بیٹیوں کی خارجی روحیں تیندوؤں کی صورت اختیار کریں گی۔ لیکن کبھی کبھار وہ ماں پر جاتے ہیں۔ مثلاً اگر ماں کی خارجی روح کچھوے پر مشتمل ہو تو اس کے تمام بیٹے بیٹیوں کی روحیں بھی کچھوؤں کی صورت میں متشکل ہوں گی۔ آدمی اور اس جانور کا رشتہ جسے وہ اپنی روح منفک سمجھتا ہو' اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ جانور کے مرنے یا زخمی ہونے سے آدمی کا مرنا یا زخمی ہونا ضروری ہوتا ہے۔ دوسری طرف جب متعلقہ آدمی مرتا ہے تو اس کی روح بیشہ زیادہ عرصہ تک کہیں سکون سے نہیں رہ سکتی اور پاگل ہو کر یا تو آگ میں گھس جاتی ہے اور اپنے آپ کو جلا کر بھسم کر ڈالتی ہے یا آدمیوں پر حملہ کر دیتی ہے جو اس کا سر پھاڑ ڈالتے ہیں۔

شمالی کالا بار میں ایکیٹ کے قریب ایک متبرک جھیل ہے جس کی مچھلیوں کی سخت نگہداشت کی جاتی ہے۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی روحیں ان مچھلیوں میں بستی ہیں اور ہر مچھلی کی موت کے ساتھ ہی کسی نہ کسی آدمی کی جان چلی جائے گی۔ چند سال بیشتر تک دریائے کالا بار میں ایک قوی ہیکل مگرمچھ تھا' جس کے متعلق لوگوں نے فرض کر رکھا تھا کہ

اس میں ایک سردار کی خارجی روح بستی ہے جو ڈیوک ٹاؤن میں رہتا تھا۔ یورپی قونصلوں کے نائب بطور تفریح کبھی کبھی اس جانور کے شکار کے لیے نکلتے۔ ایک دفعہ ایک افسر کے ہاتھوں اس کو چوٹ آ گئی۔ اسی لمحہ مذکورہ بالا سردار زخم کھا کر لیٹ رہا اور بہانہ کیا کہ اسے کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ لیکن حکماء نے اپنی گردنیں ہلا ہلا کر اس کا عذر ماننے سے انکار کر دیا۔ مزید برآں' دریائے نائی جر کے کنارے لوکوجا اور ڈیلٹا کے درمیان جو متعدد قبیلے آباد ہیں ان کے عقیدے کی رو سے "مگرمچھ یا دریائی گھوڑے جیسے کسی جانور کی صورت میں ہر آدمی کے ایک قالب ثانی کا وجود ممکن ہے۔ خیال ہے کہ اس قسم کے آدمی کی زندگی جانور کی زندگی سے اس حد تک وابستہ ہوتی ہے کہ کسی چیز کا جو اثر ایک پر پڑے گا وہی دوسرے پر بھی مرتب ہو گا۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک انگریز نے دیسیوں کے ایک گاؤں کے قریب ایک دریائی گھوڑا مارا۔ ایک عورت کے دوستوں نے جو گاؤں میں اسی رات مری تھی اس عورت کے خون بہا کے طور پر پانچ پاؤنڈ وصول کر لیے۔"

وسطی امریکہ کے زاپوٹیکوں کے ہاں جب کسی عورت کی زچگی کا وقت آتا تو اس کے رشتے دار جھونپڑی میں اکٹھے ہوتے اور فرش پر مختلف جانوروں کی تصویریں کھینچ کھینچ کر مٹانے لگتے۔ یہ کارروائی بچے کی پیدائش تک جاری رہتی اور اس وقت جس جانور کی تصویر فرش پر رہ جاتی بچے کا ٹوٹم یعنی قالب ثانی یا ہم زاد کہلاتی۔ "جب بچہ خاصا بڑا ہو جاتا تو وہ اپنے نمائندہ جانور کو فراہم کر لیتا اور اس کی بڑی خبر گیری کرتا۔ لوگوں کو یقین ہوتا کہ اس آدمی کی صحت اور زندگی جانور سے وابستہ ہے' بلکہ ان دونوں کی موت ایک ساتھ واقع ہو گی۔" یا یوں کہہ لیں کہ جب جانور مرے گا تو آدمی بھی مر جائے گا۔ گاؤں تمالا اور ہونڈورا کے ریڈ انڈینوں میں ناگول یا ناول "جاندار یا بے جان چیز کا نام ہے' عموماً کسی ایسے جانور کا جو کسی خاص آدمی سے وابستہ ہو اس طرح کہ اس آدمی کے رنج و راحت کا تمام تر دار و مدار جانور کی قسمت پر ہوتا ہے۔" ایک قدیم مصنف کے بیان کے بموجب گاؤ تمالا کے متعدد باشندوں کے دل میں "شیطان نے یہ بات بٹھا رکھی ہے کہ ان کی زندگی کا دار و مدار فلاں فلاں قسم کے جانور پر ہے (جس کو وہ اپنا موکل سمجھتے ہیں) اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ متعلقہ جانور مرتا ہے تو ان کی موت بھی لازمی ہو جاتی ہے۔ جب اس کا تعاقب کیا جاتا ہے تو ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ وہ بے ہوش ہوتا ہے تو انہیں بھی غش آ جاتا ہے' یہی

نہیں' بلکہ وہ اس وہم باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کی ذات اس جانور کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے (یہ جانور ان کی پسند کے مطابق کوئی چیتل' ہرنی' ببر شیر' کتا یا عقاب ہوتا ہے) اور اس کے بدن میں وہ گولی کھا کر مارے جاتے ہیں۔" ان لوگوں کو یقین واثق ہے کہ ان کے ناگول کی موت کے سبب خود وہ بھی مر جاتے ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ کوئٹزال ٹنانگو کی سطح مرتفع پر اہل ہسپانیہ کے ساتھ لڑائی میں ان ریڈ انڈینوں کے سرداروں کے ناگول نے سانپوں کی صورت میں ان دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا۔ ان کے سردار اعظم کا ناگول ان میں سب سے نمایاں تھا' جس نے ایک چمکدار سبز پرندے کا روپ دھار رکھا تھا۔ ہسپانوی سپہ سالار پیڈرو ڈی الوارڈو نے اپنے نیزے سے اس چڑیا کو مار گرایا' جس کے ساتھ ہی سردار اعظم ڈھیر ہو گیا۔

جنوب مشرقی آسٹریلیا کے بہت سے قبیلوں میں دونوں صنفوں کے افراد کے نزدیک جانوروں کی کوئی خاص نوع وہی حیثیت رکھتی تھی جو وسطی امریکہ کے انڈینوں کے نزدیک ان کے ناگول کی تھی' فرق صرف اتنا تھا کہ ریڈ انڈین بظاہر یہ جانتا تھا کہ کس نوع کے کس خاص جانور سے اس کی زندگی وابستہ ہے۔ برخلاف اس کے آسٹریلیا کا وحشی صرف اتنا جانتا تھا کہ اس کی زندگی کسی خاص نوع کے ایک نہ ایک جانور سے ضرور وابستہ ہے لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر تھا کہ وہ کون سا جانور ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ ان کے ہاں ہر مرد اس نوع کے تمام جانوروں کو مارنے سے گریز کرتا اور ان کی حفاظت کرتا تھا' جس پر مردوں کی زندگی منحصر ہو اور ہر عورت اس نوع کے جانوروں کو مارنے سے محترز رہتی اور اس کی حفاظت کرتی جن پر عورتوں کی زندگی کا دارومدار ہو' کیونکہ ہر شخص بس اتنا ہی جانتا تھا کہ متعلقہ انواع کے جانوروں میں وہ جانور بھی شامل ہے جس کے مارے جانے سے خود اس کی جان بھی جائے گی۔ اس کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے مذکورہ بالا پرندے کی ہلاکت سے انڈین سردار کی' اور پنچکن جادوگر کے قصے میں طوطے کی ہلاکت سے اس جادوگر کی ہلاکت۔ مثلاً جنوب مشرقی آسٹریلیا کے ووٹ جوبالوک قبیلے کے نزدیک "چمگادڑ کی جان آدمی کی جان ہے اور ابابیل کی جان عورت کی جان اور جب ان میں سے کوئی چڑیا ماری جاتی ہے تو کوئی نہ کوئی مرد یا کوئی نہ کوئی عورت کم ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں کیمپ کے ہر آدمی اور ہر عورت کو یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں اس کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ سے

مذکورہ بالا قبیلے میں بڑی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ مجھے پتا چلا ہے کہ ان لڑائیوں میں مرد ایک طرف ہو جاتے اور عورتیں ایک طرف۔ اس بات کا کسی کو یقین نہ ہوتا کہ جیت کس کی ہوگی' کیونکہ بعض اوقات عورتیں مردوں کو پام کی چھڑیوں سے بری طرح پیٹ ڈالتیں اور بسا اوقات وہ نیزوں سے زخمی ہوتے یا مارے جاتے۔" حیوانات کی ان خاص انواع کے بارے میں جن پر اس طرح مرد و زن کی زندگیاں منحصر سمجھی جاتی تھیں' قبیلوں میں کسی قدر اختلاف پایا جاتا تھا۔ چنانچہ چمگادڑ ووٹ جوبالوک قبیلے میں مردوں کا جانور تھی وہاں وہ دریائے مرے کے کنارے گن باور کھاڑی کے آس پاس رہنے والے وحشیوں کے نزدیک عورتوں کا جانور تھی اور یہ لوگ اسے مارنے سے احتراز کرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ "اگر اسے مار ڈالا جائے تو اس کے نتیجے میں ان کی کوئی لبرا (عورت) مر جائے گی۔" مرد و زن سے متعلقہ جانوروں کی اقسام خواہ کچھ بھی رہی ہوں' جنوب مشرقی آسٹریلیا کے بیشتر علاقے میں بلکہ اس سے باہر بھی یہ عقیدہ اور وہ لڑائیاں جن کا یہ عقیدہ محرک تھا' عام تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وکٹوریہ کے بعض قبیلوں میں "معمولی قسم کی چمگادڑ کا تعلق مردوں سے ہے جو اس کی بڑی سخت حفاظت کرتے ہیں اور اس کی خاطر اپنی بیویوں تک کو پیٹنے سے دریغ نہیں کرتے۔ تیز پر یا فرن کا الو عورتوں کا پرندہ ہے اور اگرچہ یہ پرندہ منحوس ہوتا ہے اور رات میں اپنی خوفناک چیخ سے دل ہلا دیتا ہے' لیکن عورتیں اس کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتیں۔ اگر کسی مرد کے ہاتھوں اس قسم کا کوئی پرندہ مارا جائے تو وہ اس طرح غضب ناک ہو جائیں گی جیسے خود ان کا کوئی لخت جگر مارا گیا ہو اور قاتل کو اپنی لمبی لمبی بلیوں سے ٹھونگ ڈالیں گی۔"

آسٹریلوی مردوں اور عورتوں میں علی الترتیب اس طرح چمگادڑوں اور الوؤں کی جو سختی سے حفاظت کی جاتی ہے (کیونکہ یہ پرندے عموماً مردوں اور عورتوں سے مختص ہوتے ہیں) اس کا محرک محض کسی فرد کا ذاتی مفاد نہیں' بلکہ ہر شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نہ صرف اس کی بلکہ اس کے باپ' بھائیوں' بیٹوں وغیرہ کی جانیں بھی خاص چمگادڑوں سے وابستہ ہیں۔ اس لیے چمگادڑ کی نوع کی حفاظت کر کے وہ اپنی اور اپنے ساتھ جملہ اعزائے نرینہ کی حفاظت کر رہا ہے۔ اس طرح ہر عورت کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کی اور اس کی ماں' بہنوں' بیٹیوں وغیرہ سب کی جانیں خاص خاص الوؤں سے یکساں وابستہ ہیں اور الو کی نوع

کی حفاظت خود اس کی اور رشتے کی جملہ عورتوں کی حفاظت ہے۔ اب اگر جانور یوں آدمیوں کے کی جانوں کے درمیان کے حامل ٹھہریں تو ظاہر ہے کہ جانوروں اور آدمیوں کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ اگر میرے بھائی یوحنا کی جان چمگادڑ کے جسم میں ہو تو ایک طرف چمگادڑ میرا بھائی بھی ہوا اور یوحنا بھی اور دوسری طرف یوحنا ایک معنی میں چمگادڑ سے عبارت ہے' کیونکہ اس کی جان چمگادڑ کے جسم میں ہے۔ اسی صورت سے اگر میری بہن مریم کی جان الو کے بدن میں ہو تو الو میری بہن ٹھہرا اور مریم الو۔ یہ نتیجہ قدرتی طور پر نکلتا تھا اور آسٹریلیا والے اس کے اخذ کرنے میں چوکے نہیں۔ جب چمگادڑ مرد کا جانور ہو تو وہ اس کا بھائی اور الو عورت کا جانور ہو تو وہ اس کی بہن کہلاتی ہے۔ اور برعکس اس کے مرد عورت کو الو کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور عورت مرد کو چمگادڑ۔ یہی صورت ان جانوروں کے ساتھ نظر آتی ہے جو دوسرے قبیلوں میں عورتوں اور مردوں کے لیے مختص ہیں۔ مثلاً کرنائیوں میں سارے ایمورین مردوں کے بھائی تھے اور سارے مرد ایمورین' سارے نیلے رین عورتیں اور ساری عورتیں نیلے رین تھیں۔

جب وحشی کسی جانور کا نام اختیار کرتا ہے' اس جانور کو اپنا بھائی کہتا ہے اور اسے مارنے سے گریز کرتا ہے اور ایسے جانور کو اس کا ٹوٹم کہا جاتا ہے۔ لہٰذا چمگادڑ' الو' ایمورین اور نیلے رین کو جنوب مشرقی آسٹریلیا کے ان قبیلوں کے مردوں اور عورتوں کا صنفی ٹوٹم قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ٹوٹموں کی صنف وار تخصیص بہت کم دیکھنے میں آتی ہے اور آسٹریلیا کے سوا اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ عام طور پر ٹوٹم برادریوں یا خاندانوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے' صنف کے لیے نہیں اور نسل در نسل چلا آتا ہے' خواہ سلسلہ نسل عورت سے چلے یا مرد سے۔ فرد کا برادری کے ٹوٹم سے جو رشتہ ہوتا ہے اس کی نوعیت صنفی ٹوٹم کے ساتھ اس کے رشتے سے مختلف نہیں ہوتی۔ وہ ٹوٹم کی جان لینے سے گریز کرے گا' اسے اپنا بھائی کہے گا اور ٹوٹم ہی اس کی عرفیت قرار پائے گی۔ اب اگر دونوں صورتوں پر میں اس رشتے کی ہی رہی ہو تو دونوں صورتوں پر ایک ہی توجیہہ صادق آئے گی۔ لہٰذا کسی برادری میں خاص قسم کے جانوروں یا پودوں کا احترام (کسی برادری کا ٹوٹم پودا بھی ہو سکتا ہے) اور اس جانور کے نام اختیار کیے جانے کا سبب بظاہر یہی عقیدہ ہے کہ برادری کے ہر فرد کی زندگی اس نوع کے کسی نہ کسی جانور یا پودے سے وابستہ ہوتی ہے اور اس جانور یا پودے کے مارے جانے یا فنا

ہونے کے نتیجے میں برادری کا متعلقہ فرد مر جاتا ہے۔ ٹوٹم پرستی کی یہ توجیہہ جنوبی آسٹریلیا کے ٹوٹم یا کوبانگ کی اس تفہیم سے مطابقت رکھتی ہے جو سر جارج گرے نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''خاندان اپنے کوبانگ سے ایک مخفی رشتے میں منسلک ہوتا ہے اور اس کا کوئی فرد اس نوع کے جانور کو کبھی سوتے میں نہیں مارے گا جس سے اس کے کوبانگ کا تعلق ہو' بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ اسے مارنے سے ہمیشہ گریز کرتا ہے۔ اور مارنے سے پہلے اسے بچ نکلنے کا موقع ضرور دیتا ہے۔ اس گریز کی بنیاد خاندان کے اس اعتقاد پر ہے کہ اس نوع کے کسی نہ کسی جانور کے ساتھ اس کا رشتہ دوستی استوار ہے' جس کا مارنا ایک سنگین جرم ہے اور اس لیے اس فعل سے احتراز واجب ہے۔ اسی صورت سے کسی آسٹریلوی کا کوبانگ کوئی سبزی ہو تو وہ بعض حالات میں اور خاص موسم میں اس سبزی کو نہیں چن سکتا۔'' یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اگرچہ ہر شخص کسی نہ کسی نوع کے تمام جانوروں اور پودوں کی جان لینے سے گریز کرتا ہے' لیکن وہ سب اس کے لیے برابر نہیں۔ ساری نوع میں صرف ایک جانور یا پودا اسے خاص طور پر عزیز ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اسے خبر نہیں ہوتی کہ وہ پیارا جانور یا پودا کون سا ہے لہٰذا اس اندیشے سے کہ کہیں اس جانور یا شجر عزیز کے چوٹ نہ آ جائے وہ ناچار اس کی ساری نوع کو گزند پہنچانے سے گریز کرتا ہے۔ مزید برآں ٹوٹم کی نوع کے کسی فرد کی ہلاکت یا اتلاف کا جو فرضی نتیجہ مرتب ہوتا ہے اس سے بھی ساری برادری کے ٹوٹم کی توجیہہ مطابقت رکھتی ہے۔ ''ایک دن کسی آسٹریلوی وحشی نے ایک کوا مارا۔ اس کے تین یا چار دن بعد ایک پورتوا (کوا) یعنی کوا برادری کا ایک آدمی جس کا نام لاری تھا مر گیا۔ وہ کچھ دنوں سے بیمار چلا آتا تھا' لیکن اپنے ونگا نگ کے مارے جانے سے اس کا خاتمہ جلد ہو گیا۔'' ایک کوے کو مارے جانے کے نتیجے میں کوا برادری کے ایک فرد کی موت کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے صنفی ٹوٹموں کی صورت میں چمگادڑ کی موت کے باعث چمگادڑ مرد کی موت یا الو کی موت کے باعث الو عورت کی موت واقع ہو جائے۔ اسی صورت سے وسطی امریکہ کے ریڈ انڈین کی موت اس کے ناگول کے مارے جانے سے واقع ہو جاتی ہے' کالا باری حبشی کی اپنی 'روح بیشہ' کے مارے جانے سے' بینک آئی لینڈ والے کا اپنے تمانیو اور داستانی جادوگر کی موت اس جانور کے مارے جانے سے جس میں اس نے اپنی روح محفوظ رکھی ہو۔

اسی طرح شاید ''بیدل دیو'' کی کہانی سے اس فرضی رشتے کی توضیح ہو سکے جو

آدمی اور اس کے ٹوٹم کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ اس نظریے کی رو سے ٹوٹم محض ایک ایسا ظرف یا قالب قرار پاتا ہے جس میں آدمی اپنی جان رکھا کرتا ہو جیسے کہ پچکن نے اپنی جان طوطے میں ڈال رکھی تھی اور بیداساری کی جان سنہری مچھلی کے قالب میں منتقل کر دی گئی تھی۔ اس ضمن میں یہ جو اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ جب وحشی کے دو دو ٹوٹم ہوں' ایک صنفی اور ایک خاندانی تو اس کی زندگی دو مختلف قسم کے جانوروں سے وابستہ ہوگی' جن میں کسی ایک کی بھی موت کے سبب خود اس کی موت واقع ہو جائے' وہ کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اگر آدمی کے جسم میں ایک سے زائد اعضائے رئیسہ موجود ہوں تو وحشی کے یہ تصور کرنے میں کہ کون سا امر مانع ہو سکتا ہے کہ اس کے جسم سے باہر اس کی روح کے ایک سے زائد مرکز ہو سکتے ہیں۔ جب وہ اپنی روح کو جسم سے علیحدہ کر سکتا ہے تو وہ اس کے مختلف اجزا علیحدہ علیحدہ جانوروں میں کیوں نہ منتقل کرے؟ یہ تصور عام واقعات کے مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے اور اسے افلاطون جیسے فلسفیوں کے ساتھ ساتھ وحشیوں کی بھی حمایت حاصل رہی ہے۔ روح صرف اسی وقت ایک ناقابل تقسیم وحدت قرار پاتی ہے جب اس کا تصور ایک سائنسی فرضیے کے بجائے دینیاتی اذعان (Dogma) کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ وحشی چونکہ ذعانی بندشوں سے آزاد ہوتا ہے' اس لیے زندگی کے حقائق کے افہام و تفہیم میں حسب ضرورت کئی روحوں کا وجود فرض کر لیتا ہے۔ چنانچہ کاریبوں نے فرض کر رکھا تھا کہ آدمی کے سر میں ایک روح ہوتی ہے' دل میں ایک اور ایک ایک جسم کے ہر اس حصے میں جہاں شریان کی حرکت محسوس ہوتی ہو۔ نزع کی حالت میں آدمی کا دم چونکہ رفتہ رفتہ نکلتا ہے اور سب سے پہلے ہاتھ پاؤں بے حس ہوتے نظر آتے ہیں لہٰذا امریکہ کے ہیڈاٹسا اس کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ آدمی کی چار روحیں ہیں جو ایک ساتھ جسم سے جدا نہیں ہوتیں بلکہ ایک ایک کر کے نکلتی ہیں اور موت کا عمل اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ چاروں روحیں جسم کو نہ چھوڑ جائیں۔ بورنیو کے کچھ داکوں اور جزیرہ نمائے ملایا کے بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہر آدمی کی سات روحیں ہیں۔ سلیبیز کے پوسو والے الفوروں کے خیال میں ان کی تین تین روحیں ہیں۔ لاؤس والے سمجھتے ہیں کہ آدمی کا جسم تیس روحوں کا مرکز ہے جو ہاتھوں' پاؤں' منہ اور آنکھوں وغیرہ میں بستی ہیں۔ لہٰذا جاہلی نقطۂ نظر سے یہ قطعی ممکن ہے کہ آدمی کی ایک روح اس کے صنفی ٹوٹم میں ہو اور ایک روح خاندانی ٹوٹم میں۔ تاہم جیسا کہ میں بتا چکا ہوں' صنفی

ٹوٹم کی نظیر آسٹریلیا کے سوا دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ لہٰذا اصولاً ٹوٹم پرست وحشی کے لیے یہ ضروری نہیں رہتا کہ اس کی ایک سے زائد روحیں جسم سے علیحدہ ہوں۔

اگر ٹوٹم کی یہ تفہیم درست ہے کہ اس کی مثال ایک روح دان کی سی ہے جس میں آدمی اپنی متعدد روحوں سے کسی ایک روح کو رکھ چھوڑتا ہو تو کوئی نہ کوئی ٹوٹم پرست قوم ایسی ضرور ہونی چاہیے جس کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہو کہ اس کا ہر فرد کم از کم اپنی ایک روح مستقل طور پر جسم سے باہر رکھتا ہے اور عام خیال کے بموجب اس روح منفک کی موت متعلقہ شخص کی موت کا باعث ہو جاتی ہے۔ ایسی ایک ٹوٹم پرست قوم سوماترا کے باتک ہیں۔ یہ بہت سے خاندانوں یا برادریوں (مارگاؤں) میں بٹے ہوئے ہیں' جن کا سلسلہ نسل مردوں سے چلتا ہے اور جو ازدواج خارجی (Exogany) کے پابند ہیں۔ ان میں ہر خاندان پر کسی نہ کسی خاص جانور کا گوشت حرام ہے۔ چنانچہ ایک خاندان شیر کا گوشت' ایک بندر' ایک مگرمچھ' ایک کتے' ایک بلی' ایک فاختہ اور ایک سفید بھینس کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ کسی خاص خاندان کے افراد کسی خاص جانور کی نوع سے بچتا ہے کہ مرنے کے بعد ان کی روحوں کا تناسخ جانوروں کی اس نوع کے قالب میں واقع ہوگا یا ان کے اسلاف کسی نہ کسی طرح اس تعلق کے رہین منت رہے ہیں۔ کبھی کبھی خاندان اسی جانور کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا اس طرح ہر باتک مکمل طور پر ٹوٹم پرست ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ہر باتک یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ اس کی سات روحیں ہیں جو ان میں ذرا اعتدال پسند واقع ہوا ہو وہ کم از کم تین روحوں کا مالک ضرور ہے۔ ان میں ایک روح ہمیشہ جسم سے باہر رہتی ہے لیکن جب کبھی وہ مرتی ہے تو اسی لمحے آدمی بھی مر جاتا ہے' خواہ اس وقت وہ اس سے کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہو۔ جس مصنف نے اس عقیدے کا ذکر کیا ہے وہ باتکوں کی ٹوٹم پرستی کے بارے میں کچھ نہیں کہتا لیکن آسٹریلیا' وسطی امریکہ اور افریقہ کے نظائر کی بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ خارجی روح جس کی موت کے باعث انسان کی موت بھی واقع ہو جاتی ہو' ٹوٹم والے جانور یا پودے میں ہوتی ہے۔ یہ امر کہ باتک قطعی طور پر یہ نہیں بتاتا کہ اس کی خارجی روح اس کے ٹوٹم میں ہے بلکہ وہ اپنے خاندان کے مخصوص پودے یا جانور کے احترام کے وجوہ کچھ اور ہی بیان کرتا ہے۔ ٹوٹم اور خارجی روح سے متعلق مذکورہ بالا نظریے کے منافی نہیں کیونکہ اگر وحشی سنجیدگی کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اس کی زندگی کسی

خارجی شے سے وابستہ ہے تو وہ کسی اجنبی کو ہرگز اپنا بھید نہ دے گا۔ ہر اس چیز کے معاملے میں جس کا تعلق اس کے باطنی معتقدات کا پتا نہ چلا سکے اور بسا اوقات ان معتقدات کا انکشاف ان پر محض اتفاق سے ہوا ہے۔ وحشی کی اس احتیاط اور رازداری کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس کو جادو کے زور سے اپنے قتل کا ہر دم دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اس کا ایک ادنیٰ سا جزو ذات یا جزو جسم بھی۔ اس کے بال' ناخن' تھوک' پس خوردہ بلکہ اس کا نام بھی... جادوگر اس کی بربادی کے لیے استعمال کر سکتا ہے اور اس وجہ سے وہ انتہائی احتیاط سے یا تو ان اجزاء کو چھپائے رکھتا ہے یا تلف کر ڈالتا ہے۔ جب وہ اپنے ایسے ادنیٰ اجزائے بدن کو اس قدر پردہ خفا میں رکھتا ہو تو اس احتیاط اور رازداری کا کیا ٹھکانا جو اپنی روح کے معاملے میں برتتا ہوگا! دیو کی ایک کہانی آپ کی نظر سے گزر چکی ہے' جس میں شہزادی دیو سے پوچھتی ہے کہ وہ اپنی روح کہاں رکھا کرتا ہے۔ لیکن دیو اس کا صحیح پتا دینے سے گریز کرتا ہے اور آخر بڑی خوشامد اور للو پتو سے اس کا بھید اگلوایا جاتا ہے۔ ڈرپوک اور حیلہ جو وحشی کی مثال اس شکی اور محتاط دیو کی سی ہے۔ لیکن جہاں کہانی کا اقتضا یہ ہے کہ دیو اپنا راز افشا کر دے وہاں وحشی پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ کسی چیز کی تحریص اس کو اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس جگہ کا پتا دے جہاں وہ اپنی روح رکھا کرتا ہو۔ یہ امر چنداں باعث تعجب نہیں کہ وحشی کا اصل راز حیات عرصہ دراز تک چھپا رہا ہو' جس کے انکشاف کے لیے ہمیں بڑی کاوش سے بے ربط اشاروں اور ان یادوں کو جوڑنا پڑا جو خیالی افسانوں میں محفوظ رہ گئی ہیں۔

◆ ○ ◆

19
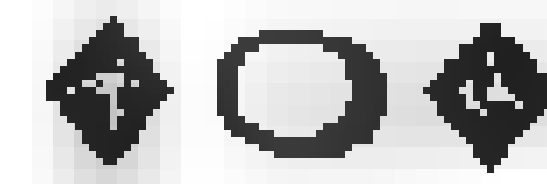
شجری روحیں

یورپ کی آریائی اقوام کی تاریخ میں درختوں کی پرستش کا بڑا اہم حصہ رہا ہے اور یہ بالکل قدرتی بات تھی' اس لیے کہ تاریخ کے آغاز کے وقت یورپ کی سرزمین پر عہد ولی کے گھنے جنگل چھائے ہوئے تھے جن میں جگہ جگہ زرعی اراضی کے کھلے ٹکڑے اس طرح بکھرے ہوئے ہوں گے جیسے سمندر میں ننھے ننھے ٹاپو' پہلی صدی قبل مسیح تک صحرائے ہرمیلیا (جنوبی اور وسطی جرمنی کا قدیم پہاڑی بن) رھائن سے لے کر مشرق کی جانب اس قدر وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا کہ اس کی حد کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ان جرمنوں نے جو اس صحرا میں سے گزرے تھے' سیزر کے دریافت کرنے پر بتایا کہ وہ اس میں دو مہینے تک سفر کرتے رہے مگر اس کے سرے تک نہ پہنچ پائے۔ چار صدی بعد شہنشاہ جولین اس میں گیا ہوگا تو اس کی طبع حساس پر اس جنگل کی تنہائی' اداسی اور سکوت نے گہرا اثر کیا ہوگا اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکا ہوگا کہ سلطنت روما میں کوئی چیز اس جنگل کا جواب نہیں۔ خود انگلستان میں ویلڈ کے اضلاع کینٹ' سرے اور سسکس انڈریڈا کے عظیم الشان جنگل کی یادگار ہیں جو کسی زمانے میں جزیرہ برطانیہ کے سارے جنوب مشرقی حصے پر چھایا ہوا تھا۔ مغرب میں غالباً اس کی حدیں ایک اور بن سے جا ملی تھیں جو ہمپشائر سے ڈے ون تک چلا گیا تھا۔ ہنری دوم کے عہد حکومت تک اہل لندن ہمسٹیڈ کے بنوں میں جنگلی بیل اور سور کا شکار کیا کرتے تھے' بلکہ پلانٹیجینٹ خاندان (انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم سے رچرڈ سوم تک اسی خاندان سے تعلق

رکھتے تھے) کے بعد کے بادشاہوں کے عہد میں بھی شاہی جنگلات کی تعداد اڑسٹھ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آرڈن بن کے اندر (انگلستان میں مڈلینڈ کا قدیم جنگل' شیکسپیر کے مشہور طربیہ ''ایز یو لائک اٹ'' کے بیشتر حصے کا سین یہی بن ہے) دور جدید میں بھی وارک شائر کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک گلہری پیڑ پیڑ چھلانگ لگا سکتی تھی۔ دریائے پوکی وادی میں سے قدیم شہتیری گاؤں کی کھدائی سے اس امر کا انکشاف ہوا ہے کہ سلطنت روما کے عروج بلکہ غالباً اس کی بنا پڑنے سے بہت پہلے شمالی اٹلی پر ناردن (ایلم) شاہ بلوط (چیسٹ نٹ) اور خاص کر اوک (بلوط) کے گنجان جنگل چھائے ہوئے تھے۔ یہاں تاریخ سے آثار قدیمہ کی تائید ہوتی ہے' اس لیے کلاسیکی اہل قلم کے ہاں اٹلی کے ایسے جنگلوں کا کئی جگہ ذکر آیا ہے جن کا آج نشان بھی باقی نہیں۔ روم اور اترور یا کے درمیان جیمنی کا خوفناک جنگل حائل تھا' جس کا لیوی (رومی مورخ جو پہلی صدی قبل مسیح میں گزرا ہے) نے جرمنی کے بنوں سے مقابلہ کیا ہے۔ اگر اس رومی مورخ کے بیان پر یقین کیا جائے تو کبھی کسی تاجر کو اس بے راہ جنگل کی تنہائیوں میں قدم رکھنے کی جرأت نہ ہوئی اور جب ایک رومی جرنل اس کی دشوار گزاریوں کا پتا چلانے کے لیے دو اسکاؤٹوں کو بھیجنے کے بعد اس میں اپنی فوج لے کے گیا اور بڑھتا ہوا اس پہاڑی بن کی چوٹی پر جا پہنچا جس کے دامن میں اترور یا کے زرخیز کھیت لہلہاتے تھے' تو لوگ اس کی دلیری پر عش عش کرنے لگے۔ یونان میں صنوبر' بلوط اور دوسرے خوبصورت درخت آرکیڈیا کی پہاڑوں کی ڈھلانوں پر اب تک باقی ہیں' جن کی تازگی و شادابی آج بھی اس گہری گھاٹی کے حسن کو دوبالا کرتی ہے جس میں سے دریائے لاڈن بہتا ہو مقدس الفیوس (جنوبی جزیرہ نمائے یونان پیلوپونیس کا سب سے بڑا دریا) میں جا ملتا ہے اور چند سال بیشتر تک جن کا عکس لینیس کی سنسان جھیل کے سیاہی مائل نیلے پانی میں پڑتا رہتا تھا۔ لیکن یہ درخت ان جنگلات کا بچا کھچا حصہ ہیں جو عہد کہن میں وسیع علاقوں کو ڈھانکے ہوئے تھے اور جو شاید قدیم تر زمانے میں جزیرہ نمائے یونان پر سمندر سے سمندر تک محیط تھے۔

گرم (Grimm) نے (جرمن ماہر لسانیات جو انیسویں صدی میں گزرا ہے) لفظ ٹیمپل' (عبادت گاہ) کے تیوتانی مترادفات کی جو تحقیقات کی ہے اس سے یہ بات قرین قیاس ہو جاتی ہے کہ جرمنوں کے قدیم ترین معابد قدرتی بن تھے۔ بہر کیف آریائی نسل کی

ساری یورپی اقوام میں شجر پرستی کا رواج ایک مصدقہ چیز ہے۔ کیلٹ قوم کے ڈروئڈوں (کیلٹوں کے مذہبی رہنما اور جادوگر جو تناسخ پر اعتقاد رکھتے تھے) کی اوک یوجا یا بلوط پرستی سے بھی واقف ہیں عبادت گاہ کے لیے ان کی زبان کے قدیم الفاظ اپنی اصل اور مفہوم کے لحاظ سے لاطینی لفظ نیمس (Numus) کے مماثل ہیں' یہ مفہوم نیمی کے نام میں اب تک موجود ہے۔ مقدس شجر زار قدیم زمانے کے جرمنوں کے ہاں عام تھے اور ان کے اخلاف میں شجر پرستی کا آج تک خاتمہ نہیں ہوا۔ قدیم زمانے میں درختوں کی پرستش کس قدر سنجیدگی کے ساتھ ہوتی تھی' اس کا کچھ اندازہ اس ظالمانہ سزا سے ہوتا ہے جو قدیم جرمن قوانین میں کسی درخت کی چھال اتارنے کے لیے مقرر تھی۔ اس قانون کے بموجب ایسے مجرم کی ناف کاٹ کر نکال لی جاتی اور اس درخت میں ٹھونک دی جاتی جس کی چھال اتارنے کا وہ مرتکب ہوتا پھر اس کو درخت کے اطراف ہانکا جاتا تا آنکہ اس مجرم کی ساری انتڑیاں اس کے تنے سے نہ لپٹ جاتیں۔ اس سزا کا مقصد صاف یہ تھا کہ مردہ چھال کے بدلے مجرم کے جسم کا جاندار حصہ درخت پر لگا دیا جائے۔ یہ ایک طرح سے قصاص تھا' یعنی درخت کی جان کا بدلہ آدمی کی جان' سویڈن کے قدیم مذہبی دارالسلطنت اپسال میں ایک مقدس شجر زار تھا جس کے ہر شجر کی حیثیت ایک دیوتا کی سی تھی۔ بت پرست سلافی درختوں اور شجر زاروں کو پوجا کرتے تھے۔ اہل لیتھونیا چودھویں صدی تک اپنے قدیم مذہب پر قائم تھے اور جس وقت انہوں نے عیسائی مذہب قبول کیا ان کے ہاں درختوں کی پوجا ایک نمایاں چیز تھی۔ ان میں بعض لوگ بلوط کے تناور درختوں اور دوسرے بڑے بڑے پیڑوں کا بہت احترام کرتے تھے جن سے انہیں غیب کے جوابات سنائی دیتے تھے اور بعض لوگ اپنے گاؤں اور گھروں کے آس پاس مقدس درختوں کے جھنڈ کھڑے رکھتے تھے جن میں سے ایک ڈالی بھی توڑنی گناہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے کسی شجر زار کی ٹہنی توڑنے والے کی یا تو اچانک موت واقع ہو جاتی ہے یا اس کے عضو میں نقص آ جاتا ہے۔ قدیم یونان اور اٹلی میں شجر پرستی کے ثبوت بہ کثرت ملتے ہیں۔ مثلاً کاس کے مقام پر اسقلیبیس کے معبد میں سرو کی ٹہنی توڑنا ممنوع تھا جس کا جرمانہ ایک ہزار درہم تھا۔ لیکن شاید سب سے زیادہ خود روما الکبریٰ میں مذہب کی یہ قدیم صورت محفوظ چلی آئی تھی۔ فورم میں جو اہل روم کی سرگرمیوں کا مرکز تھا رومولس (بانی روم) کے انجیر کے پودے کی عہد شہنشاہیت تک پرستش ہوتی رہی اور اس کے تنے کا مرجھا

جاتا سارے شہر میں سراسیمگی پھیلانے کے لیے کافی تھا۔ اس کے علاوہ کوہ پیلیٹائن (یہ شہر روم کی سات پہاڑیوں میں سے ایک کا نام ہے' روم کے ابتدائی بادشاہ اسی پر قیام رکھتے تھے) کی ڈھلان پر ایک قرانیا (ایک درخت جس کا پھل زیتون کے برابر اور اس کے مشابہ ہوتا ہے) تھا جس کا روم کی مقدس ترین چیزوں میں شمار ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی راہ گیر اس درخت کو پژمردہ دیکھ پاتا' غل مچا دیتا۔ گلی کوچوں میں لوگ اس کا ساتھ دیتے اور تھوڑی دیر میں ہر طرف سے ایک ہجوم پانی کی بالٹیاں لیے سراسیمگی کی حالت میں اس طرح بھاگتا نظر آتا (بقول پلوٹارک) جیسے کہیں آگ لگی ہو۔

یورپ میں فنی اوگریائی نسل (شمال مشرقی یورپ کی سوئی نسل) کے کافر قبیلے اپنی رسوم پرستش زیادہ تر مقدس شجرزاروں میں ادا کیا کرتے تھے جن کے اردگرد ہمیشہ احاطہ کھنچا ہوتا۔ ان کا بیڑ مندر اکثر محض چند درختوں سے گھرے ہوئے ایک کھلے میدان یا زمین کے کسی صاف قطعے پر مشتمل ہوتا اور کسی زمانے میں ان درختوں پر قربانی کی کھالیں ٹنگی ہوتیں۔ کم از کم قبائل والگا میں ایسے بیڑ مندر کا مرکز ایک مقدس شجر ہوتا۔ جس کے آگے کسی کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس درخت کے سامنے اس کے پوجنے والے جمع ہوتے اور پروہت پوجا پاٹ کی رسم ادا کرتا۔ اس کی جڑوں میں قربانی کی جاتی اور بعض اوقات اس کی شاخوں سے منبر کا کام لیا جاتا۔ اس شجرزار میں لکڑی کاٹنے یا کسی درخت کی ڈالی توڑنے کی اجازت نہ تھی اور اس میں عورتوں کا داخلہ ممنوع تھا۔

لیکن یہاں ضروری ہے کہ کسی قدر تفصیل سے ان تصورات کی جانچ پڑتال کی جائے جن پر درختوں اور پودوں کی پرستش مبنی ہے۔ وحشی عالم کو بالعموم ذی حیات تصور کرتا ہے اور پیڑ پودے اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ وہ اپنی طرح انہیں بھی ذی روح سمجھتا ہے اور اسی برتاؤ کا مستحق جو ذی روح مخلوق کے سزاوار ہو۔ پورفری' جو نباتات خوری کا حامی تھا' لکھتا ہے۔

"کہتے ہیں عہد جاہلیت میں لوگوں کی زندگی اجیرن تھی اس لیے ان کے دائرہ توہمات میں جانور تو جانور پودے بھی داخل تھے' لہٰذا وہ سمجھتے تھے کہ بیل یا بھیڑ کو ذبح کرنا بلوط اور صنوبر کے کاٹنے سے زیادہ برا فعل کیوں ہو جب کہ ان درختوں کے اندر بھی روح موجود ہے؟"

اسی طرح شمالی امریکہ کی ہیڈالسا قوم کا عقیدہ ہے کہ فطرت کی ہر شے ذی روح

ہے یا یوں کہہ لیں کہ اس پر روح کا سایہ ہے۔ ان سایوں کا کچھ نہ کچھ لحاظ یا ادب واجب ہے۔ مثال کے طور پر سیمل کے پیڑ کے متعلق' جو میسوری کی پامائی وادی میں سب سے بڑا درخت ہے' یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی ذہنی صلاحیت رکھتا ہے کہ اگر اس سے مناسب طور پر رجوع کیا جائے تو بعض کاموں میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ لیکن ان کے ہاں جھاڑیوں اور گھاس والی روح یا سائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ جس وقت موسم بہار میں بارش یا برف پگھلنے کے سبب دریائے میسوری چڑھ آتا ہے اور اپنے کناروں کے کچھ حصے کے ساتھ کسی اونچے درخت کو بہا لے جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ جب تک درخت کی جڑیں زمین میں گڑی رہتی ہیں اور اس کا تنا چھینٹے اڑاتا ہوا دریا میں گر نہیں پڑتا' اس کی روح چیختی رہتی ہے۔ امریکہ کے قدیم باشندے کسی زمانے میں ان قوی ہیکل پیڑوں میں سے کسی کو کاٹنا اچھا نہیں سمجھتے تھے اور انہیں لکڑیوں کی ضرورت ہوتی تو ایسے پیڑوں کو کام میں لاتے جو خود بخود گر پڑے ہوں۔ کچھ عرصہ بیشتر تک ضعیف الاعتقاد بوڑھے علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ ان کی قوم کی بہت سی مصیبتوں کا سبب موجودہ زمانے میں سیمل کے درختوں کے حقوق سے بے اعتنائی ہے۔ اریکوئی قوم (ریاست نیویارک کے جنگ جو قبائل) کا عقیدہ تھا کہ ہر قسم کے درخت' جھاڑی' پودے اور جڑی بوٹی میں اس کی اپنی ایک روح موجود ہے اور اس قوم کے لوگ ان روحوں کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔ مشرقی امریکہ کے داریٹا لوگوں کا خیال ہے کہ ہر درخت' خاص کر ناریل کا درخت ذی روح ہے "ان کے نزدیک کسی ناریل کے درخت کو برباد کرنا بمنزلہ مادر کشی کے ہے' اس لیے وہ ان کی اسی طرح پرورش کرتا ہے جس طرح ماں بچے کی کرتی ہو۔" سیامی راہب اس عقیدے کی بنا پر کہ ہر جگہ روحیں جاری و ساری ہیں اور کسی بھی چیز کو برباد کرنا کسی روح کو جبراً بے دخل کرنے سے عبارت ہے' کسی درخت کی ٹہنی توڑنے سے اسی طرح احتراز کریں گے جس طرح ایک معصوم شخص کا بازو توڑنے سے۔ یہ راہب بدھ مت والے جوگیوں کے سوا کوئی اور نہیں۔ لیکن بدھ مت میں روحیت مظاہر یا نیست (Animism) کا جو عنصر پایا جاتا ہے وہ کوئی فلسفیانہ نظریہ نہیں' بلکہ محض ایک عام وحشیانہ اعتقاد ہے جو مذہب کے ایک تاریخی نظام میں شامل کر لیا گیا ہے۔ بینلے اور اس کے ہم خیال لوگوں کی یہ رائے کہ ایشیا کی غیر مہذب قوموں میں روحیت مظاہر یہ نیست کے جو نظریے ملتے ہیں وہ بدھ مت سے ماخوذ ہیں' حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔

بعض صورتوں میں صرف خاص قسم کے درختوں کو روحوں کا مسکن تصور کیا جاتا ہے۔ ڈالمیشیا (آسٹریا) میں گرباج کے لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ چیچ' بلوط اور دوسرے بڑے بڑے پیڑوں میں بعض ایسے ہیں جن میں روحیں ودیعت کی گئی ہیں اور جو کوئی ان میں سے کسی پیڑ کو کاٹے اس کا وہیں مرجانا یا کم از کم عمر بھر کے لیے اپاہج ہو جانا لازمی ہے۔ اگر کسی لکڑہارے کو یہ ڈر ہو کہ اس نے اس قسم کے کسی ذی روح درخت کو کاٹ ڈالا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس پیڑ کی ٹھنٹھ پر اسی کلہاڑی سے جس سے اس نے کٹائی کی ہو' ایک مرغا ذبح کرے۔ ایسا کرنے سے اسے کوئی گزند نہیں پہنچے پائے گا' خواہ وہ پیڑ واقعی ذی روح ہی کیوں نہ ہو۔ ریشمی روئی کے درخت' جن کے زبردست تنے اس قدر اونچے نکلتے ہیں کہ دوسرے تمام درخت ان کے آگے پست ہو کر رہ جاتے ہیں' سینیگل سے لے کر نائیجر تک سارے مغربی افریقہ میں مقدس سمجھے جاتے ہیں اور ان کے متعلق وہاں کے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کسی دیوتا یا روح کا ٹھکانہ ہیں۔ سلیو کوسٹ (گنی) کی ایوزبان بولنے والی قوموں میں اس بلند قامت درخت میں بسنے والا دیوتا ہُنتن کہلاتا ہے۔ لیکن وہ ریشمی روئی کے ہر درخت کو اپنی سکونت سے عزت نہیں بخشتا۔ جو خاص درخت اس کا مسکن ہوتے ہیں' ان کے گرد کھجور کے پتوں کا حلقہ بنا دیا جاتا ہے اور مرغیوں' نیز کبھی کبھی انسانوں کی بھینٹ اس کے تنے سے باندھ دی جاتی ہے۔ اس درخت کو جس کی نشاندہی اس طرح کھجور کے پتوں کا حلقہ بنا کر کی گئی ہو' کاٹنے یا کسی اور طرح گزند پہنچانے کی اجازت نہیں۔ اسی قسم کے ایسے درختوں کی کٹائی بھی ممنوع ہے جو ہُنتن کی روح سے خالی ہوں' تاوقتیکہ لکڑہارا پہلے مرغیوں یا کھجور کے تیل کی بھینٹ چڑھا کر اس کی بے حرمتی کا کفارہ نہ دے دے۔ اس بھینٹ کے چڑھانے میں فروگزاشت ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا موت ہو سکتی ہے۔ پنجاب میں کانگڑے کی پہاڑیوں میں ہر سال ایک لڑکی ایک پرانے دیودار کے درخت پر بھینٹ چڑھائی جاتی تھی۔ یہ لڑکی دیہات کے کنبے باری باری فراہم کرتے تھے۔ چند سال ہوئے اس درخت کو کاٹ ڈالا گیا۔

اگر درخت ذی روح ہوں تو ان کا حساس ہونا بھی ضروری ہے' اس کی وجہ سے ان کی کٹائی ایک نازک عمل جراحی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں مریض کے احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے پوری پوری احتیاط برتنی چاہیے' ورنہ جراح اناڑی ہو تو وہ

الٹ کر اس کا بھرتا نکال دیں گے۔ جب بلوط کے کسی درخت کی کٹائی کی جاتی ہے تو ''اس کی آہ و بکا میلوں سنی جا سکتی ہے' جیسے بلوط کی روح فریاد کرتی ہو۔ ای۔ وائلڈ صاحب نے یہ فریاد بارہا سنی ہے۔'' اوجبوے قبیلے کے لوگ ''شاید ہی کبھی کسی سرسبز درخت کو کاٹتے ہوں' ان کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے اس درخت کو تکلیف ہوتی ہے اور ان کے بعض طلسم گروں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے کلہاڑی کی دھار کے تلے درختوں کی گریہ وزاری سنی ہے۔'' ایسے درختوں کا ذکر چینی کتابوں بلکہ مستند تاریخوں میں بہ کثرت ملتا ہے جو کاٹنے یا جلانے سے لہولہان ہو جاتے ہیں یا درد و کرب یا غم و غصہ سے چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ آسٹریا کے بوڑھے کسانوں کا اب تک اس بات پر اعتقاد ہے کہ جنگل کے درخت ذی روح ہوتے ہیں اور وہ بلا کسی خاص وجہ کے ان کی چھال چیرنے نہیں دیتے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ درخت اپنی خراش کو اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی زخمی آدمی اپنے زخم کو۔ جب وہ کسی درخت کی کٹائی کرنے لگتے ہیں تو اس سے معافی مانگ لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپلیٹینیٹ (جرمنی) کے بالائی علاقے میں بھی بوڑھے لکڑہارے اب تک کسی طرح خوبصورت اور صحیح و سالم درخت کو کاٹنے سے قبل چپکے سے اس سے معذرت کر لیتے ہیں۔ اسی طرح جارکیتو میں لکڑہارا جس درخت کو کاٹتا ہے اس سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ لوزان (فلپائن) کے الوکین کسی تازہ جنگل یا پہاڑیوں میں درختوں کی کٹائی سے پہلے جو کچھ اشلوک پڑھتے ہیں' جن کا مطلب یہ ہے ''اے ہمارے عزیزو! گھبرائیے مت' ہم تجھے کاٹتے ہیں کہ حکم سے مجبور ہیں۔'' اس کارروائی سے انہیں اپنے آپ کو ان روحوں کی عداوت سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے جو درختوں میں بستی ہیں اور جو بلا وجہ نقصان پہنچانے والوں کو کسی شدید مرض میں مبتلا کر کے اپنا انتقام لیتی ہیں۔ وسطی افریقہ کے باسوگا قبیلے کا خیال ہے کہ جب کوئی درخت کاٹا جاتا ہے تو اس میں سمائی ہوئی روح غضب ناک ہو جاتی ہے اور اس کے سردار کے کنبے کو ہلاک کر سکتی ہے۔ اس آفت سے بچنے کے لیے وہ کسی درخت کی کٹائی سے پہلے کسی نیرنگ ساز یا طلسم گر سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ اگر یہ ماہر فن کٹائی کی اجازت دے دے تو لکڑہارا پہلے ایک مرغی اور بکری اس درخت کو پیش کرتا ہے اور اپنی کلہاڑی کی پہلی ضرب کی چیر پر اپنا منہ رکھ کر اس کا تھوڑا سا ست چوس لیتا ہے۔ اس صورت سے' جس طرح دو آدمی ایک دوسرے کا خون چوس کر خونی رشتے کے بھائی بن جاتے ہیں' وہ

اس درخت سے برادرانہ رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے پیڑ بھائی کو بلا خوف سزا کاٹ سکتا ہے۔

لیکن نباتات کی روحوں سے یہ مودبانہ سلوک ہمیشہ نہیں ہوتا۔ اگر میٹھے بول اور نرمی کا برتاؤ ان پر اثر نہ کرے تو بعض اوقات ان پر سختی کی جاتی ہے۔ شرق الہند میں ڈوریو کے درخت کا پھل، جس کا سپاٹ تنا آٹھ نو فٹ اونچا ہوتا ہے، نہایت خوش ذائقہ لیکن بڑا بودار ہوتا ہے۔ ملایا والے اس پھل کے لیے اس درخت کی کاشت کرتے ہیں اور پتا چلا ہے کہ اس کی بارآوری کے لیے ایک خاص رسم ادا کی جاتی ہے۔ سیلانگر میں جگرا کے قریب ڈوریو کا ایک چھوٹا سا باغ ہے۔ دیہات کے لوگ ایک خاص جگہ مقرر کر کے اس باغ میں جمع ہوا کرتے ہیں، جس کے بعد کوئی مقامی جادوگر اس درخت پر جو سب سے زیادہ بے ثمر ہوتا ہے، شدید ضربیں لگاتا اور اس کے ساتھ یہ کہتا جاتا ہے "بتا اب تو بار لائے گا یا نہیں، اگر نہیں لائے گا تو میں تجھے کاٹ ڈالوں گا۔" اس کا جواب وہ درخت ایک اور شخص کی زبانی جو قریب ہی کسی منگوسٹین کے پیڑ پر چڑھا ہوتا (ڈوریو پر چڑھا نہیں جاتا) یہ دیتا "میں اب ضرور بار لاؤں گا، مجھے نہ کاٹو۔" اسی صورت میں جاپان میں درختوں کی ثمر آور کرنے کے لیے دو آدمی باغ میں پہنچتے ہیں ایک آدمی ایک درخت پر چڑھ جاتا ہے اور دوسرا اس کے نیچے کلہاڑی لیے کھڑا ہو جاتا ہے، پھر یہ کلہاڑی والا اس درخت سے پوچھتا ہے کہ وہ آئندہ سال اچھی فصل دے گا یا نہیں؟ نیز وہ اسے دھمکی دیتا ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اسے کاٹ کر گرا دیا جائے گا۔ اس کا جواب درخت کی شاخوں سے اس کا ساتھی یہ دیتا ہے کہ وہ اگلی فصل میں گھن گھنا کر بار لائے گا۔ باغ بانی کا یہ طریقہ ہمیں کچھ عجیب و غریب معلوم ہوگا، لیکن اس کی ہو بہو مثالیں یورپ میں بھی ملتی ہیں۔ کرسمس کی رات جنوبی سلیوینیا اور بلغاریہ کے متعدد کسان یہ کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک آدمی میوے کے کسی بانجھ درخت کو ڈرانے کے لیے اس پر کلہاڑی گھمانے لگتا ہے اور ایک کسان جو اس کے برابر کھڑا ہوتا ہے، اس درخت کی سفارش یوں کرتا ہے "اسے نہ کاٹو، یہ جلد بار لے آئے گا۔" تین مرتبہ اس پر کلہاڑی گھمائی جاتی ہے اور تین مرتبہ سفارش کرنے والے کسان کی استدعا پر اسے کٹتے کٹتے رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ خوف زدہ درخت ضرور پھل دے گا۔

درختوں کے ذی حیات ہونے کے بارے میں اس تصور کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ

انہیں ایسے نر اور مادہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے جن کا صحیح معنی میں شادی بیاہ ہو سکتا ہو اور یہ خیال نرا وہم نہیں، اس لیے کہ جانوروں کی طرح درختوں میں جنس ہوتی ہے اور وہ بھی اپنے ذکور و اناث کے اختلاط سے اپنی نوع کی افزائش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جہاں تمام اعلیٰ حیوانات میں ہر جنس کے مخصوص اعضاء الگ الگ ہوتے ہیں، وہاں بیشتر اشجار میں یہ صورت پائی جاتی ہے کہ کسی نوع کے منفرد درخت میں دونوں قسم کے اعضا ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ تاہم یہ کلیہ عالم گیر نہیں ہے اور بہت سے پودے ایسے ہوتے ہیں جن میں نر اور مادہ ایک دوسرے سے ممیز ہوتے ہیں۔ بعض وحشی اقوام نے ان کے اس جنسی فرق کا ضرور مشاہدہ کیا ہوگا، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ "ماوری (پولینیشیا کی ایک قوم) درختوں وغیرہ کی جنس سے واقف ہیں اور ان لوگوں کے ہاں درختوں کے نر اور مادہ الگ الگ ناموں سے موسوم کیے جاتے ہیں۔" قدیم زمانے کے لوگوں کو کھجور کے نخل کے جنسی فرق کا علم تھا اور وہ نر کے پھول کا زیرہ مادہ کے پھول پر چھڑک کر اس نخل کو مصنوعی طور پر پھلایا کرتے تھے۔ ان کی پھلائی کا یہ عمل موسم بہار میں کیا جاتا تھا۔ حاران (شام) کے بت پرستوں میں وہ مہینہ جس میں نخول کو ثمر ور کیا جاتا تھا "کھجوروں کا مہینہ" کہلاتا تھا اور اسی زمانے میں وہ اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے بیاہ کا تہوار مناتے تھے۔ کھجور کے درخت کے اس حقیقی اور ثمر ورانہ اتحاد سے بالکل مختلف پودوں کی وہ بے حقیقت اور بے نتیجہ شادیاں ہیں جو ہندو توہمات میں اپنا ایک حصہ ادا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی ہندو نے امرائی لگائی ہو تو اور جب تک وہ اس میں کے کسی آم کے پیڑ کو دولہا بنا کر اس کا کسی اور قسم کے پیڑ سے بیاہ نہ کر دے، وہ اور اس کی بیوی اس امرائی کا آم نہیں کھا سکتے۔ اس بیاہ میں دلہن عموماً املی کا پیڑ ہوتا ہے، جو عموماً امرائی ہی میں آم کے درخت کے قریب نمو پاتا ہے۔ لیکن اگر املی نہ ہو تو پھر موتیا دلہن کا کام دے سکتی ہے۔ اس قسم کے بیاہ کا خرچ اکثر خاصا ہوتا ہے، اس لیے کہ اس موقع پر جتنے زیادہ برہمنوں کی ضیافت کی جائے گی اتنی ہی امرائی کے مالک کی شان بڑھے گی۔ ایک ہندو خاندان کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے آم اور موتیا کا دھوم دھام سے بیاہ رچانے کے لیے اپنے سونے چاندی کے زیور بیچ دیے تھے اور جس قدر قرضہ مل سکا وہ سب اس پر لگا دیا تھا۔ کرسمس کی رات جرمن کسان درختوں کو پھلانے کے لیے انہیں پرال کی رسی سے باندھ دیتے تھے اور اسے وہ ان کی شادی پر محمول کرتے تھے۔

مالوکاز (جزائر اسپائس جو سلیبیز اور پاپوا کے درمیان واقع ہیں) میں جب لونگ کے درختوں پر پھول آتا ہے تو ان کے ساتھ حاملہ عورتوں کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ان کے قریب کوئی شور نہیں مچ سکتا، رات کو ان کے پاس سے آگ یا روشنی لے کر گزرنے کی اجازت نہیں، کوئی شخص ان کے آگے ٹوپی پہنے نہیں آ سکتا اور سب کو ان کے آگے برہنہ سر رہنا پڑتا ہے۔ یہ سب احتیاطیں اس لیے برتی جاتی ہیں کہ کہیں وہ درخت خوفزدہ ہو کر بار لانا نہ چھوڑ دے یا اس کا بار کسی دہشت زدہ عورت کے اسقاط حمل کی طرح قبل از وقت نہ جھڑ جائے۔ مشرق میں بڑھتے ہوئے دھان کا بھی حاملہ عورت کی طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ امبوئنا (مولاکاز) میں جب دھان شباب پر ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اسے حمل ہے اور اس کے کھیتوں کے قریب بندوق چلانے یا شور مچانے سے احتراز کرتے ہیں۔ انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ اس سے کہیں چاول گھبرا کر جھڑ نہ جائے اور فقط بھوسا ہی بھوسا نہ رہ جائے۔

بعض صورتوں میں عقیدہ یہ ہے کہ مُردوں کی روحیں درختوں کو زندگی بخشتی ہیں۔ وسطی افریقہ کا ڈازی قبیلہ بعض درختوں کو نہایت مقدس سمجھتا ہے، جن کے متعلق اس کا یہ خیال ہے کہ وہ اس کے متوفی بزرگوں کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ چنانچہ ایسے درختوں کا ذکر بڑے ادب سے کیا جاتا ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ان میں سے کوئی کٹنے یا جلنے نہ پائے۔ اگر وہاں کے آبادکار اس قبیلے کے لوگوں سے ان درختوں کو کٹوانا چاہتے ہوں تو وہ اس کے خلاف سخت احتجاج کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہیں بدنصیبی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ جزائر فلپائن کے بعض باشندوں کے عقیدے کی رو سے چند درخت ایسے ہیں جن میں ان کے اسلاف کی روحیں بستی ہیں، اس لیے وہ ان کی جان نہیں لیتے۔ اگر نہیں ان میں سے کسی درخت کی کٹائی کرنی پڑ جائے تو اس سے یہ کہہ کر معافی مانگ لیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیشوا کے کہنے سے ایسا کیا تھا۔ روحیں اپنے رہنے کے لیے بلند قامت اور پھیلے ہوئے شاندار درختوں کو منتخب کرتی ہیں۔ ہوا میں ان کے پتوں کی سرسراہٹ کو جزائر مذکورہ کے باشندے روح کی آواز سمجھتے ہیں اور وہ جب بھی ایسے کسی درخت کے قریب سے گزرتے ہیں تو اس کے آگے ادب سے سر جھکا دیتے ہیں اور اس کے آرام میں مخل ہونے کی معافی مانگتے ہیں۔ اگوروٹ قوم میں ہر گاؤں کا ایک مقدس درخت ہوتا ہے جس میں اس گاؤں کے لوگوں کے اسلاف کی روحیں رہتی ہیں۔ اس درخت پر

نذریں چڑھائی جاتی ہیں اور ان لوگوں کے عقیدے کے بموجب اگر اسے کوئی گزند پہنچے تو گاؤں پر کوئی نہ کوئی آفت آنی ضروری ہے اور اگر اس درخت کو کاٹ دیا جائے تو سارے گاؤں والوں کا خاتمہ ناگزیر ہے۔

کوریا میں جو لوگ وبا میں سڑک کے کنارے مرتے ہیں یا جن عورتوں کی موت زچگی میں واقع ہوتی ہے، ان کی روحیں ہمیشہ درختوں کو اپنا مسکن بناتی ہیں۔ ایسی روحوں کو کیک، شراب اور لحم خنزیر (سور کا گوشت) کی نذر پیش کی جاتی ہے، جسے درختوں کے نیچے لگے ہوئے ڈھیر پر رکھ دیا جاتا ہے۔ چین میں قدیم الایام سے قبروں پر درخت لگانے کا دستور ہے تاکہ مُردوں کی روحوں کو تقویت پہنچائی جائے اور اس طرح ان کے جسم سڑنے نہ پائیں اور چونکہ سدابہار سرو اور صنوبر میں قوت حیات سب سے زیادہ ہوتی ہے، لہٰذا انہیں اس مقصد کے لیے دوسروں پر ترجیح دی گئی ہے۔ اس وجہ سے ان درختوں کو جو قبروں پر نمو پاتے ہیں، متوفی اشخاص کی روحیں سمجھا جاتا ہے۔ میاؤ کیا نسل کے لوگوں کے ہاں، جو جنوبی اور مغربی چین کے اصلی باشندے ہیں، ہر گاؤں کے دروازے پر ایک مقدس درخت کھڑا ہے جس میں گاؤں والوں کے عقیدے کے بموجب ان کے جد اعلیٰ کی روح بستی ہے اور ان کی تقدیر اسی درخت کے تابع ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گاؤں کے قریب کسی مقدس شجرزار میں درخت اپنی اپنی جگہ کھڑے مرجھانے اور سوکھ کر گرنے کے لیے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ ان کی شکستہ شاخوں سے زمین پٹ جاتی ہے، جنہیں کوئی شخص نہیں ہٹا سکتا تاوقتیکہ وہ درخت کی روح سے اس کی اجازت نہ مانگ لے اور اسے بھینٹ نہ دے دے۔ جنوبی افریقہ کی ماروے قوم میں قبرستان کی حیثیت ایک مقدس مقام کی ہے، جس میں کسی درخت کا کاٹنا یا چوپائے کا مارنا ممنوع ہے، اس لیے کہ اس میں ہر چیز مُردوں کی روحوں کا مسکن سمجھی جاتی ہے۔

اگر ان سب میں نہیں تو بیشتر صورتوں میں روح کو درخت کا جزو لاینفک تصور کیا جاتا ہے، جو درخت کو حیات بخشتا ہے اور جس کا درخت کے ساتھ مصیبت جھیلنا اور فنا ہو جانا لازمی ہے۔ لیکن ایک اور رائے کے بموجب جو غالباً بعد میں قائم کی گئی ہے، درخت کی حیثیت جسم کی نہیں بلکہ وہ محض روح کے ٹھکانے سے عبارت ہے، جسے وہ جب چاہے چھوڑ سکتی ہے اور جب چاہے اس میں لوٹ کر آ سکتی ہے۔ شرق الہند کے ایک جزیرے سیالو کے

لوگ بعض روحوں پر اعتقاد رکھتے ہیں' جو جنگلوں یا اونچے اونچے تنہا پیڑوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ چاند کی چودھویں کو روح، پی کین گاؤ سے نکل کر گشت لگاتی ہے۔ اس کا منہ بڑا' ہاتھ پاؤں لمبے لمبے اور جسم بھاری بھرکم ہوتا ہے۔ ان صحرائی روحوں کو رام کرنے کے لیے لوگ کھانے' مرغیوں' بکریوں وغیرہ کی بھینٹ لے کر ان جگہوں پر جاتے ہیں جنہیں روحوں کا مرجع خیال کیا جاتا ہے۔ نیاس کے لوگوں کا خیال ہے کہ کسی درخت کے مرنے پر اس کی روح پرواز کرتی ہے تو بھوت بن جاتی ہے' جو کسی ناریل کے درخت پر اتر آئے تو اس کی جان چلی جائے اور کسی گھر کے ستون پر آ بیٹھے تو اس کے بچوں کا خاتمہ ہو جائے۔ نیز وہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ بعض درختوں میں آوارہ گرد شیاطین بسے رہتے ہیں۔ اگر ان درختوں کو ضرر پہنچے تو وہ آزاد ہو کر آزار رسانی کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں' اس لیے اس جزیرے کے لوگ ان درختوں کا بڑا احترام کرتے ہیں اور انہیں کبھی نہیں کاٹتے۔

آسیب زدہ درختوں کی کٹائی پر جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں ان میں بہت سی اس عقیدے پر مبنی ہیں کہ ان درختوں کو اپنی مرضی یا ضرورت سے چھوڑنا روحوں کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ جب جزائر پی لو (خلیج کارپنٹریا' شمالی آسٹریلیا) کے باشندے کسی درخت کی کٹائی کرتے ہیں تو وہ اس کی روح کو جادو کر کے کسی اور درخت پر اڑا دیتے ہیں۔ سلیو کوسٹ کا حبشی' جو کسی اشورین کے درخت کو کاٹنا چاہتا ہو' لیکن جانتا ہو کہ جب تک اس پر روح موجود ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا' تو زمین پر کھجور کا کچھ تیل رکھ دیتا ہے۔ جس طرح شکار کو دانہ ڈالا ہو اور پھر جب وہ روح اپنے اس من بھاتے کھاجے پر اتر آتی ہے تو اس کے گھر کو ڈھانے کے لیے جھپٹ پڑتا ہے۔ اسی طرح سلیبز کے ٹوبو کو جس وقت دھان بونے کے لیے جنگل میں کسی زمین کے قطعے کو صاف کرنے لگتے ہیں تو ایک ننھا سا مکان بناتے ہیں اور اس میں چھوٹے چھوٹے کپڑے' کچھ کھانا اور سونا رکھ دیتے ہیں' پھر جنگل کی تمام روحوں کو بلا کر انہیں وہ مکان تمام چیزوں سمیت پیش کر دیتے ہیں اور ان کی منتیں کرتے ہیں کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ جائیں۔ اس کے بعد یہ لوگ وہاں بڑے اطمینان سے کٹائی کر سکتے ہیں' جس میں انہیں اپنے زخمی ہونے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ سلیبز کے ایک اور قبیلے کے لوگ' جس کا نام ٹوموری ہے' کسی اونچے درخت کی کٹائی کرنے سے پہلے پان کا ایک بیڑا اس کی جڑ میں رکھ دیتے ہیں اور اس میں بسی ہوئی روح سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنا ٹھکانا بدل

دے۔ نیز وہ اس درخت کے تنے سے ایک چھوٹی سی سیڑھی لگا دیتے ہیں تاکہ روح بہ حفاظت اتر آئے۔ سوماٹرا کے مینڈ لنگ اس قسم کی تمام بداعمالیوں کا الزام ولندیزی حکام کے سر پر رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ جب ان میں سے کوئی شخص جنگل میں سڑک بنا رہا ہو اور اسے کسی ایسے درخت کو کاٹنا پڑ جائے جو راستے میں حائل ہو تو وہ جب تک یہ نہ کہہ لے گا کلہاڑی نہیں چلائے گا: ''اس درخت میں بسنے والی روح! اگر میں تیرے گھر کو گراؤں تو تو برا نہ مان' اس لیے کہ میں کنٹرولر کے حکم سے ایسا کرتا ہوں' اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں۔'' اور جو وہ جنگل میں زمین کا کوئی ٹکڑا کاشت کرنے کی غرض سے صاف کرنا چاہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس مقام کی صحرائی روحوں سے ان کے ہرے بھرے مسکن گرانے سے پہلے اس بات پر مفاہمت کر لے۔ چنانچہ اس مقصد سے شخص مذکور اس قطعہ زمین کے بیچوں بیچ ہل چلاتا ہے اور جھک کر کوئی خط اٹھانے کا بہانہ کرتا ہے' پھر کاغذ کا ایک پرزہ کھول کر ولندیزی حکومت کا ایک خیالی مکتوب بلند آواز سے پڑھتا ہے' جس میں اس پر سخت تاکید کی جاتی ہے کہ وہ بلا تاخیر زمین کی صفائی کا کام شروع کر دے۔ یہ کر چکنے کے بعد وہ یہ کہتا ہے کہ ''روحو! سنتی ہو؟ مجھے فی الفور صفائی شروع کر دینی چاہیے' ورنہ میرا سر قلم کر دیا جائے گا۔''

کسی درخت کے گر چکنے اور اس کے تختے کٹ کر مکان میں لگ چکنے کے بعد بھی اس بات کا امکان رہتا ہے کہ صحرائی روح شہتیروں وغیرہ میں چھپ رہی ہو۔ لہٰذا بعض لوگ ایسے مکان میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے یا اس کے بعد اس روح کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی نیا گھر تیار ہوتا ہے تو سلیبز کے ٹوراڈجا ایک بکری' سور یا بھینس مار کر اس کا خون عمارت میں لگی ہوئی لکڑی پر مل دیتے ہیں۔ اگر وہ عمارت لوبو یا روح کا نشیمن ہو تو لکڑی پر مرغی یا کتا لے جا کر مارا جاتا ہے' تاکہ اس کا خون عمارت کی دونوں جانب بہہ نکلے۔ ٹوناپو جو ٹوراڈجاؤں سے زیادہ وحشی ہیں' ایسی صورت میں عمارت کی چھت کے اوپر قربانی کرتے ہیں۔ لوبو یا معبد کی چھت پر اس قربانی کی غرض و غایت وہی ہے جو کسی معمولی مکان میں لگی ہوئی لکڑی پر خون ملنے کی' یعنی جنگل کی ان روحوں کی رضا جوئی جو عمارت کی لکڑی میں چھپی رہ گئی ہوں۔ اس صورت میں ان روحوں کو ہموار کر لیا جاتا ہے تاکہ وہ عمارت کے مکینوں کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ سلیبز اور جزائر مالوکا کے لوگ

جرائں بات سے بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں کسی مکان کی تعمیر میں اس کا ستون الٹا نہ نصب ہو جائے' اس کا بھی یہی کچھ سبب ہے۔ کیونکہ یہ لازمی امر ہے کہ صحرائی روح جو لکڑی میں رہ گئی ہو' اپنی اس اہانت پر ناراض ہو جائے گی اور اس کے کینوں کو کسی بیماری میں مبتلا کر دے گی۔ بورنیو کے کاینوں کی رائے میں شجری روحوں کو اپنی عزت کا بڑا پاس ہوتا ہے اور اگر انہیں آزار پہنچتا ہے تو وہ آدمی کو اس کا مزہ چکھا دیتی ہیں چنانچہ کوئی مکان بنانے کے بعد' جس میں انہیں بہت سے درختوں کے ساتھ بری طرح پیش آنا پڑتا ہے' یہ لوگ سال بھر تک اس کی تلافی کرتے ہیں اور اس میں انہیں بہت سی چیزوں کا پرہیز ہوتا ہے' جیسے ریچھ' شیر' بلی اور سانپ کا مارنا۔

شجری روحوں کی برکتیں

جب کسی درخت کو اپنی روح کے جسمانی مظہر کے بجائے شجری روح کا محض ایک ایسا ٹھکانہ تصور کیا جانے لگے جسے وہ اپنی مرضی سے چھوڑ سکتی ہو تو مذہبی فکر میں ترقی کا ایک نہایت اہم قدم آگے بڑھتا ہے' وہ روحیت مظاہر کا عقیدہ کثرت الٰہ کے عقیدے سے بدل جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اپنے مذہبی ارتقاء کے اس مرحلے پر انسان کو ہر درخت ایک ذی حیات اور باشعور ہستی کے بجائے ایک ایسا ڈھیر دکھائی دینے لگتا ہے جسے طویل یا مختصر مدت کے لیے کسی مافوق ہستی نے اپنا مسکن بنا رکھا ہو' اور چونکہ یہ روح اس نئے عقیدے کی رو سے آزادانہ شجر بہ شجر منتقل ہو سکتی ہے' اس لیے اسے درختوں پر قبضے یا ملکیت کا ایک خاص حق حاصل ہو جاتا ہے اور وہ کسی ایک درخت کا عنصر نہیں رہتی بلکہ بن دیوتا بن جاتی ہے۔ جیسے ہی شجری روح اس طرح ہر درخت سے ایک حد تک علیحدہ کر دی جاتی ہے' اپنی صورت بدلنے اور ابتدائی عہد کے عام فکر و رجحان کے مطابق' جس کی بنا پر مجرد قسم کی تمام روحانی ہستیاں آدمی کا روپ دھار لیتی ہیں' انسانی جسم میں ظاہر ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ کلاسیکی فن میں صحرائی معبود انسانی شکل میں پیش کیے گئے ہیں' جن کی شجری خصوصیت کو ایک آدھ شاخ یا اسی قسم کی کوئی اور علامت ظاہر کرتی ہے۔ لیکن صورت کی اس تبدیلی سے شجری روح کی اصلیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ کسی درخت کے جزو بدن یا عنصری حیثیت سے آگے جن قوتوں کی حامل ہوتی ہیں' وہ گلستان کا دیوتا بننے کے بعد بھی اس میں برقرار رہتی ہیں۔ میں

اب اس کا مفصل ثبوت بھی پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس سلسلے میں ایک تو میں یہ بتاؤں گا کہ ایسے درختوں کے متعلق جنہیں ذی روح ہستیوں کی نظر سے دیکھا جاتا ہو' یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مینہ برسانے' دھوپ نکالنے' مویشیوں کی افزائش کرنے اور عورتوں کی گود ہری کرنے کی قوتیں رکھتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ بعینہٖ یہی قوتیں تشبیہی یا زندہ انسانوں کی صورت میں متشکل ہستیوں کی حیثیت سے دیوتاؤں سے بھی منسوب کی جاتی ہیں۔

آیئے تو پہلے ذی روح موجودات کی حیثیت سے درختوں یا شجری روحوں کی قوتوں پر غور کیا جائے۔ ان کے بارے میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ وہ مینہ برساتی یا دھوپ نکالتی ہیں۔ چنانچہ پریگ کا جیروم نامی مبلغ جس وقت لیتھونیا کے بت پرستوں کو اس بات کی تلقین کر رہا تھا کہ وہ اپنے مقدس شجرزاروں کو کاٹ ڈالیں تو عورتوں کا ایک ہجوم لیتھونیا کے فرمانروا کے پاس پہنچا اور اس سے استدعا کی کہ جیروم کو اپنی تبلیغ سے باز رکھا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ بنوں کے ساتھ دیوتا کے اس گھر کی بربادی کے در پے ہے' جس سے انہیں دھوپ اور بارش ملتی رہتی ہے۔ آسام کے منڈاری سمجھتے ہیں کہ اگر ان کے مقدس شجرزار کا کوئی درخت کاٹ ڈالا جائے تو بن کے دیوتا خفا ہو کر بارشوں کو روک دیتے ہیں۔ برما میں ضلع ساگائنگ کے ایک گاؤں مونیو کے لوگ بارش کے لیے اپنے گاؤں کے قریب سب سے بڑا املی کا پیڑ چن کر اسے اس روح (ناٹ) کے مسکن کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو بارش پر حکومت کرتی ہے۔ پھر وہ روٹی' ناریل' کیلے اور مرغیاں اپنی اس مینہ برسانے والی محافظ روح کی نذر کرتے اور اس سے یہ پرارتھنا کرتے' "اے خداوند ناٹ! ہم غریب خاکیوں پر رحم کر دے۔" اس کے بعد اس املی پر کوئی چیز از قسم مشروبات نذر چڑھائی جاتی اور پھر تین سن رسیدہ عورتیں عمدہ لباس زیب تن کیے اور گلوبند اور بندے پہنے بارش کے گیت گاتیں۔

اس کے علاوہ شجری روحیں فصلوں کو نمو بخشتی ہیں۔ منڈاریوں کے ہاں ہر گاؤں کا ایک مقدس شجرزار ہے اور "شجری معبودوں پر فصلوں کی افزائش کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور تمام بڑے بڑے فصلی تہواروں میں انہیں خاص عزت بخشی جاتی ہے۔" گولڈ کوسٹ کے حبشیوں میں بعض اونچے اونچے درختوں کی جڑوں میں قربانی کرنے کا رواج ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی درخت کو کاٹ ڈالا جائے تو دھرتی کے سارے پھل پھول ملیامیٹ ہو جائیں۔ گلا لوگ جوڑیاں بنا کر مقدس درختوں کے گرد رقص کرتے ہیں اور ان

سے اچھی فصل کی پرارتھنا کرتے ہیں۔ ان میں ہر جوڑی ایک عورت اور ایک مرد پر مشتمل ہوتی ہے' جو ایک لکڑی کے سرے پکڑے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اور ان کی بغلوں میں اناج کے تازہ پودے اور ہری گھاس دبی ہوتی ہے۔ سویڈن کے کسان اپنے اناج کے کھیتوں کی ہر ریگاری میں ایک ہری بھری ٹہنی گاڑ دیتے ہیں۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کے ایسا کرنے سے فصل وافر ہوگی۔ یہی تصور جرمنوں اور فرانسیسیوں کی حاصل بہار والی رسم میں نظر آتا ہے۔ حاصل بہار (Harvest may) اناج کے بھٹوں سے سجی ایک لمبی سی شاخ یا سالم درخت ہوتا ہے' جسے فصل والے کھیت سے آخری ویگن میں لایا جاتا ہے اور کھتے کی چھت سے باندھ دیا جاتا ہے جہاں وہ سال بھر رکھی رہتی ہے۔ مان ہارٹ نے ثابت کیا ہے کہ یہ درخت یا شاخ اس شجری روح کا مظہر ہے جو نباتات کے عام جوہر سے عبارت ہے اور جس کی حیات بخش اور بارآور قوت سے اس طرح اناج کو متاثر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سوبیا (جرمنی) میں حاصل بہار کو کھیت میں کھڑے باقی ماندہ پودوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ دوسرے مقامات پر اسے اناج کے کھیت میں نصب کر دیا جاتا ہے اور وہ گیہوں' جو سب سے آخر میں کاٹی گئی ہو' اس کے تنے سے باندھ دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ' شجری روح جانوروں کی افزائش اور عورتوں کو اولاد عطا کرتی ہے۔ شمالی ہند میں آنولے کا درخت ایک مقدس شجر کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھاگن (فروری) کی گیارہ تاریخ کو اس کی جڑوں میں دھار (Libataln) چڑھائی جاتی ہے۔ اس کے تنے سے ایک زرد ڈوری بیٹی جاتی ہے اور عورتوں' جانوروں اور فصلوں کی بارآوری کے لیے پرارتھنا کی جاتی ہے۔ نیز شمالی ہند میں ناریل کا شمار مقدس ترین پھلوں میں ہوتا ہے اور وہ سری پھل یا لکشمی دیوی کا میوہ کہلاتا ہے اور زرخیزی کی علامت ہے۔ شمالی ہند کے طول و عرض میں پجاری اسے مندروں میں رکھتے ہیں اور ان عورتوں کو دیتے ہیں جو اولاد کی خواہش مند ہوں۔ پرانے کیمے بار (ساحل گنی) کے قریب قصبہ کوامی میں کھجور کا ایک درخت تھا' اگر کوئی بانجھ عورت اس کی ایک کھجور توڑ کر کھا لیتی تو اس کا بامراد ہونا یقینی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں شجر بہار یا (May-ple) بیساکھے یہ ایک بانس یا بلی ہوتی ہے جسے یوم بہار پر یعنی مئی کی پہلی تاریخ کو پھولوں سے سجا کر اس کے گرد رقص کیا جاتا ہے۔ ہم نے اس کے لیے "بیساکھے" کا لفظ اس لیے منتخب کیا ہے کہ ہندوؤں کے ہاں غالباً بیساکھ کی ایک

رسم میں ایک بلی پرستش کی جاتی ہے جسے بیساکھا کہا جاتا ہے۔ بیساکھ کے مہینے میں کچھ دن مئی کے اوائل میں پڑتے ہیں) کے متعلق یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر عورتوں اور مویشی کو بارور کرنے کی بھی قوتیں رکھتا ہے۔ چنانچہ جرمنی کے بعض حصوں میں پہلی مئی کو کسان طویلے اور گوسالہ کے دروازوں پر ہر گھوڑے یا گائے کے لیے ایک ایک شجر بہار نصب کر دیتے ہیں۔ ان کی دانست میں ایسا کرنے سے گائے بہت دودھ دیتی ہے۔ آئرستان والوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "ان کے خیال میں یوم بہار پر کسی پیڑ کی ہری بھری ٹہنی مکان سے باندھ دی جائے تو اس سال گرمیوں میں دودھ افراط سے پیدا ہوگا۔"

بعض وینڈ (شمال مشرقی جرمنی کے باشندے) جولائی کی دوسری تاریخ کو گاؤں کے بیچوں بیچ ایک شجر بلوط نصب کر دیا کرتے تھے' جس کی انی پر ایک آہنی مرغ بندھا ہوتا۔ پھر وہ اس کے اطراف رقص کرتے اور اپنے مویشی کو افزائش نسل کی غرض سے اس کے گرد گھماتے۔ سرکیشیا (روس) والے ناشپاتی کے درخت کو مویشی کا محافظ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جنگل میں پہنچ کر وہ اس کا ایک پودا کاٹتے ہیں اور اس کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں تقریباً ہر گھر میں باجے گاجے کے ساتھ سارے گھر والوں کے خوشی کے نعروں کی گونج میں' جو اس کے ورود مسعود پر اسے سلام کرتے ہیں' بڑے دھوم دھڑکے سے گھر لایا جاتا ہے اور اس کی انی پر پنیر باندھ دی جاتی ہے۔ اس کے گرد سب بیٹھ جاتے ہیں اور کھاتے پیتے اور گاتے بجاتے ہیں۔ اس کے بعد اسے الوداع کہہ کر گھر کے صحن میں واپس لے جایا جاتا ہے' جہاں وہ دیوار کے سہارے سال بھر کھڑا رہتا ہے اور اس دوران میں اس کا کوئی ادب نہیں ہوتا۔

ماوریوں کے توہو قبیلے میں "درختوں سے اولاد بخشنے کی قوت منسوب کی جاتی ہے' جنہیں وہ اپنے بعض خاص اسلاف کی نالوں سے وابستہ سمجھتے ہیں' اس لیے کہ کچھ عرصہ پیشتر تک تمام بچوں کی نالیں ان پر لٹکائی جاتی رہی ہیں۔ بانجھ عورت کو ایسے کسی درخت سے چمٹنا پڑتا' اور اگر وہ اس کے مشرقی رخ سے ہم کنار ہوتی تو لڑکا پاتی اور مغربی رخ سے ہم کنار ہوتی تو لڑکی۔" یورپ میں یوم بہار پر کسی کنواری محبوبہ کے گھر کے سامنے یا اس کے اوپر جھاڑی نصب کرنے کا جو عام دستور ہے اس کی بنا غالباً یہ عقیدہ ہے کہ شجری روح کے اثر سے عورتوں میں قوت تولید پیدا ہوتی ہے۔ بویریا کے بعض حصوں میں اس قسم کی جھاڑیاں نئے بیاہتا جوڑوں کے گھروں میں نصب کی جاتی ہیں اور یہ رسم صرف اس وقت ادا نہیں کی

جاتی جب عورت کی زچگی کے دن قریب ہوں' اس لیے کہ ایسی صورت میں لوگ یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ ''مرد نے بیساکھ والی جھاڑی خود اپنے لیے نصب کی ہے۔'' جنوبی سلیوونیا کے لوگوں میں بانجھ عورت' جسے اولاد کی خواہش ہو' سینٹ جارج کے عرس کی رات ایک نئی شمیض کسی پھل دار درخت پر رکھ آتی ہے۔ اگلے دن سویرے پو پھٹنے سے پہلے وہ اس پوشاک کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتی ہے۔ اگر اس پر کسی جاندار چیز کے چلنے کا نشان نظر آ جائے تو اس عورت کو اسی سال اپنے بامراد ہونے کی آس بندھ جاتی ہے اور پھر وہ اسے پہن کر اس خیال میں مگن رہتی ہے کہ اس میں بھی اس درخت کے برابر قوت ثمر دری پیدا ہو جائے گی' جس پر اس کی شمیض نے رات گزاری ہو۔ کارکرغیزوں (وسط ایشیا کی ایک قوم) کے ہاں بانجھ عورتیں سیب کے کسی تنہا پودے کے نیچے لوٹ لگاتی ہیں تاکہ ان کے ہاں بچے پیدا ہوں۔ افریقہ اور سویڈن کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ درخت اپنے اندر زچگی میں عورتوں کی مشکل آسان کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ سویڈن کے بعض اضلاع میں ہر کھیت کے قریب ایک ''بارٹراڈ'' یا محافظ شجر (لیموں' ایش یا ناروَن) ہوتا تھا۔ کسی شخص کو اس مقدس شجر کا ایک پتا بھی توڑنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اسے ضرر پہنچانے کا خمیازہ بدقسمتی یا بیماری کی صورت میں بھگتنا پڑتا تھا۔ حاملہ عورتیں اس شجر سے چمٹا کرتیں تاکہ زچگی میں انہیں تکلیف نہ ہونے پائے۔ کانگو کے چند حبشی قبائل میں حاملہ عورتیں اپنے لیے ایک خاص شجر مقدس کی چھال کی پوشاک تیار کرتی ہیں' اس لیے کہ ان کے عقیدے کے بموجب یہ شجر ان تمام خطرات سے مامون رکھتا ہے جو حمل سے وابستہ ہیں۔ یہ قصہ کہ لیتو نے جڑواں دیوتاؤں اپولو اور ارتمیس کو جنتے وقت ایک کھجور' ایک زیتون اور دو لارل کے درختوں کو پکڑا تھا' درختوں کے متعلق زچہ کی مشکل آسان کرنے والے اسی قسم کے عقیدے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

◆○◆

20
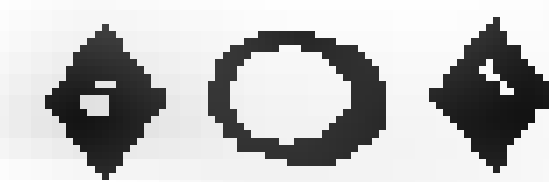
اناج کی روح

اناج کی روح کے حیوانی مظہر

عام خیال کے بموجب اناج کی روح جن متعدد جانوروں کی صورت اختیار کرتی ہے ان میں بھیڑیا' کتا' خرگوش' لومڑی' مرغ' ہنس' بٹیر' گائے' (بیل' سانڈ) سؤر اور گھوڑا شامل ہیں۔ اس کے متعلق عام طور پر یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی نہ کسی کے روپ میں غلے کے اندر موجود ہوتی ہے اور آخری پولی میں پکڑی یا ماری جاتی ہے۔ جس وقت اناج کٹتا ہے تو اس کی روح کا جانور درو گر کے آگے آگے دوڑتا ہے اور اگر کوئی درو گر کھیت پر بیمار پڑتا ہے تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ غفلت میں اناج کی روح کو اس کی ٹھوکر لگ گئی ہے جس نے اس کو اس بے ادبی کی سزا دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ''رائی بھیڑیے'' کے چنگل میں پھنس گیا ہے ''فصل کی بکری نے اسے ٹکر ماری ہے'' وہ شخص جو اناج کی آخری پولی کاٹتا یا باندھتا ہے اسے کسی جانور کا نام ملتا ہے' جیسے رائی بھیڑیا' رائی سؤر یا' جئی بکری وغیرہ اور بعض اوقات وہ سال بھر اسی نام سے موسوم رہتا ہے۔ نیز بسا اوقات آخری پولی' لکڑی' پھولوں وغیرہ سے اس جانور کی شبیہ تیار کی جاتی ہے اور اسے خوشی خوشی فصل کے آخری چھکڑے میں رکھ کر گھر لایا جاتا ہے۔ اگر کہیں آخری پولی کی ایسی کوئی شبیہ نہ بنائی جاتی ہو تو وہاں عام طور پر رائی بھیڑیا' خرگوش' بکری وغیرہ ضرور پکارا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کے اناج کی فصل کا اپنا ایک خاص جانور ہوتا ہے جو آخری پولی میں گرفتار ہو

جاتا ہے۔ اسے اناج کی قسم کے لحاظ سے جو بھیڑیا' جئی بھیڑیا' مٹر بھیڑیا یا آلو بھیڑیا پکارا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات متذکرہ جانور کا پتلا ساری فصل کا آخری دانہ لاتے وقت بنایا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں یہ عقیدہ ملتا ہے کہ وہ درانتی یا داس کی آخری ضرب سے مارا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق بیشتر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اس وقت تک نہیں مرتا جب تک سارے والے کی چھڑائی نہ ہو جائے اور وہ چھڑائی کی آخری پولی میں پکڑا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس شخص سے' جس کی سانٹ کی چھڑائی میں آخری ضرب لگے' کہہ دیا جاتا ہے کہ اس نے ان سور یا' چھڑائی کتا وغیرہ پایا ہے۔ جب چھڑائی ختم ہو چکتی ہے تو اس جانور کی شکل کی ایک گڑیا تیار کی جاتی ہے اور اسے آخری پولی کو چھڑنے والا پڑوس کے کسی ایسے کھیت میں لے جاتا ہے' جہاں چھڑائی ہنوز ختم نہ ہوئی ہو۔ اس سے بھی یہی عقیدہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں کہیں بھی اناج کی چھڑائی ہو رہی ہو وہاں اناج کی روح زندہ موجود ہوتی ہے۔ بعض وقت خود آخری پولی چھڑنے والا بھی اناج کی روح کی نمائندگی کرتا ہے اور اگر برابر کے کھیت والے' جن کے ہاں ابھی چھڑائی جاری ہو' اسے پکڑ لیں تو وہ اس شخص کے ساتھ اس جانور کا سا سلوک کریں گے جس کا وہ نمائندہ متصور ہو اور اسے سؤروں کے باڑے میں بند کر دیتے ہیں۔ اسے مخاطب کرنے کے لیے وہی آوازیں استعمال کی جاتی ہیں جو سؤروں کے لیے مخصوص ہیں۔ اب ان کلیوں کو مثالوں کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اناج کی روح بھیڑیے یا کتے کے روپ میں

آیئے تو سب سے پہلے اناج کی روح کے بھیڑیے یا کتے والے تصور پر نظر ڈالی جائے۔ یہ تصور فرانس' جرمنی اور سلاوی ملکوں میں عام ہے۔ چنانچہ جب ہوا کے جھونکوں میں اناج لہراتا ہے تو دہقان اکثر کہا کرتے ہیں "بھیڑیا اناج پر سے یا اناج میں سے جا رہا ہے" "رئی بھیڑیا کھیت پر سے دوڑا جاتا ہے" "اناج میں بھیڑیا ہے" "دیوانہ کتا اناج میں ہے" "بڑا کتا آیا ہے۔" بچے بالیں توڑنے یا نیلی نیلی بوٹیاں چننے اناج کے کھیتوں میں جانا چاہیں تو انہیں منع کر دیا جاتا ہے' اس لیے کہ "اناج میں بڑا کتا بیٹھا ہوتا ہے" "یا اناج میں بھیڑیا بیٹھا ہوتا ہے جو تمہیں پھاڑ ڈالے گا" "بھیڑیا تمہیں ہڑپ کر جائے گا۔" یہ بھیڑیا جس سے بچوں کو خبردار کیا جاتا ہے معمولی بھیڑیا نہیں ہوتا' اس لیے کہ اسے عموماً اناج بھیڑیا'

رئی بھیڑیا' وغیرہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ان سے کہا جاتا ہے "بچو! رئی بھیڑیا آن کر تمہیں پھاڑ کھائے گا۔" "رئی بھیڑیا تمہیں لے اڑے گا۔" وقس علی ہذا۔ اس کے باوجود اناج کا یہ درندہ اصلی بھیڑیے سے پوری پوری مشابہت رکھتا ہے' مثلاً فالکن ہاف (مشرقی پروشیا) کے قرب و جوار میں جب کوئی بھیڑیا کھیت میں سے دوڑتا نظر آتا ہے تو دہقان یہ دیکھا کرتے کہ آیا وہ اپنی دم کو ہوا میں اونچا کیے دوڑ رہا ہے یا زمین پر گھسیٹے۔ اس دوسری صورت میں وہ اس کے پیچھے پیچھے جاتے اور ان کے لیے خیر و برکت لے کر آنے پر اس کا شکریہ ادا کرتے۔ لیکن اگر بھیڑیا دُم کو اٹھائے ہوئے جاتا تو اس پر لعنت بھیجتے اور اسے مارنے کی کوشش کرتے۔ یہاں بھیڑیا اناج کی ایسی روح سے عبارت ہے جس کی نمو بخش قوت اس کی دم میں پنہاں ہو۔

فصلی رسموں میں اناج کی روح کتے اور بھیڑیے دونوں کے روپ میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ سی لیشیا کے بعض علاقوں میں وہ شخص جو آخری پولی کو کاٹتا یا باندھتا ہے' گیہوں کتا یا مٹر پگ (Pug ایک قسم کا کتا جس کی ناک چپٹی ہوتی ہے) کہلاتا ہے' لیکن اناج کتے کا یہ تصور سب سے زیادہ واضح شمال مشرقی فرانس کی فصلی رسموں میں ہے۔ یہاں جب کوئی دروگر بیماری یا تھکن کے سبب یا سستی سے اگلے دروگر کا ساتھ نہ دے سکے تو لوگ کہا کرتے ہیں "سفید کتا اس کے پاس سے گزرا ہے" یا "اسے سفید کتیا نے کاٹا ہے۔" ووژ میں "حاصل بہار" کو "سگ حاصل یا سگ فصل" کہا جاتا ہے اور وہ شخص جو چارے کی گھاس کا آخری گچھا کاٹتا ہے "کتا مارتا ہے۔" زوراامیں لوں لے سونیئے کے قریب اناج کی آخری پولی کو کتیا کہا جاتا ہے۔ ورڈن کے قریب اناج کے خاتمے کے لیے باضابطہ "وہ کتے جا رہے ہیں" کا فقرہ استعمال ہوتا ہے اور لپے نال میں اناج کی قسم کے لحاظ سے "ہم گیہوں کتے' رئی کتے یا آلو کتے' کو ماریں گے" بولتے ہیں۔ لورین میں آخری پولی کاٹنے والے کی بابت کہا جائے گا "وہ فصل کے کتے مار رہا ہے" "میٹرول (آسٹریا) میں ڈوکس کے مقام پر جس شخص کے ہاتھوں چھڑائی میں آخری ضرب لگتی ہے وہ "کتے کو مار گراتا ہے" اور اسٹیڈ کے قریب اهن برگن میں شخص مذکور غلے کی قسم کی مشابہت سے اناج پگ' رئی پگ' گیہوں پگ کہلاتا ہے۔

بھیڑیے کے ساتھ بھی قصہ کچھ یہی ہے۔ چنانچہ سی لیشیا میں جب دروگر اناج کی

آخری بالوں کو کاٹنے کے لیے ان کے گرد اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ "اب بھیڑیا پکڑنے" والے ہیں۔ میک لین برگ کے مختلف حصوں میں' جہاں اناج بھیڑیے کا عقیدہ خصوصیت کے ساتھ پایا جاتا ہے' ہر شخص آخری اناج کاٹتے ہوئے ڈرتا ہے کیونکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں بھیڑیا بیٹھا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر درو گر کٹائی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے تاکہ وہ کسی سے پیچھے نہ رہنے پائے۔ اسی طرح عورت آخری پولی باندھتے ہوئے ڈرتی ہے کیونکہ "اس کے اندر بھیڑیا بیٹھا ہوتا ہے۔" اسی طرح دروگروں اور پولیاں باندھنے والی مزدورنیوں دونوں میں ایک ہنگامہ مسابقت گرم رہتا ہے' جن میں ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہ رہنے پائے اور غالباً جرمنی میں یہ ایک کہاوت ہے کہ "آخری پولی میں بلی بیٹھے" بعض مقامات پر لوگ درو گر کو آواز لگا کر کہتے ہیں "بھیڑیے سے خبردار" یا کہا جاتا ہے کہ "اناج میں سے بھیڑیے کو رگید کر نکال رہا ہے" میکلن برگ میں بالعموم خود کھڑے اناج کے آخری گچھے کو بھیڑیا کہا جاتا ہے اور جو شخص اس اناج کو کاٹتا ہے "اس کے پاس بھیڑیا" ہوتا ہے۔ یہ اناج کی قسم کے لحاظ سے "رئی بھیڑیا" "گیہوں بھیڑیا" اور "جو بھیڑیا" وغیرہ کہلاتا ہے۔ خود آخری اناج کاٹنے والے کو بھی بھیڑیا یا رئی بھیڑیا کہا جاتا ہے' اگر متعلقہ فصل رئی کی ہو۔ اور میکلن برگ کے متعدد علاقوں میں اس شخص کو اپنا یہ کردار نبھانے کے لیے دوسرے دروگروں کو دانت مارنے پڑتے ہیں یا بھیڑیے کی سی آواز نکالنی پڑتی ہے۔ اناج کی آخری پولی بھی اس کی قسم کے لحاظ سے بھیڑیا' رئی بھیڑیا یا جئی بھیڑیا کہلاتی ہے اور آخری پولی باندھنے والی مزدورنی کے لیے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں "بھیڑیا اسے کاٹ رہا ہے" یا "اس کے پاس بھیڑیا ہے" یا "اسے بھیڑیے کو (اناج میں سے) نکال لانا چاہیے۔" نیز خود اس مزدورنی کو بھیڑیے کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اسے پکار کر کہا جاتا ہے کہ "تو بھیڑیا ہے" اور اسے سال بھر اسی نام سے موسوم رہنا پڑتا ہے۔ کسی زمانے میں کولون کے ضلع بورز میں پہلے آخری پولی سے بھیڑیے کی شبیہ تیار کرنے کا دستور تھا۔ یہ جب تک سارا غلہ چھڑ نہ لیا جاتا کھتے میں رکھی رہتی۔ پھر اس شبیہ کو کاشت کار کے پاس لے جایا جاتا جسے اس پر بوزہ یا برانڈی چھڑکنی پڑتی۔ میکلن برگ میں برن شاٹین کے مقام پر یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ نوجوان عورت جس کے ہاتھوں آخری پولی بندھتی اس میں سے مٹھی بھر ڈنٹھل لے کر ان کا "گیہوں

بھیڑیا" بناتی۔ یہ کوئی دو فٹ لمبی اور نصف فٹ اونچی بھیڑیے کی ایک شبیہ ہوتی جس میں اس جانور کی ٹانگیں سخت ڈنٹھلوں پر مشتمل ہوتیں اور دم اور ایال گیہوں کی بالوں پر۔ اس گرگِ گندم کو لیے وہ دروگروں کے آگے آگے گاؤں کی طرف روانہ ہوتی' جہاں پہنچ کر اس کو کاشت کار کی بیٹھک میں کسی اونچے مقام پر رکھ دیا جاتا' جہاں وہ عرصے تک اسی طرح رکھی رہتی۔ متعدد مقامات پر اس پولی سے جس کو بھیڑیا کہا جاتا ہے آدمی کا پتلا تیار کیا جاتا ہے اور اسے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ اس مثال میں اناج کی انسانی اور حیوانی صورتوں کے تصورات خلط ملط نظر آتے ہیں۔ بھیڑیے کو عموماً خوشی کے نعروں کی گونج میں آخری چھکڑے پر گھر لایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے خود آخری کھیت کے چھکڑے کو بھیڑیے کا نام ملتا ہے۔

علاوہ بریں خیال ہے کہ اناج کا بھیڑیا' جب تک کہ اسے سانٹ کی آخری ضرب سے مار کر بھگا نہ دیا جائے۔ اپنے آپ کو کوٹھے میں درو شدہ اناج کے درمیان چھپائے رکھتا ہے۔ چنانچہ ماگ ڈے بورگ کے قریب ایک جگہ وانزلے بن میں چھڑائی کے بعد دہقان ایک شخص کو جو چھڑی ہوئی پیال میں لپٹا ہوتا ہے اور بھیڑیا کہلاتا ہے زنجیر سے پکڑے جلوس کی صورت میں نکلتے ہیں۔ وہ اناج کی اس روح کی نمائندگی کرتا ہے جو چھڑائی میں غلے سے فرار ہوتی پکڑی گئی ہو۔ ضلع ٹریوز میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ اناج کا بھیڑیا چھڑائی میں مارا جاتا ہے۔ لوگ آخری پولی کی ایسی دھنائی کرتے ہیں کہ اس کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ ان کے خیال میں اسی طرح اناج کا بھیڑیا جو آخری پولی میں دبکا رہتا ہے یقیناً مارا جاتا ہے۔

فرانس میں بھی اناج کا بھیڑیا فصل کی کٹائی پر رونما ہوتا ہے۔ چنانچہ آخری پولی کے کاٹنے والے کو آواز دے کر کہا جاتا ہے: "بھیڑیا تمہارے ہاتھ آ جائے گا۔" شون بیرے کے قریب یہ ہوتا ہے کہ لوگ کھڑے اناج کی آخری چند بالوں کے گرد حلقہ باندھ کر آواز لگاتے ہیں "اس کے اندر بھیڑیا ہے"! فنسٹیر میں جب کٹائی قریب الختم ہوتی ہے تو دروگر چیخ کر کہتے ہیں "یہ رہا بھیڑیا' ہم اُسے جانے نہ دیں گے۔" پھر ان میں ہر شخص ایک ایک کھیپ کاٹنا شروع کر دیتا ہے اور جو سب سے پہلے فارغ ہو جاتا ہے وہ یہ آواز لگاتا ہے' "میں نے بھیڑیا پکڑ لیا ہے۔" ڈیئنے کے مقام پر جب آخری اناج کی کٹائی ہو چکتی ہے تو لوگ ایک خصی مینڈھے کو سارے کھیت کے اردگرد گھماتے ہیں۔ اسے کھیت کا بھیڑیا کہا جاتا

ہے۔ اس کے سینگوں کو پھولوں کے ہاروں اور اناج کی بالوں سے سجایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی گردن اور باقی جسم پر بھی ہار اور ربن لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ سارے درو گر گاتے ہوئے اس کے پیچھے نکلتے ہیں اور کھیت پر پہنچ کر اس کو مار دیا جاتا ہے۔ فرانس کے اس علاقے میں آخری پولی ''کوژولاٹ'' کہلاتی ہے جس سے مراد مقامی بولی میں خصی مینڈھا ہے۔ لہٰذا خصی مینڈھے کا مارا جانا اناج کی روح کی موت کی تمثیل ہے جو لوگوں کے خیال میں آخری پولی کے اندر موجود ہوتی ہے۔ لیکن یہاں بھیڑیے اور خصی مینڈھے کی حیثیت سے اناج کی روح کے دو مختلف تصور گڈمڈ ہو گئے ہیں۔

بعض صورتوں میں بظاہر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بھیڑیا جو آخری اناج میں پکڑا جاتا ہو سردیوں کے دوران میں گشت خانے کے اندر زندہ اور بہار میں از سر نو اپنی سرگرمیاں شروع کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اسی وجہ سے وسط سرما میں جب بڑھتے ہوئے دن آمد بہار کی غمازی کرتے ہیں تو یہ بھیڑیا دوبارہ رونما ہوتا ہے۔ پولستان میں ایک شخص کے سر پر بھیڑیے کی کھال ڈال کر اسے گشت کرایا جاتا ہے یا کچھ آدمی بھس بھرا بھیڑیا لے کر نکلتے ہیں اور پیسے وصول کرتے پھرتے ہیں۔ چند واقعات ایک ایسے قدیم دستور کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کے مطابق لوگ ایک گرگ پوش آدمی کو لے کر نکلا کرتے اور پیسے وصول کیا کرتے تھے۔

اناج کی روح مرغے کے روپ میں

ایک اور روپ جو اناج کی روح اکثر دھارتی ہے مرغ کا روپ ہے۔ آسٹریا میں بچوں کو کھیتوں میں آوارہ گردی سے روکا جاتا ہے کیونکہ وہاں اناج ''مرغا'' بیٹھا ہوتا ہے جو ٹھونگیں مار کر ان کی آنکھیں نکال لے گا۔ شمالی جرمنی میں لوگ کہا کرتے ہیں کہ آخری پولی میں مرغا بیٹھا ہوتا ہے اور اناج کی آخری بالیں کاٹتے وقت درو گر آواز لگاتے ہیں ''اب ہم مرغے کو رگید کر نکال لائیں گے۔'' ٹرانسلوینیا میں ایک مقام براہلر پر جب درو گر کھیت کاٹتے کاٹتے اس کے آخری ٹکڑے پر پہنچتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں ''یہاں ہم مرغا پکڑیں گے۔'' فیورسٹن والڈے میں جب آخری پولی بندھنے کو ہو تو کھیت والا ایک مرغ کو جو وہ ٹوکری میں رکھ کر لاتا ہے۔ کھیت میں چھوڑ دیتا ہے۔ سارے درو گر اس کے پیچھے

بھاگتے ہیں اور اس طرح وہ پکڑا جاتا ہے۔ دوسرے مقامات میں درو گر اس اناج کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں جو آخر میں کٹے' جو شخص اس کو پکڑ لیتا ہے اسے بانگ دینی پڑتی ہے اور وہ مرغا کہلاتا ہے۔ وینڈوں کے ہاں یہ ہوا کرتا تھا کہ کاشتکار اناج کی آخری پولی کے تلے جس وقت وہ کھیت میں پڑی ہوتی ایک زندہ مرغ لا کر چھپا دیتا اور اناج اکٹھا کیا جاتا تو وہ درو گر جسے اتفاق سے یہ پولی ملتی مرغ کا حقدار ہو جاتا بشرطیکہ اسے پکڑ بھی لیتا۔ یہ کارروائی جو ''مرغ گیری'' کہلاتی تھی تیوہار کے خاتمے کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ شراب جو اس موقع پر درو گروں کو پیش کی جاتی ''بوزہ مرغ'' کے نام سے موسوم تھی۔ اناج کی آخری پولی مرغا' پولی' فصل کا مرغا' فصل کی مرغی یا خزاں مرغی کہلاتی ہے۔ پیداوار کی قسم کے لحاظ سے یہ مرغ ایک دوسرے سے ممیز ہوتے ہیں' جیسے گیہوں مرغا' سیم مرغا وغیرہ وغیرہ۔ تھوریگن میں ایک مقام ون شن زحل پر آخری پولی سے ایک مصنوعی مرغا تیار کیا جاتا ہے اور اسے مرغ حاصل کہا جاتا ہے۔ مرغ کی ایک شبیہ جو لکڑی کی رقتی اور اناج کی بالوں سے تیار کی جاتی ہے حاصل بردار چھکڑے میں لے جائی جاتی ہے' خاص کر ویسٹ فیلیا میں' جہاں یہ مرغا اپنی چونچ میں مختلف النوع اجناس دبائے نظر آتا ہے۔ بعض اوقات مرغے کی کوئی شبیہ فصل کے آخری چھکڑے پر لدے ایک شجر بہار کی انی سے باندھ دی جاتی ہے۔ دوسرے مقامات پر ایک زندہ یا مصنوعی مرغا تاج حاصل سے باندھ دیا جاتا ہے اور بلی پر رکھ کر لے جایا جاتا ہے۔ گالیشیا اور دوسری جگہوں میں یہ زندہ مرغا اناج کی بالوں یا پھولوں کے ایک ہار سے باندھ دیا جاتا ہے جس کو درو گر عورتوں کے گروہ کی سردارنی اپنے سر پر رکھ کے فصل کے جلوس کے آگے آگے چلتی ہے۔ سی لیشیا میں ایک زندہ مرغا رکابی میں رکھ کر پیش کیا جاتا ہے۔ فصل کے عشائیہ کو مرغ حاصل یا ٹھنٹھ مرغا وغیرہ کہا جاتا ہے اور اس میں اصل ڈش کم از کم چند مقامات پر مرغ پر مشتمل ہوتی ہے۔ گر کوئی چھکڑے والا حاصل بردار چھکڑے کو الٹ دے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے ''مرغے کو گرا دیا ہے'' اور وہ مرغے یعنی فصل کے عشائیے سے محروم ہو جاتا ہے۔ حاصل بردار چھکڑے کو جس پر ایک مرغے کی شبیہ رکھی ہوتی ہے' کھتے لے جانے سے پہلے کشت خانے کے اطراف گھمایا جاتا ہے۔ اس مصنوعی مرغے کو مکان کے دروازے پر یا اس کے پہلو یا چھج میں کیلوں سے ٹھوک دیا جاتا ہے' جہاں وہ آئندہ فصل تک اسی طرح لگا رہتا ہے۔ مشرقی فریزیستان (پالستان) میں اس شخص کو جس کے ہاتھوں چھڑائی

میں آخری ضرب لگے کڑک مرغی کہا جاتا ہے اور اس کے آگے اس طرح دانہ ڈال دیا جاتا ہے جیسے وہ سچ مچ مرغی ہو۔

اس کے علاوہ اناج کی روح مرغے کے روپ میں ماری بھی جاتی ہے۔ مثلاً جرمنی ہنگری پولستان اور پکارڈی کے چند علاقوں میں وہ ایک زندہ مرغی لا کر اناج کے ان پودوں میں چھوڑ دیتے ہیں جن کی کٹائی سب سے آخر میں کی جاتی ہو اور پھر کھیت میں اس کے پیچھے دوڑتے ہیں یا گردن تک اسے زمین میں گاڑ دیتے ہیں جس کے بعد درانتی یا بنسیے سے اس کی گردن اڑا دی جاتی ہے۔ ویسٹ فیلیا کے متعدد علاقوں میں جب کھیت کاٹنے والے مزدور کاشتکار کے پاس لکڑی کا ایک مرغا لے کر آتے ہیں تو وہ انہیں زندہ مرغا دیتا ہے جس کو یہ مزدور کوڑوں یا لکڑیوں سے مار مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں یا کسی پرانی تلوار سے اس کو ذبح کر ڈالتے ہیں یا کھیت میں لڑکیوں کی طرف اٹھا کر پھینکتے ہیں یا کھیت والی کو پکانے کے لیے دے دیتے ہیں۔ اگر مرغ حاصل کرایا نہ گیا ہو یعنی اگر کوئی چکڑا اٹھانہ ہو تو فصل کاٹنے والے مزدوروں کو اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ باڑے کے کسی مرغ کو پکڑ اور کر کے مار ڈالیں یا اسے ذبح کر ڈالیں۔ ان مقامات پر جہاں یہ رسم ترک کر دی گئی ہے اب بھی بالعموم کھیت والے کی بیوی فصل کاٹنے والوں کے لیے سنڈنے ڈال کر مرغ کو شوربہ پکاتی ہے اور انہیں اس مرغے کا سر دکھاتی ہے جسے متذکرہ شوربے کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔ کلاوزنی بورگ ٹرانسلوینیا کے قرب و جوار میں فصل والے کھیت کے اندر ایک مرغا لے جا کر اس طرح گاڑ دیا جاتا ہے کہ اس کا فقط سر باہر رہ جاتا ہے۔ پھر ایک نوجوان درانتی لے کر ایک ہی ہاتھ میں اس کے سر کا صفایا کر دیتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کر پائے تو اسے سال بھر لال مرغا پکارا جاتا ہے اور لوگوں کو یہ اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ سال فصل خراب ہو گی۔ ٹرانسلوینیا میں ایک مقام اوودار ہیلی میں ایک زندہ مرغے کو کھیت کی آخری پولی سے باندھ دیا جاتا ہے اور کباب کی سیخ گھونپ کر مار دیا جاتا ہے۔ پھر اس کی کھال اتار کر گوشت کو پھینک دیا جاتا ہے لیکن کھال اور پر آئندہ سال کے لیے سنبھال کر رکھے جاتے ہیں۔ بہار میں کھیت کی آخری پولی کا دانہ ان پروں کے ساتھ ملا کر اس کھیت میں بکھیر دیا جاتا ہے جس کی جتائی کی جانے والی ہو۔ اناج کی روح کے ساتھ مرغے کی مماثلت و مجانست کے تصور کی اس سے زیادہ واضح مثال نہیں مل سکتی۔ آخری پولی میں بندھنے اور

مارے جانے کے بعد مرغے کو اناج سے اور اس کے مرنے کو اناج کے کٹنے سے تعبیر کیا جانے لگتا ہے۔ مزید برآں اس کے پروں کو بہار تک محفوظ رکھنے اور پھر انہیں اسی پولی کے دانے میں ملا کر جس میں مرغے کو باندھا گیا ہو کھیت میں بکھیرنے سے مرغ اور اناج کی باہمی مجانست نمایاں ہوتی ہے اور اس سے یہ عقیدہ بھی بالکل عیاں ہے کہ اناج کے مظہر کی حیثیت سے مرغا اپنے اندر ایک حیات بخش اور بارآور قوت رکھتا ہے۔ اس صورت سے اناج کی روح مرغے کے روپ میں کھیت کی کٹائی میں ماری جاتی ہے لیکن بہار میں وہ نئی توانائی کے ساتھ پھر زندہ ہو جاتی ہے۔ نیز اسی رسم سے اناج کے ساتھ مرغے کی مماثلت و مجانست کا تصور اس کو زمین میں دفن کرنے اور اس کا سر کاٹنے سے کچھ کم واضح نہیں۔

اناج کی روح خرگوش کے روپ میں:

اناج کی روح کا ایک مظہر خرگوش ہے۔ چنانچہ گالوے میں کھیت کی آخری بالوں کے درو کرنے کو خرگوش کی کٹائی کہا جاتا ہے۔ اس کے کاٹنے کا طریقہ کچھ یوں ہے۔ کھیت کی اس طرح کٹائی کی جاتی ہے کہ چند پودے خرگوش کی شکل میں باقی رہ جائیں۔ ان کو تین حصوں میں تقسیم کر کے بٹ لیا جاتا ہے اور بالوں کو جوڑ کر ان کی ایک گانٹھ باندھ دی جاتی ہے۔ پھر وہاں سے دروگر چند گز کے فاصلے پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس خرگوش کو باری باری اپنی درانتی کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسے گانٹھ کے نیچے سے کاٹنا شرط ہے۔ وہ یکے بعد دیگرے برابر اس پر اپنی درانتیاں پھینکے جاتے ہیں تا آنکہ کہ ان میں کوئی نہ کوئی ان ڈنٹھلوں کو گرہ کے نیچے کاٹنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر اس خرگوش کو گھر لے جایا جاتا ہے اور باورچی خانے میں کسی ماما کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو اسے باورچی خانے کے اندر دروازے پر رکھ دیتی ہے۔ بعض وقت اناج کا خرگوش اگلی فصل تک اسی طرح رکھا رہتا ہے۔ مُنی کاف کے کلیسائی علاقے میں جب خرگوش کی کٹائی ہوتی تھی تو نا کتخدا دروگر پوری رفتار سے گھر کی طرف بھاگتے اور ان میں سے جو سب سے پہلے پہنچتا اس کا بیاہ سب سے پہلے ہوتا۔ جرمنی میں بھی کھیت کی آخری پولی کا ایک نام خرگوش ہے چنانچہ جب آن ہالٹ میں سارا اناج درو ہو چکتا ہے اور صرف چند ڈنٹھل کھیت میں کھڑے رہ جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے ''خرگوش اب آنے ہی والا ہے۔'' یا دروگر ایک دوسرے کو آواز لگا کر کہتے ہیں ''دیکھنا'

کھیتوں میں پھلیاں توڑنے نہ جائیں۔ وہیں رئی بکری' اناج بکری یا ہیلس بکری بیٹھی یا لیٹی ہوئی ہے جو ان کو پکڑ کر لے جائے گی اور مار ڈالے گی۔ جب کوئی کھیت کاٹنے والا مزدور بیمار پڑ جائے یا اپنے کام میں ساتھیوں سے پیچھے رہ جائے تو یہ آواز لگائی جاتی ہے "فصل کی بکری نے اسے ٹکر ماری ہے" یا "اناج کی بکری نے اس کے سینگ مارے ہیں۔" براونس برگ (مشرقی پروشیا) کے قرب و جوار میں رئی باندھنے میں ہر شخص جلدی کرتا ہے کہ کہیں "اناج کی بکری اس کے سینگ نہ مار دے۔" ناروے میں ایک مقام اوے فوٹن پر ہر درو گر کے لیے کھیت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا جاتا ہے اور جب سارے مزدور اپنے اپنے حصوں کی کٹائی کر چکیں اور صرف ایک شخص اپنا کام ختم نہ کر پائے تو موخرالذکر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "وہ جزیرے پر رہ گیا ہے" اگر یہ سست رفتار مزدور مرد ہو تو اس کو پکارنے کے لیے وہی آوازیں نکالتے ہیں جو بکرے کے لیے مخصوص ہوں' اگر وہ عورت ہو تو اس کے لیے وہ آواز جو بکری کے لیے مخصوص ہو۔ بویریا کے نچلے علاقے میں جو آدمی کھیت کا آخری اناج کاٹے اس کے متعلق اناج کی قسم کے لحاظ سے یہ کہا جاتا ہے کہ "اس کے پاس اناج کی بکری ہے' رئی بکری ہے' گیہوں کی بکری ہے۔" اس کے علاوہ اناج کے آخری انبار پر دو سینگ لگا دیے جاتے ہیں اور اسے "سینگوں والی بکری" کہتے ہیں۔ کروٹس بورگ' مشرقی پروشیا' میں لوگ آخری پولی باندھنے والی عورت کو یہ آواز لگاتے ہیں "پولی میں بکری بیٹھی ہے" گاب لنگن' سوبیا' میں کسی کشت زار یا اراضی مزروعہ میں جئی کے آخری کھیت کی کٹائی کرتے وقت درو گر لکڑی کا ایک چوبی بت تراشتے ہیں۔ اس کے نتھنوں اور منہ میں جئی کی بالیں رکھ کر اس کو پھولوں کے گجروں سے سجایا جاتا ہے' اسے جئی بکری کہا جاتا اور کھیت میں لے جا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ جب کٹائی ختم ہونے لگتی ہے تو ہر درو گر اپنے حصے کا کام جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان میں جو سب سے پیچھے رہ جاتا ہے اسے جئی بکری مل جاتی ہے' نیز خود کھیت کی آخری پولی بکری کہلاتی ہے' چنانچہ بویریا کی وادی میں ویزینٹ میں کھیت پر جو پولی سب سے آخر میں باندھی گئی ہو بکری کہلاتی ہے اور یہاں یہ مثل مشہور ہے کہ "کھیت کو بکری کا بوجھ برداشت کرنا چاہیے۔" ڈس کے ایک علاقے اسپاخ بروگن میں وہ مٹھی بھر اناج جو سب سے آخر میں کٹے بکری کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھوں یہ کٹتا ہے ان کا بڑا مذاق اڑتا ہے۔ بیڈن میں ڈیورین بوخیگ کے مقام پر اور

موزباخ کے قرب و جوار میں آخری پولی بھی بکری کہلاتی ہے۔ بعض اوقات آخری پولی سے ایک مصنوعی بکری تیار کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے "اس کے اندر بکری بیٹھی ہے۔" نیز وہ شخص جو آخری پولی کاٹتا یا باندھتا ہے' بکری کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میکلن برگ کے بعض علاقوں میں آخری پولی باندھنے والی عورت کو آواز لگائی جاتی ہے "تم فصل کی بکری ہو۔" ہالوور کے ایک مقام یوبیلرن کے گردونواح میں فصل کا تہوار "فصل کی بکری کے لانے" سے شروع ہوتا ہے' یعنی آخری پولی باندھنے والی عورت کے تنکے لپیٹ کر اور فصل کا سہرا باندھ کر اسے ہتھ گاڑی میں گاؤں لایا جاتا ہے' جہاں اس کی آمد پر ایک حلقہ بند رقص ہوتا ہے۔ لون بورگ کے قرب و جوار میں اس عورت کو جو آخری اناج باندھتی ہے اناج کی بالیوں کا تاج پہنا کر اناج کی بکری کہا جاتا ہے۔ بیڈن میں ایک جگہ میرزے شائم میں وہ درو گر جس کے ہاتھوں کٹائی کے خاتمے پر اناج یا جئی کے آخری چند دانے کٹیں' اناج بکری یا جئی بکری پکارا جائے گا۔ سوئٹزرلینڈ کے صوبہ سینٹ گال میں جو شخص کھیت پر اناج کی آخری مشت کاٹے یا فصل کا آخری چھکڑا ہانک کر کھتے لے جائے اناج بکری' رئی بکری یا فقط بکری کہلاتا ہے۔ صوبہ تھرگاؤ میں اسے اناج بکری کہتے ہیں اور بکری ہی کی مانند اس کے گلے میں گھنٹی لگا دی جاتی ہے اور پھر اس کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ گھمایا جاتا ہے اور شراب میں بھگو کر شرابور کر دیا جاتا ہے۔ آسٹریا کے بعض علاقوں میں بھی آخری درو گر کو اناج بکری' جئی بکری وغیرہ کہا جاتا ہے۔ جس شخص کو اناج بکری کہا جائے اسے اصولاً سال بھر اسی نام سے موسوم رہنا پڑتا ہے۔

لیکن بعض صورتوں میں اناج کی روح کے متعلق یہ بھی عقیدہ ملتا ہے کہ وہ بکری کے روپ میں فصل والے کھیت پر ماری جاتی ہے۔ چنانچہ دریائے موزیل (ووژ) کے کنارے برن کاسٹل کے قرب و جوار میں درو گر قرعہ اندازی کے ذریعے کٹائی میں اپنی ترتیب معین کرتے ہیں۔ ان میں جو سب سے پہلے ہوتا ہے وہ مقدم درو گر کہلاتا ہے اور جو سب سے پیچھے ہوتا ہے وہ عقبی درو گر۔ اگر کوئی درو گر اپنے اگلے ساتھی پر سبقت لے جائے تو وہ اسے پیچھے چھوڑتے ہوئے چاروں طرف جھک کر اس طرح کٹائی کرتا ہے کہ وہ سست رفتار مزدور کھیت کے ایک ٹکڑے میں اکیلا رہ جاتا ہے۔ یہ ٹکڑا بکری کہلاتا ہے۔ جس شخص کے لیے اس طرح بکری کاٹی جاتی ہے وہ اپنے ساتھیوں کے لیے دن بھر نقل محفل بنا رہتا ہے

دور جب عقبی درو گر آخری بالیں کاٹنے لگتا ہے تو کہا جاتا ہے" بکری کی گردن اڑا رہا ہے۔"
گرے نوبل (فرانس) کے گردونواح میں کٹائی ختم ہونے سے پہلے ایک زندہ بکری کو پھولوں اور ربنوں سے سجا کر کھیت میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ درو گر اس کے پیچھے دوڑتے ہیں اور اس کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ ان کے ہاتھ آ جاتی ہے تو کاشتکار کی بیوی اسے کس کر پکڑ لیتی ہے اور کاشتکار اس کا سر اڑا دیتا ہے۔ اس بکری کے گوشت سے فصل کا عشائیہ تیار کیا جاتا ہے اور ایک ٹکڑے کو مسالہ لگا کر آئندہ سال فصل کی بکری کے کٹنے تک محفوظ رکھا جاتا ہے' پھر سارے مزدور مل کر اس گوشت کو کھاتے ہیں۔ اس دن اس بکری کی کھال سے ایک کلوک تیار کیا جاتا ہے' جسے کاشتکار کو' جو اپنے مزدوروں کے ساتھ کام کیا کرتا ہے' جب کبھی کٹائی کے زمانے میں بارش ہو یا موسم خراب ہو جائے' پہنے رہنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر کسی درو گر کی پیٹھ میں درد ہونے لگے تو کاشتکار یہ کھال اسے پہنا دیتا ہے۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیٹھ کی تکلیف کو جو سزا کے طور پر اناج کی روح کی طرف سے ملتی ہے اناج کی روح دور بھی کر سکتی ہے۔ اسی طرح ہم دیکھ چکے ہیں کہ بعض دوسرے مقامات پر جب کٹائی میں کسی درو گر کے چوٹ آ جائے تو اس کے زخم کو ایک بلی سے جو اناج کی روح کی مظہر ہوتی ہے چٹوایا جاتا ہے۔ جزیرہ مون کے اسٹھونی درو گروں کا خیال ہے کہ جو شخص فصل کی پہلی بالیں کاٹے اس کی پیٹھ میں درد ہونے لگے گا' غالباً اس لیے کہ ان کے عقیدے کی رو سے اناج کی روح کو پہلی چوٹ خاص طور پر ناگوار گزرتی ہے اور پیٹھ کے اس درد سے بچنے کے لیے ٹرانسلوینیا کے سیکسن درو گر اناج کی جو پہلی چند بالیں کاٹتے ہیں ان سے کمر کس لیتے ہیں۔ اس دستور میں بھی درد کی دوا کے لیے یا حفظ ماتقدم کے طور پر اناج کی روح سے رجوع کیا جاتا ہے لیکن اس کی اپنی اصل صورت میں' نہ کہ بلی یا بکری کے روپ میں۔

اس کے علاوہ اناج کی روح کو جو اناج چھڑتے وقت بکری کے روپ میں پکڑی جاتی ہے' کسی پڑوسی کے ہاں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ فرانش کونٹے (فرانس) میں جوں ہی چھڑائی ختم ہوتی ہے تو جوان پیال کی ایک مصنوعی بکری کسی ایسے پڑوسی کے باڑے میں رکھ آتے ہیں جس کے ہاں ابھی چھڑائی ہو رہی ہو۔ اسے لازم ہے کہ اس کے صلے میں وہ ان لوگوں کو شراب یا زر نقد دے۔ ایل ونگن' ورٹمبرگ میں اناج چھڑتے وقت آخری گٹھے سے ایک بکری کی شبیہ تیار کی جاتی ہے۔ اس کی ٹانگیں چار اور سینگ دو لکڑیوں پر مشتمل

ہوتے ہیں۔ اس شخص کو جس کے ساتھ کی ضرب سب سے آخر میں لگے' یہ مصنوعی بکری کسی ایسے پڑوسی کے کوٹھے میں لے جا کر پھینکنا پڑتی ہے جس کے ہاں چھڑائی ختم نہ ہوئی ہو۔ اگر وہ ایسا کرتے ہوئے پکڑا جائے تو بکری اس کی پشت سے باندھ دی جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک دستور بالائی بویریا میں انڈرز ڈورف کے مقام پر پایا جاتا ہے۔ یہاں وہ شخص جو پیال کی مصنوعی بکری کو پڑوسی کے کھتے میں ڈال دیتا ہے بکری کی طرح ممیانے لگتا ہے۔ اگر وہاں لوگ اس کو پکڑ لیں تو اس کا منہ کالا کر کے وہ بکری اس کی پشت پر باندھ دی جاتی ہے۔ آساس (فرانس) میں بمقام سیورنے' جب کوئی کاشتکار چھڑائی میں اپنے پڑوسیوں سے ہفتہ بھر یا اس سے زائد عرصہ پیچھے رہ جائے تو یا اس کے دروازے کے آگے بھس بھری ایک بکری یا لومڑی رکھ آتے ہیں۔

بعض اوقات اناج کی روح کے متعلق یہ عقیدہ ملتا ہے کہ وہ بصورت بز چھڑائی میں ماری جاتی ہے۔ بالائی بویریا کے ضلع ٹراونزٹاسٹائن میں لوگوں کا خیال ہے کہ جئی بکری' جئی کی آخری پولی میں ہوتی ہے۔ اس کی علامت کے طور پر ایک پرانی چپلی کو اٹھا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور اس کے اوپر ایک پرانا برتن بطور سر رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر بچوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ جئی بکری کو مار ڈالیں۔

اناج کی روح سانڈ' گائے یا بیل کے روپ میں

اناج کی روح بسا اوقات سانڈ' گائے یا بیل کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جب ہوا کے جھونکوں میں کھیت لہراتے ہیں تو مشرقی پروشیا میں کانیٹس کے لوگ کہا کرتے ہیں" اناج کے کھیت میں بچھڑا دوڑ رہا ہے۔" کھیت کے کسی حصے میں اناج گھن گھنا کر آئے اور موٹا ہو تو مشرقی پروشیا کے بعض علاقوں میں کہا جاتا ہے کہ" اناج میں سانڈ بیٹھا ہوا ہے" اگر کام کی زیادتی سے کسی کھیت کاٹنے والے مزدور کے ہاتھ پاؤں میں چوٹ لگ جائے تو مغربی پروشیا کے ضلع گراؤڈینس کے لوگ کہا کرتے ہیں کہ" سانڈ نے ٹکر ماری ہے۔" لارین میں کہا جاتا ہے۔" اسے سانڈ ملا ہے۔" ان دونوں محاوروں کا مطلب یہ ہے کہ وہ سوئے اتفاق سے اناج کی مقدس روح پر جا پڑا اور اس روح نے اپنی اس بے حرمتی کی پاداش میں اسے لنگڑا یا لولا کر دیا۔ چنانچہ شوتبرے (فرانس) کے قرب و جوار میں کوئی درو گر

اپنی درانتی سے زخمی ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کے "بیل کی چوٹ" لگی ہے۔ ضلع بونش لاؤ (سی لیشیا) میں بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اناج کی آخری پولی کا سن بھر کے اور بالیں لپیٹ کر ایک مصنوعی بیل تیار کیا جاتا ہے۔ یہ شبیہ "بوڑھا" کہلاتی ہے۔ بوہیمیا کے کچھ علاقوں میں آخری پولی سے آدمی کا پتلا بنایا جاتا ہے اور اسے بھینسے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان صورتوں میں اناج کے انسانی اور حیوانی روپ گڈمڈ نظر آتے ہیں اور اس ذہنی پراگندگی کی مثال ویسی ہی ہے جیسے بھیڑیے کے نام سے دنبہ مارنے کا دستور (جس کی مثال پیش کی جا چکی ہے) سویبیا میں ہر جگہ اناج کا وہ آخری گٹھا جو کھیت پر ہو' گائے کے نام سے موسوم ہے اور اس شخص کو گائے ملتی ہے جو اناج کی آخری بالیں کاٹے۔ خود وہ بھی اناج کی قسم کے لحاظ سے گائے' جو گائے یا جئی کہلاتا ہے۔ فصل کے عشائیے میں اس کو ایک گل دستہ اور اناج کی بالیں اور دوسروں سے زیادہ شراب ملتی ہے۔ لیکن اسے چھیڑ چھیڑ کر اس کی خوب ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ لہٰذا کوئی شخص گائے بننا پسند نہیں کرتا۔ یہ گائے کبھی کبھی ایک زنانہ پتلے کی صورت میں بھی پیش کی جاتی تھی' جو اناج کی بالوں اور کھیتوں کی خودرو بوٹیوں سے تیار کیا جاتا تھا۔ اس پتلے کو وہ شخص کشت خانے لے جایا جاتا ہے' جس نے اناج کی آخری مشت کاٹی ہو۔ بچے اس کے پیچھے دوڑتے اور پڑوسی اس کی ہنسی اڑانے کے لیے نکل آتے اور جب تک وہ کاشتکار اس سے وہ گائے نہیں لے لیتا' اسے چھٹکارا نہیں ملتا۔ یہاں بھی اناج کی روح کا انسانی روپ اس کی حیوانی صورت سے الجھا ہوا نظر آتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے مختلف حصوں میں وہ شخص جو اناج کی آخری بالیں کاٹے' گیہوں گائے' اناج گائے' جئی گائے یا اناج بچھڑے کے نام سے موسوم ہے اور نقل محفل بنایا جاتا ہے۔ دوسری طرف بوریا کے ضلع روزین ہائم میں جب کوئی کاشتکار غلہ کاٹ کرنے میں اپنے پڑوسیوں سے پیچھے رہ جائے تو وہ اس کے کشت زار میں ایک "پوال سانڈ" رکھ آتے ہیں۔ یہ لمبا چوڑا مصنوعی سانڈ ٹھنٹھلوں سے ایک چوبی ڈھانچے پر تیار کیا جاتا ہے اور پھول پتیوں سے سجایا جاتا ہے۔ اس پر اس شخص کی ہجو میں رذیل اشعار لکھ کر ایک لیبل لگا دیا جاتا ہے جس کی اراضی پر وہ پوال سانڈ رکھ دیا گیا ہو۔

اس کے علاوہ اناج کی روح سانڈ یا بیل کی صورت میں فصل والے کھیت پر کٹائی ختم ہوتے وقت ماری جاتی ہے۔ ڈیژون (فرانس) کے قریب پولی کے مقام پر جب اناج

کی آخری بالیں کٹنے کو ہوں تو ایک بیل ربنوں' پھولوں اور اناج کی بالوں سے آراستہ کھیت کے چاروں طرف گھمایا جاتا ہے' جس کے پیچھے سارے درو گر اچھلتے کودتے چلتے ہیں۔ پھر ایک شخص شیطان کا روپ بھرے اناج کی آخری بالیں کاٹتا ہے اور اس کے بعد ہی اس بیل کو ذبح کر ڈالتا ہے۔ اس کے گوشت کا کچھ حصہ فصل کے عشائیے میں شامل ہوتا ہے۔ کچھ حصے کو مصالحہ لگا کر آئندہ بہار میں بوائی کے وقت تک محفوظ رکھا جاتا ہے۔ پاں آموساں (فرانس) اور دوسرے مقامات میں کٹائی کے آخری دن شام کو یہ ہوا کرتا ہے کہ ایک بچھڑے کو پھولوں اور اناج کی بالوں سے سجا کر چارہ دکھاتے یا ڈنڈوں سے ہانکتے ہوئے تین مرتبہ باڑے کے گرد گھمایا جاتا ہے یا کاشتکار کی بیوی رسی سے کھینچتی ہوئی اسے گشت کراتی ہے۔ اس رسم کے لیے وہ بچھڑا منتخب کیا جاتا ہے جو اس سال بہار میں اراضی مزروعہ پر سب سے پہلے پیدا ہوا ہو۔ اس کے پیچھے پیچھے سارے دور گر اپنے اوزار لیے ہوئے چلتے ہیں۔ پھر اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور درو گر سب اس کے پیچھے دوڑتے ہیں اور جو کوئی اس کو پکڑ لیتا ہے وہ بچھڑے کا بادشاہ کہلاتا ہے۔ آخر میں اسے بڑی سنجیدگی سے مار دیا جاتا ہے۔ لوناویل (فرانس) میں اس موقع پر گاؤں کا یہودی تاجر قصائی کی خدمت انجام دیتا ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ بعض صورتوں میں اناج کی تازہ روح کے متعلق' جس کا کام آئندہ سال کے اناج کو تقویت اور بالیدگی بخشنا ہے' یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ وہ فصل والے کھیت پر ایک نوزائیدہ بچے کی صورت میں جنم لیتی ہے۔ اس طرح برے میں اناج کی نئی روح کے بارے میں بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کھیت پر بچھڑے کے روپ میں پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ جب پولیاں باندھنے والے کسی مزدور کے پاس رسی نہ ہو تو وہ باقی ماندہ گیہوں کو ایک طرف رکھ دیتا ہے اور گائے کی طرح ڈکرانا شروع کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "پولی نے بچھڑا جنا ہے۔" پوے ڈی ڈوم (فرانس) میں پولیاں باندھنے والا مزدور یا مزدورنی اس درو گر کا ساتھ نہ دے سکے' جس کے پیچھے اسے کام پر لگایا گیا ہو تو کہا جاتا ہے کہ "وہ بچھڑا جن رہا ہے یا جن رہی ہے۔" انہیں حالات میں پروشیا کے بعض علاقوں کے لوگ اس مزدورنی کو آواز لگا کر کہتے ہیں "سانڈ آنے والا ہے" اور سانڈ کی طرح ڈکرانے لگتے ہیں۔ ان صورتوں میں مزدورنی اناج کی گائے یا پرانی روح کی حیثیت رکھتی ہے اور فرضی بچھڑے سے مراد اناج کی تازہ روح ہے۔ آسٹریا کے بعض علاقوں کے

لوگوں کے عقیدے کی رو سے بہار میں جب اناج کے کلّے پھوٹتے ہیں تو ان میں ایک فرضی بچھڑا نظر آتا ہے اور بچوں کو ٹکر مارتا ہے۔ جب اناج ہوا میں لہراتا ہے تو لوگ یہ کہتے ہیں ''بچھڑا گھومتا پھر رہا ہے۔'' جیسا کہ مان ہارٹ کا کہنا ہے ''موسم بہار کا یہ بچھڑا واضح طور پر اسی جانور سے عبارت ہے جو بعد میں ان لوگوں کے عقیدے کے بموجب کٹائی میں مارا جاتا ہے۔''

اناج کی روح گھوڑے یا گھوڑی کے روپ میں:

بعض اوقات اناج کی روح گھوڑے یا گھوڑی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کاٹو اور اسٹوٹ گارٹ (جرمنی) کے درمیانی علاقے میں جب اناج کے پودے ہوا کے جھونکوں سے خم ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے ''وہ گھوڑا دوڑا جاتا ہے۔'' بیڈن میں راڈولفسل کے قریب ایک جگہ یوہلنگن میں جئی کی آخری پولی کو جئی گھوڑا یا جئی سانڈ (وہ گھوڑا یا نر جو جفتی کے لیے مخصوص ہو) کہا جاتا ہے۔ ہرٹ فرڈ شائر میں کٹائی کے خاتمے پر ایک رسم ادا کی جاتی تھی جو ''مادیان پکارنا'' کہلاتی تھی۔ اس میں لوگ اناج کی آخری بالوں کو جو کھیت میں کھڑی رہ گئی ہوں جوڑ کر باندھ دیتے ہیں اور اس صورت میں انہیں مادیان کہا جاتا ہے۔ دروگر کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اس کھڑی پولی پر درانتیاں پھینکتے ہیں اور جو شخص اسے کاٹ لیتا ہے ''تحسین و آفرین کی صداؤں میں گویا بازی لے جاتا ہے۔'' جب یہ کٹ چکتی ہے تو دروگر تین مرتبہ بہ آواز بلند یہ الفاظ دہراتے ہیں ''میں نے اسے پالیا۔'' اتنی ہی مرتبہ باقی جواب دیتے ہیں ''تم نے کیا پایا؟'' جواب آتا ہے: ''مادیان! مادیان! مادیان!'' پھر پوچھا جاتا ہے ''وہ ہے کس کی۔'' مالک کا نام لے کر ''فلاں فلاں کی'' ''اور تم اسے کہاں بھیجو گے؟'' کسی ایسے پڑوسی کا نام لے کر جو ابھی کٹائی سے فارغ نہ ہوا ہو ''فلاں فلاں کے ہاں'' اس دستور میں اناج کی روح گھوڑی کے روپ میں کسی ایسے کشت زار سے جہاں اناج کٹ چکا ہو اس کشت زار میں منتقل کر دی جاتی ہے جہاں وہ ابھی بن کٹا رہ گیا ہو اور اس لیے یہاں عام خیال کے بموجب اناج کی روح کا پناہ لینا قدرتی بات ہے۔ شراپ شائر میں بھی ایسا ہی دستور پایا جاتا ہے۔ یہاں کاشتکار اس شخص کی بابت جو فصل کی کٹائی میں سب سے پیچھے ہو اور اس وجہ سے جس کے

ہاں اناج کی گھوڑی آ کر رک جائے' یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کو ''سردیوں تمام اپنے پاس رکھتا ہے۔'' بعض وقت جس مضحک انداز سے گھوڑی پیش کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک بوڑھے سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ ''جب ہم بیٹھے رات کا کھانا (فصل کا عشائیہ) کھا رہے تھے تو ایک شخص باگ لیے اسے (گھوڑی کو) لے جانے آ پہنچا۔'' ایک جگہ تو اس موقعے پر ایک بچ بچ کی گھوڑی بھیجنے کا رواج تھا لیکن اس پر سوار ہو کر جانے والے ناخواندہ مہمان کے ساتھ پڑوسی کے کشت خانے پر کچھ اچھا سلوک نہ ہوتا۔''

لیل (فرانس) کے آس پاس گھوڑے کے روپ میں اناج کی روح کا یہ تصور نمایاں چلا آتا ہے۔ یہاں جب کوئی کھیت کاٹنے والا کام کرتے کرتے تھک جائے تو کہا جاتا ہے ''اسے گھوڑے کی تکان ہے۔'' پہلی پولی کو جو گھوڑے کی صلیب کہلاتی ہے باکس (وہ جھاڑی جو باغوں کے اطراف لگائی جاتی ہے) کی لکڑی کی ایک صلیب سی بنا کر اس پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اسے کشت زار کے سب سے کم سن گھوڑے کا روندنا ضروری ہے۔ کھیت کاٹنے والے اناج کے آخری ڈنٹھلوں کے گرد رقص کرتے ہوئے کہتے ہیں ''دیکھو گھوڑے کی لاش کے ٹکڑے۔'' ان آخری پودوں سے جو پولی باندھی جاتی ہے وہ کلیسائی علاقے کے سب سے کم سن گھوڑے کو کھلائی جاتی ہے۔ یہ علاقے کا سب سے کم سن گھوڑا بقول مان ہارٹ کے آئندہ سال کے اناج کی روح ہے' یعنی وہ بچھڑا جو آخر میں کٹے ہوئے اناج کو کھا کر پرانے اناج کے گھوڑے کی روح کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے' کیونکہ بالعموم اناج کے گھوڑے کی روح کا آخری مامن اس کی آخری پولی ہوتی ہے۔ نیز جو شخص آخری پولی چھوڑتا ہے اس کے متعلق ''گھوڑے کو پیٹنے'' کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

اناج کی روح سور یا سوریا کے روپ میں:

اب آخر میں اناج کے جس حیوانی مظہر پر غور کیا جائے گا وہ سور یا سوریا ہے۔ تھورنگن میں جب ہوا کے جھونکوں سے اناج کے تازہ پودے ہلتے ہیں تو لوگ کبھی کبھی کہتے ہیں ''سور اناج کے کھیت میں دوڑا جاتا ہے۔'' ایستھونیا کے جزیرہ اوسل (بحیرہ بالٹک) میں اناج کی آخری پولی کو رئی سور کہا جاتا ہے اور جس شخص کو یہ پولی ملتی ہے اس کا ان الفاظ کے ساتھ سواگت کیا جاتا ہے ''تمہاری پشت پر رئی سور لدا ہوا ہے۔'' اس کے جواب میں

شخص مذکور ایک نغمہ چھیڑ دیتا ہے جو دعائے برکت پر مشتمل ہوتا ہے۔ آگسبورگ کے قریب ایک جگہ کوہ مرد کیل میں فصل کی کٹائی کے خاتمے پر سارے درو گر اناج کے آخری گچھے کو باری باری ایک ایک ڈنٹھل کر کے کاٹتے ہیں۔ ان میں اس شخص کو جو آخری ڈنٹھل کاٹتا ہے "سوریا مل جاتی ہے" اور اس کی بڑی ہنسی اڑتی ہے۔ دوسرے سوبیائی گاؤں میں بھی وہ شخص "سوریا پاتا ہے" یا "رئی سوریا پاتا ہے" جو کٹائی میں سب سے پیچھے رہے۔ بیڈن میں راڈلفسل کے قریب ایک جگہ بوولکن میں آخری پولی اناج کی قسم کے لحاظ سے رئی سوریا یا گیہوں سوریا کہلاتی ہے اور اس علاقے میں رودہرن باخ کے مقام پر جو شخص آخری پولی کے طور پر آخری کولی بھر اناج لائے اناج سوریا یا جئی سوریا کہلاتا ہے۔ فریڈلنگن واقع سوبیا میں آخری ضرب لگانے والا خرمن کوب اناج کی قسم کے لحاظ سے سوریہ' جو سوریا' اناج سوریہ وغیرہ وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اونسٹ مینگن میں جس شخص کے ہاتھوں چھڑائی میں آخری ضرب لگے وہ "سوریا پاتا ہے۔" اسے عموماً ایک پولی میں باندھ کر رسی سے گھسیٹتے ہوئے لے جایا جاتا ہے اور سوبیا میں بالعموم اس شخص کو جس کی سانٹ کی ضرب آخری ہو سوریا کہا جاتا ہے۔ تاہم وہ پوال کی اس رسی کو کسی پڑوسی کے طرف منتقل کر کے' جو اس کا نشان امتیاز ہے' اپنے ناگوار اعزاز سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ شخص مذکور کو کسی گھر میں جا کر یہ آواز لگاتے ہوئے وہ رسی ڈال دیتا ہے "یہ میں تمہارے لیے سوریا لایا ہوں!" گھر کے سارے آدمی اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ اگر وہ پکڑا جائے تو اس کی خوب پٹائی ہوتی ہے اور اسے کئی گھنٹے سور کے باڑے میں بند رکھ کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ "سوریا" کو واپس لے جائے۔ بالائی بویریا کے مختلف علاقوں میں اس شخص کے لیے جو چھڑائی میں آخر ضرب لگائے "سور لے جانا" لازمی ہو جاتا ہے' جس سے مراد پیال کی ایک مصنوعی سوریا یا محض پیال کے رسوں کا بنڈل لے جانا ہے۔ اسے لے کر وہ قریب کے کسی ایسے کشت زار پر پہنچتا ہے جہاں چھڑائی ہنوز ختم نہ ہوئی ہو اور کھتے میں پھینک دیتا ہے۔ اگر وہ وہاں کے چھڑائی کرنے والے مزدوروں کے ہاتھ آ جائے تو اس کی بری گت بنتی ہے۔ وہ اس کی ٹھکائی کرتے ہیں' سوریا اس کی پشت پر باندھ کر اس کے چہرے پر کالک یا گندگی ملتے ہیں اور اسے کوڑے پر پھینک دیتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ اگر سوریا کو لے جانے والی کوئی عورت ہو تو اس کے بال کاٹ دیے جاتے ہیں۔ فصل کے عشائیہ پر اس "سور لے جانے والے" شخص

کو ڈمپلنگ (اس قسم کی پڈنگ جو میدے وغیرہ میں سیب رکھ کر تیار کی جاتی ہے) کے ایک یا ایک سے زائد ٹکڑے جو بصورت خنزیر تیار کیے جاتے ہیں ملتے ہیں۔ جس وقت یہ ٹکڑے خادمہ لا کر اس کو پیش کرتی ہے تو میز پر تمام لوگ "سوز! سوز! سوز!" کرنے لگتے ہیں جو سوروں کو بلانے کی مخصوص آواز ہے۔ بعض اوقات عشائیے کے بعد اس کے شخص کے منہ پر کالک مل دی جاتی ہے اور اسے گاڑی پر بٹھا کر گاؤں میں گشت کرایا جاتا ہے اور ایک ہجوم اس کے پیچھے ہو لیتا ہے جو اس طرح سوز! سوز! سوز! کرتا جاتا ہے' جیسے سوروں کو آواز لگاتا ہو۔ بعض اوقات اس شخص کو گاؤں میں گھمانے کے بعد گھورے پر پھینک دیا جاتا ہے۔

لیکن سور کے روپ میں اناج کی روح کے اس تصور کی واضح ترین مثال اسکینڈی نیویا کا یول سور والا دستور ہے۔ چنانچہ سویڈن اور ڈنمارک میں یہ ہوا کرتا ہے کہ یول (کرسمس) پر سور کی شکل کی ایک ڈبل روٹی پکائی جاتی ہے اور اسے "یول سور" کہا جاتا ہے۔ یہ عموماً آخری پولی کے دانے سے تیار کی جاتی ہے۔ یول میں تمام وقت یہ "یول سور" میز پر کھڑا رہتا ہے۔ اکثر اسے اگلی بہار کی بوائی کے وقت تک محفوظ رکھا جاتا ہے' جبکہ اس کا کچھ حصہ بیج میں ملا دیا جاتا ہے کچھ ہالی کو کھانے کے لیے دے دیا جاتا ہے اور کچھ ہل میں جتنے والے گھوڑوں یا بیلوں کو کھلا دیا جاتا ہے' اس توقع کے ساتھ کہ فصل اچھی ہوگی۔ زیر بحث دستور میں اناج کی روح جو آخری پولی میں داخل و شامل ہوتی ہے' سرما کے وسط میں اس سور کا روپ دھارے نمودار ہوتی ہے جو آخری پولی کے دانے سے بنایا جاتا ہے۔ اناج پر اس کا جو حیات بخش اثر پڑتا ہے وہ "یول سور" کا کچھ حصہ بیج میں ملائے جانے اور کچھ ہالی کو کھانے کے لیے دیے جانے سے ظاہر ہے۔ اسی طرح ہم دیکھ چکے ہیں کہ اناج بھیڑیا وسط سرما میں رونما ہوتا ہے جبکہ بہار قریب آنے لگتی ہے۔ کسی زمانے میں کرسمس کے موقع پر ایک حقیقی سور قربان کیا جاتا تھا اور بظاہر "یول سور" کے روپ میں ایک آدمی بھی۔ یہ کم از کم ایک رسم سے مستنبط ہوتا ہے جو سویڈن میں ابھی تک جاری ہے۔ اس میں ایک آدمی کھال میں لپٹا مٹھی بھر پوال اس طرح منہ میں دبائے لگتا ہے کہ اس کے باہر کو نکلے ہوئے تنکے سور کے بال دکھائی دیتے ہیں۔ پھر چھری لائی جاتی ہے اور اس سے ایک بڑھیا جس کے منہ پر کالک ملی ہوتی ہے اس آدمی کو ذبح کرنے کا بہانہ کرتی ہے۔

ایستھونیا کے جزیرہ اوسیل میں کرسمس کی شب لمبا سا ایک کیک تیار کیا جاتا ہے جو

دوسروں پر سے مڑا ہوتا ہے۔ اس کو کرسمس کا سور کہا جاتا ہے اور یہ نئے سال کے پہلے دن تک میز پر رکھا رہتا ہے' جبکہ اس کا تھوڑا تھوڑا سا حصہ سارے مویشیوں کو کھلا دیا جاتا ہے۔ اس جزیرے کے دوسرے حصوں میں کرسمس کا سور کیک کے بجائے سور کے بچے پر مشتمل ہوتا ہے جو مارچ میں پیدا ہوا ہو۔ اس کو گھر والی چوری چھپے کھلا پلا کر موٹا کرتی رہتی ہے' جس کی عموماً خاندان کے دوسرے افراد کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔ کرسمس کی رات یہ چھوٹا سا سور چپکے سے مار دیا جاتا ہے' پھر اسے تنور میں بھون لیا جاتا ہے اور میز پر لے جا کر چاروں پاؤں پر کھڑا کر دیا جاتا ہے' جہاں وہ کئی دن تک اسی صورت میں کھڑا رکھا جاتا ہے۔ نیز مذکورہ بالا جزیرے کے بعض دوسرے حصوں میں اگرچہ کرسمس والا کیک نہ تو سور کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی شکل سور کی سی ہوتی ہے' لیکن وہ سال نو کے آغاز تک رکھا رہتا ہے' جس پر اس کا آدھا حصہ خاندان کے افراد اور چوپایوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور آدھا آئندہ بوائی تک محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس وقت صبح میں اس حصے کو بھی اسی طرح آدمیوں اور جانوروں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسٹھونیا کے دوسرے علاقوں میں کرسمس کا سور رئی کے اس دانے سے تیار کیا جاتا ہے جو سب سے پہلے کاٹا گیا ہو۔ یہ مخروطی شکل کا ہوتا ہے اور اس پر سور کی ہڈی یا چابی سے ایک صلیب کا نشان بنا دیا جاتا ہے' پھر بکسوے یا کوئلے سے تین گڑھے ڈال دیے جاتے ہیں۔ یہ جشن کرسمس کے سارے ایام میں میز پر ایک چراغ کے برابر کھڑا رہتا ہے۔ نئے سال کے پہلے دن اور ظہور مسیح کے موقع پر سورج کے نکلنے سے پہلے اس کیک کا چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر اس کے بھوسے مویشی کو دیا جاتا ہے۔ باقی کیک اس دن کے لیے اٹھا کر رکھ لیا جاتا ہے جب بہار میں مویشی پہلی مرتبہ چراگاہ پر لے جائے جاتے ہیں۔ اس دن وہ کیک کسان کے تھیلے میں ڈال دیا جاتا ہے اور شام کو ذرا ذرا سا تمام مویشیوں کو کھلا دیا جاتا ہے تاکہ وہ جادو ٹونے اور مصیبت سے بچے رہیں۔ بعض مقامات میں جو کی بوائی کے وقت بھرپور فصل پیدا کرنے کی غرض سے کرسمس کا یہ سور کشت زار کے ملازم اور مویشی دونوں کھاتے ہیں۔

حاصل بحث:

اناج کی روح کے ان حیوانی مظاہر کے بارے میں جو شمالی یورپ کے عوامی رسم و

رواج میں نظر آتے ہیں' ہمیں بس اسی قدر کہنا تھا۔ ان رسم و رواج میں فصل کے عشائیے کی متبرک حیثیت یا عشائی خصوصیت بالکل عیاں ہے۔ اناج کی روح کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ کسی جانور کا روپ دھارتی ہے۔ اس مقدس جانور کو ذبح یا ہلاک کر دیا جاتا ہے اور اس کا خون اور گوشت فصل کاٹنے والے مزدور کھا لیتے ہیں۔ اسی طرح مرغا' خرگوش' بلی' بکری اور بیل بطور تبرک یا عشائیے ربانی ان مزدوروں کے کھانے میں آ جاتا ہے اور سور بہار میں ہالی بطور تبرک کھا لیتا ہے۔ نیز متبرک جانور کے اصل گوشت کے بجائے اس کی شکل کی روٹی یا ڈمپلنگ بطور تبرک کھائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ڈمپلنگ کے خنزیری ٹکڑوں کا تبرک دروگر فصل کی کٹائی اور اسی شکل کے نان بھاؤ کا تبرک (یول سور) ہل راں اور اس کے مویشی بوائی کے وقت کھاتے ہیں۔

آپ نے غالباً غور کیا ہوگا کہ انسانی اور حیوانی روپ میں اناج کی روح کے تصورات کے درمیان کیسی کامل مطابقت پائی جاتی ہے۔ آئیے یہاں ان کی مطابقت پر ایک اجمالی نظر اور ڈالی جائے۔ اناج کے پودوں کو ہوا میں لہراتا دیکھ کر لوگ اسے یا تو ان ماتا کے گزرنے سے تعبیر کرتے ہیں یا اناج بھیڑیے وغیرہ کے۔ بچوں کو متنبہ کر دیا جاتا ہے کہ وہ اناج کے کھیتوں میں مارے مارے نہ پھریں' اس لیے کہ ان میں یا تو ان ماتا ہوتی ہے یا اناج بھیڑیا' خیال ہے کہ اناج کی ان بالوں میں جو سب سے پیچھے کاٹی یا جھڑی گئی ہوں یا تو ان ماتا موجود ہوتی ہے یا اناج بھیڑیا وغیرہ۔ آخری پولی کو خود یا تو ان ماتا کہا جاتا ہے یا اناج بھیڑیا اور اس سے یا تو عورت کی شبیہ تیار کی جاتی ہے یا مصنوعی بھیڑیا وغیرہ۔ جو شخص آخری پولی باندھتا' کاٹتا یا جھڑتا ہے وہ اس کے نام کے لحاظ سے جو خود اس پولی کو عطا کیا جائے یا تو بڑھیا کہلاتا ہے یا بھیڑیا وغیرہ۔ جس طرح بعض مقامات پر اناج کی پولی سے آدمی کا پتلا بنا کر اسے کنواری' مکئی کی ماں وغیرہ کہا جاتا ہے اور اسے ایک فصل سے دوسری فصل تک محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ اناج کی روح کی برکتوں کا سلسلہ جاری رہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر اسی مقصد سے ایک فصل کا مرغا اور بعض دوسرے مقامات پر ایک فصل کی بکری کا گوشت ایک فصل سے دوسری فصل تک سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ جس طرح بعض مقامات پر ان ماتا یا دوشیزہ فصل کا ایک جز کرسمس پر مویشی کو کھیت کی ابتدائی جتائی پر گھوڑوں کو کھلایا جاتا ہے جو ہل میں جوتے جائیں۔ نیز اناج کی روح کے انسانی یا حیوانی

نمائندوں کے قتل کا ڈھونگ اس روح کی موت کی تمثیل ہے اور اس کے پرستار یا تو اپنے معبود کے مظاہر کا متبرک جسم اور خون فی الحقیقت کھاتے یا پیتے ہیں' یا ایسی روٹی بطور تبرک کھاتے ہیں جو اس کی شبیہ پر مشتمل ہو۔

وہ دوسرے جانور جن کی صورت روح اختیار کرتی ہے' لومڑی' بارہ سنگا' آہو' بھیڑ' ریچھ' چوہا' بٹیر' لق لق' راج ہنس اور چیل ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اناج کی روح کے متعلق ایسا کیوں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے مختلف جانوروں کے روپ میں ظاہر ہوا کرتی ہے تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اناج کے پودوں میں سے کسی جانور یا پرندے کا محض برآمد ہونا ہی غیر مہذب انسان کے ذہن میں اناج اور جانور کے درمیان کسی مخفی رشتے کا تصور پیدا کرنے کے لیے کافی ہے اور اس امر کے پیش نظر کہ اگلے زمانے میں جب کھیتوں کی احاطہ بندی کا رواج نہیں تھا تو ان میں ضرور بھانت بھانت کے جانور چکر کاٹتے ہوں گے۔ لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں جو اناج کی روح کو اور تو اور گھوڑے اور گائے جیسے بڑے جانوروں پر بھی محمول کیا جاتا ہو' جو جدید انگلستان کے کسی کھیت میں شاید ہی کبھی نظر آتے ہوں۔ جانور کی صورت میں اناج کی روح کے تصور کی یہ توجیہہ اس عام عقیدے پر خصوصیت کے ساتھ صادق آتی ہے کہ اس کا حیوانی مظہر کھیت کے بن کٹے آخری چند پودوں میں دبکا یا چھپا رہتا ہے۔ اس لیے کہ جب فصل کٹتی ہے تو عموماً خرگوش اور تیتر جیسے جنگلی جانور بھاگ بھاگ کر کھیت کے اس آخری ٹکڑے میں پناہ لیتے ہیں' جس کی کٹائی باقی ہو اور جب یہ بھی کٹنے لگتا ہے تو وہاں سے بھی بھاگ کر بچ نکلتے ہیں۔ یہ صورت اس قدر باقاعدگی کے ساتھ پیش آتی ہے کہ درو گر اور دوسرے لوگ کھیت کے آخری ان کٹے ٹکڑے کے گرد لاٹھیں اور بندوقیں لیے تیار کھڑے رہتے ہیں تاکہ جب جانور اناج کے ڈنٹھلوں کی اس آخری پناہ گاہ سے تڑپ کر نکلے تو اسے مار ڈالیں۔ اب غیر متمدن انسان کو جس کے نزدیک ہیئت کی سحری تبدیلیاں قطعاً قرین عقل اور قابل اعتبار ہوتی ہیں' یہ بات فطرت کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کہ جب اناج کی روح کو تیار دانے میں اس کے آخری مسکن سے بھگایا جائے تو وہ اس جانور کی صورت میں راہ فرار اختیار کرے جو درو گر کی درانتی کے تلے کھیت کے آخری ٹکڑے میں سے جھپٹ کر نکلتا نظر آتا ہو۔ اس طرح اناج کی روح کے کسی حیوانی روپ کا یہ تصور اس کے متعلق اس تصور سے مماثل ہے جس کے مطابق وہ کسی راہ چلتے

اجنبی کا روپ دھارتی ہو۔ جس طرح جاہل ذہن کے لیے کٹائی کے زمانے میں کسی اجنبی کا کھیت یا کھلیان کی طرف اچانک آ نکلنا اس کو اناج کی خانماں خراب روح قرار دینے کے لیے کافی ہے' اسی طرح کسی جانور کا بھی درو شدہ اناج سے اچانک نکل بھاگنا اناج کی اس روح سے تعبیر کرنے کے لیے کافی ہے جو اپنے برباد شدہ گھر سے بچ نکلی ہو۔ اناج کی روح کے یہ دونوں تصورات ایک دوسرے سے اس قدر مطابقت رکھتے ہیں کہ ان کی تفہیم کی کسی کوشش میں انہیں علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

◆ ○ ◆

21

روح کے خطرات

جس طرح وحشی بالعموم فطرت کی بے جان اشیا کے ظہور کو ان ذی حیات موجودات کے عمل کا نتیجہ سمجھتا ہے' جو مظاہر عالم میں یا ان کی پشت پر کارفرما ہیں' اسی طرح وہ ذی حیات مظاہر کی بھی توجیہہ کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر کوئی جانور سانس لیتا اور حرکت کرتا ہے تو اس کا سبب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے جسم کے اندر کوئی چھوٹا سا جانور موجود ہے جو سے حرکت دیتا رہتا ہے۔ جانور کے اندر جو جانور یا آدمی کے اندر جو آدمی ہوتا ہے وہ اس کی روح سے عبارت ہے۔ اور جس طرح جانور یا آدمی کے عمل کو جسم میں روح کی موجودگی کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح نیند اور موت کو اس کی غیر موجودگی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ نیند یا سکتہ روح کا عارضی طور پر جسم سے جدا ہونا ہے اور موت مستقل طور پر لہٰذا موت اگر جسم سے روح کی مستقل جدائی کا نام ہے تو اس سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ روح کو جسم سے نکلنے سے روکا جائے' اور اگر نکل ہی جائے تو اسے واپس لانے کی کوئی یقینی تدبیر اختیار کی جائے۔ وحشی ایسے کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو احتیاطی تدبیریں اختیار کرتا ہے وہ بعض امتناعوں یا ٹیبوؤں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ ٹیبو محض ایسے ضوابط سے عبارت ہیں جن سے روح کو جسم میں یا تو مستقل طور پر موجود رکھنا مقصود ہے یا واپس لانا۔ دوسرے لفظوں میں وہ جان کے محافظ ہیں۔ ان کلیوں کی اب مثالوں کے ذریعے وضاحت کی جائے گی۔

ایک یورپی مبلغ نے چند آسٹریلوی وحشیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا "میں ایک نہیں ہوں بلکہ دو ہوں" یہ سن کر وہ ہنس پڑے۔ "تم جتنا چاہو ہنس لو" اس مبلغ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا "میں تم سے کہتا ہوں کہ میں ایک کے اندر دو ہوں۔ یہ میرا بڑا سا جسم بھی جو تمہیں نظر آتا ہے ایک ہے لیکن اس کے اندر ایک ننھا سا جسم بھی ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔ یہ بڑا جسم مر جاتا ہے اور سپرد خاک کر دیا جاتا ہے' لیکن اس بڑے جسم کے مرتے وقت چھوٹا جسم پرواز کر جاتا ہے۔" اس پر بعض وحشیوں نے کہا "ہاں' ہاں! ٹھیک ہے' ہم بھی دو ہیں۔ ہمارا بھی ایک چھوٹا سا جسم سینے کے اندر چھپا ہے۔" جب ان سے پوچھا گیا کہ موت کے بعد ان کا وہ چھوٹا سا جسم کہاں جاتا ہے تو ان میں سے بعض نے کہا کہ جھاڑی کے پیچھے' بعض نے کہا سمندر میں اور بعض نے کہا کہ انہیں خبر نہیں۔ ہورانوں (جنوبی مریکہ کے باشندوں کا ایک قبیلہ) کا خیال تھا کہ روح کے سر' جسم' ہاتھ' پاؤں سب کچھ ہیں اور وہ آدمی کا ایک چھوٹا سا مکمل نمونہ ہے۔ اسکیموؤں کا عقیدہ ہے کہ "روح کی ہیئت اس جسم کی سی ہوتی ہے' جس سے اس کا تعلق ہو' لیکن اس کا بدن نسبتاً لطیف اور رقیق قسم کا ہوتا ہے۔" نوٹکاؤں کے نزدیک روح کی شکل و صورت بونے کی سی ہے۔ اس کا مرکز آدمی کی چندیا ہے' لیکن اگر کسی وجہ سے وہ سیدھی کھڑی نہ رہ سکے تو آدمی کے حواس جاتے رہتے ہیں۔ دریائے فریزر کے نچلے علاقے کے امریکی قبیلوں کے نزدیک آدمی کی چار روحیں ہیں' جن میں سے اصل روح بونے سے ملتی جلتی ہے اور باقی تین پرچھائیاں ہیں۔ ملایا والے انسان کی روح کو انگوٹھے کے برابر ایک بالشتیا تصور کرتے ہیں جو رنگ' روپ اور تناسب کے اعتبار سے ٹھیک اس جسم سے مطابقت رکھتا ہے جس میں وہ رہتا ہو۔ یہ بالشتیا رقیق قسم کی ایک چیز ہے جو محسوس کی جا سکتی ہے لیکن اس کے کسی مادی شے میں داخل ہونے سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور جو ایک جگہ سے دوسری جگہ تیزی سے منتقل ہو سکتی ہے۔ وہ سکتے' نیند اور بیماری میں عارضی طور پر غائب رہتا ہے اور موت کے بعد مستقل طور پر۔

بالشتیا اور آدمی یا دوسرے لفظوں میں روح اور جسم ایک دوسرے سے اس قدر قریبی مشابہت رکھتے ہیں کہ جس طرح بھاری بھرکم جسم ہوتے ہیں اسی طرح بھاری بھرکم یا دبلی پتلی روحیں بھی ہوتی ہیں۔ اسی صورت سے جس طرح وزنی' ہلکے' لمبے اور چھوٹے جسم ہوتے ہیں' اسی طرح بھاری' ہلکی' لمبی اور چھوٹی روحیں بھی ہوتی ہیں۔ جزیرہ نیاس والوں کا

خیال ہے کہ ہر شخص سے اس کے پیدا ہونے سے پہلے پوچھا جاتا ہے کہ اسے کتنی لمبی اور کتنی بھاری روح چاہیے اور وہ جس قدر بھاری اور لمبی روح چاہتا ہے وہ اسے مل جاتی ہے۔ بھاری سے بھاری روح جو کسی کو ملتی ہے وہ تقریباً دس گرام کی ہوتی ہے۔ آدمی کی عمر اتنی ہی لمبی ہوتی ہے جتنی لمبی اس کی روح ہو' جو بچے مر جاتے ہیں وہ پست قامت روح لے کر آتے ہیں۔ فجیوں کے ذہن میں روح کے بونے کا جو تصور ہے وہ ان رسموں سے واضح ہے جو ناکیلوہام کے قبیلے میں جاری ہیں۔ اس قبیلے میں جب کوئی سردار مر جاتا ہے تو اس کی میت کو تیل مل کر اور زیور پہنا کر نفیس چٹائیوں پر لٹا دیا جاتا ہے اور چند خاص آدمی جن کا موروثی پیشہ جنازہ برداری ہے' اس سے چیخ کر یہ کہتے ہیں' "سردار صاحب! اٹھیے بس اب چلیں کہ آفتاب لب بام آ چکا ہے۔" پھر وہ اسے دریا پر لے جاتے ہیں جہاں روحوں کا ناخدا آن کر تا کیلوؤں کی روحوں کو دریا کے پار لے جاتا ہے۔ اس طرح جب وہ اپنے سردار کو اس کی آخری منزل تک لے جاتے ہیں تو اپنے پنکھوں کو زمین سے لگائے رکھتے ہیں تا کہ اس پر سایہ کیے رہیں' اس لیے جیسا کہ ان میں سے ایک آدمی نے ایک مسیحی مبلغ کو سمجھایا' "اس کی روح ننھی سی جان ہے۔" پنجاب میں جو لوگ اپنے جسموں پر تصویریں کھدواتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے مرنے پر روح یعنی "وہ ننھا سا آدمی یا ننھی سی عورت" جو تن خاکی کے اندر ہوتی ہے' انہی نقش و نگار کے ساتھ آسمان پر جائے گی جو زندگی میں اس کے بدن کی زینت رہے ہوں۔ تاہم بعض صورتوں میں' جیسا کہ آگے چل کر ہم دیکھیں گے' انسانی روح کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ اس کی شکل و صورت انسان کے بجائے جانور کی سی ہوتی ہے۔

روح کی غیر حاضری اور غلطی:

روح کے متعلق بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ جسم کے قدرتی چھیدوں' خاص کر منہ اور نتھنوں کے راستے بچ نکلتی ہے۔ لہٰذا سیلبیز میں بعض اوقات مچھلی پکڑنے کا کانٹا بیمار کے نتھوں' ناف اور پاؤں سے باندھ دیا جاتا ہے تا کہ اگر اس کی روح بچ نکلنے کی کوشش کرے تو اس کانٹے میں اٹک کر رہ جائے۔ بورنیو میں دریائے بارام کے نواح میں رہنے والا ایک ٹیورک چند پتھروں کو جو آنکڑے سے ملتے جلتے تھے' اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا' کیونکہ ان پتھروں نے اس کی روح کو بدن میں اٹکا رکھا تھا اور اس طرح ان کی بدولت اس

کا روحانی حصہ جسمانی حصے سے علیحدہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ جب کسی بجری دائنک کو ساحر یا طلم گر بنایا جاتا ہے تو خیال ہے کہ اس کی انگلیوں میں آنکڑے لگ جاتے ہیں' جن سے وہ ساحر بننے کے بعد انسان کی روح کو اڑتے میں پکڑ لیتا ہے اور مرنے والے کے جسم میں پھیر دیتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آنکڑوں کو دوست اور دشمن دونوں کی روحوں کو پکڑنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس اصول پر عمل کرتے ہوئے بورنیو کے سر شکار اپنے مقتول دشمنوں کی کھوپڑیوں کے برابر چوبی آنکڑے ٹانگ دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس تدبیر سے انہیں اپنی یلغاروں میں نئے سر اتار کر لانے میں مدد ملے گی۔ ہیڈا کے طلسم گر کے اوزاروں میں ایک ہڈی شامل ہوتی ہے جس میں وہ رخصت ہونے والی روحوں کو بند کر لیتا ہے اور جن لوگوں کے جسموں سے وہ نکلی ہوں ان میں واپس ڈال کر انہیں دوبارہ زندہ کر دیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے سامنے اگر کوئی جمائی لے تو وہ اس کا انگوٹھا ضرور چٹخا دیں گے۔ ان کے عقیدے کے بموجب ایسا کرنے سے روح منہ کے راستے نکلنے نہیں پائے گی۔ مار کوئی سائی (جزائر واشنگٹن کے باشندے) آدمی کے مرتے وقت اس کا منہ اور نتھنے بند کر دیا کرتے تھے تا کہ اس کا دم نہ نکلنے پائے۔ کہا جاتا ہے کہ نیو کیلے ڈونیہ والوں کے ہاں بھی یہی دستور تھا نیز اسی مقصد سے فلپائن کے باگو بو بیماروں کے پہنچوں اور ٹخنوں میں پیتل کے کڑے پہنا دیا کرتے ہیں۔ ادھر جنوبی امریکہ کے آئی ٹو نامر نے والے شخص کی آنکھ' ناک اور منہ پر مہر لگا دیتے ہیں کہ کہیں اس کی روح نکل کر اپنے ساتھ دوسروں کی روحوں کو بھی نہ نکال لے جائے۔ کچھ اسی وجہ سے جزیرہ نیاس والے' جو تازہ مردوں کی روحوں کو سانس سمجھتے ہیں اور ان سے بہت خائف رہتے ہیں' مردے کے نتھنوں میں ڈاٹ لگا کر یا جبڑوں کو باندھ کر اس کی آوارہ روح کو تن خاکی میں بند رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آسٹریلیا کے واکل برایہ کیا کرتے تھے کہ کسی میت کو چھوڑ کر جانے سے پہلے گرم گرم کوئلے اس کے کانوں میں رکھ دیتے تا کہ اس کی روح جسم میں رہے اور وہ وہاں سے اس طرح چپت ہو جائیں کہ روح انہیں نہ پا سکے۔ جنوبی سیلبیز میں دائی زچہ کے جسم سے ایک پٹی خوب کس کے لپیٹ دیتی ہے' تا کہ زچگی میں اس کی روح نکلنے نہ پائے۔ سوماٹرا کے مناٹگ کباؤوں کے ہاں بھی ایسا ہی ایک دستور جاری ہے۔ وہ بعض اوقات دھاگے یا ڈور کا لچھا زچہ کے پاس پہنچے یا پٹھوں سے لپیٹ دیتے ہیں تا کہ دردزہ میں جب اس کی روح پرواز

کرنے کی کوشش کرے تو اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملے۔ اور سیلبیز کے لفوروں کے ہاں جب کوئی بچہ ہوتا ہے تو اس خوف سے کہ کہیں اس کے پیدا ہوتے ہی اس کی روح بچ کر نکل نہ جائے' بڑی احتیاط سے گھر کے سارے کھلے ہوئے' حصے یہاں تک کہ تالے کا منہ بھی بند کر دیتے ہیں۔ نیز گھر کے اندر اور باہر تمام جانوروں کے منہ باندھ دیے جاتے ہیں کہ مبادہ بچے کی روح کو کوئی جانور نگل لے۔ پھر اسی وجہ سے زچگی کے دوران میں تمام وقت گھر میں زچہ سمیت سب لوگوں کو اپنے منہ بند رکھنے پڑتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے اپنی ناکوں کو کیوں کھلا چھوڑ دیا' جو بچے کی روح ان کے راستے داخل ہو جاتی؟ اس پر انہوں نے یہ جواب دیا کہ نتھنوں کے ذریعے چونکہ سانس جسم میں آتا بھی رہتا ہے اور جسم سے نکلتا بھی رہتا ہے' اس لیے اگر روح نتھنوں کے راستے داخل ہو تو فوراً خارج بھی ہو جائے گی اور جسم میں ٹکنے کا موقع نہیں ملے گا۔ مہذب قوموں کی زبانوں میں جو ناک میں دم ہونا' یا جان بہ لب ہونا وغیرہ جیسے محاورے پائے جاتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ روح کے منہ یا نتھنوں سے بچ نکلنے کا تصور کس قدر قدرتی چیز ہے۔

اکثر صورتوں میں روح کو ایک ایسا طائر تصور کیا جاتا ہے کہ جو قفس عنصری سے پرواز کرنے کے لیے ہر دم پر تولے رہتا ہو۔ اس تصور کے نقش غالباً بیشتر زبانوں میں موجود ہیں اور شاعرانہ استعاروں میں وہ آج بھی ملتا ہے۔ ملایا والوں کے ہاں اس تصور کی بنا پر بہت سی رسمیں جاری ہو گئی ہیں۔ اگر روح ایک اڑتی چڑیا ہے تو اسے چاول کے دانے ڈال کر پھسلایا جا سکتا ہے اور اس طرح یا تو اڑنے سے روکا جا سکتا ہے یا اگر وہ اڑ گئی ہو تو چل دے کر واپس بلایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جاوا میں جب بچے کو پہلی مرتبہ زمین پر چھوڑا جاتا ہے (یہ وہ وقت ہے جسے غیر مہذب لوگ خاص طور پر خطرناک خیال کرتے ہیں) تو اسے مرغیوں کی ٹوکری میں بند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ماں اس طرح کٹ کٹ کرنے لگتی ہے جیسے وہ مرغیوں کو بلاتی ہو۔ بورنیو کے ضلع سن تانگ میں جب کوئی آدمی' عورت یا بچہ کسی مکان یا درخت پر سے گر پڑے اور اسے گھر لایا جائے تو اس کی بیوی یا رشتے کی کوئی اور عورت انتہائی تیزی سے اس مقام پر پہنچتی ہے جہاں وہ حادثہ پیش آیا ہو اور چاول کے رنگے ہوئے زرد دانے یہ کہتے ہوئے بکھیر دیتی ہے "کٹ! کٹ! روح! فلاں فلاں شخص اپنے گھر میں ہے' کٹ! کٹ! روح!" پھر وہ ان سب چاولوں کو سمیٹ کر ایک ٹوکری میں

رکھ لیتی ہے اور انہیں زخمی کے پاس لے جا کر اپنے ہاتھ سے دانہ دانہ اس کے سر پر گراتی ہے جس کے ساتھ ساتھ پھر یہ دہراتی جاتی ہے "کٹ! کٹ! روح!" اس دستور کا مقصد بھی صریحاً یہ ہے کہ روح کی بھٹکی چڑیا کو دانہ ڈال کر واپس بلایا جائے اور اسے متعلقہ شخص کے سر میں لوٹا دیا جائے۔

سوتے آدمی کی روح کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے جسم سے نکل کر آوارہ گردی کرتی ہے اور سچ مچ ان مقامات پر پہنچتی ہے' لوگوں سے ملتی ہے' اور سارے وہ کام کرتی ہے جو اس آدمی کو خواب میں نظر آتے ہوں۔ مثلاً جب برازیل یا گیانا کا کوئی وحشی گہری نیند سے جاگتا ہے تو اسے اس بات کا پورا یقین ہوتا ہے کہ اس کی روح مچھلی یا کسی اور چیز کا شکار' درخت کی کٹائی یا جو کچھ بھی اس نے اپنے آپ کو خواب میں کرتے دیکھا ہو' وہ سچ مچ کر آئی ہے اور اس دوران میں اس کا جسم بے حس و حرکت اپنے جھولن کھٹولے میں پڑا رہا۔ بروروؤں (ایک برازیلی قوم) کے ایک گاؤں میں کسی نے خواب میں یہ دیکھ لیا کہ دشمن چپکے سے آن پہنچے ہیں۔ اس سے سب لوگوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور گاؤں خالی ہو گیا۔ امریکہ کی ماکوسی قوم کے ایک آدمی نے' جو بہت کمزور تھا' یہ خواب دیکھا کہ اس کے آقا نے اسے دشوار گزار آبشاروں سے ڈونگی کھینچ کر لانے پر لگایا ہے۔ اگلے دن صبح اس نے اپنے آقا کو اس بات پر بہت سخت سست کہا کہ وہ ایک غریب بیمار کا کوئی خیال کیے بغیر اس سے رات کے وقت مشقت اٹھواتا رہا۔ گرین چاکو کے باشندوں سے اکثر نہایت انوکھے قصے سنے گئے ہیں جنہیں وہ چشم دید واقعات بتاتے ہیں۔ جو اجنبی ان لوگوں سے اچھی طرح واقف نہ ہوں اور وہ ان قصوں کو سن کر فوراً انہیں جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں انہیں اس کی صداقت پر پورا پورا یقین ہوتا ہے' کیونکہ یہ مبالغہ آمیز قصے محض ان کے خواب کی باتیں ہیں جو ان کے نزدیک بیداری کے مشاہدات کی طرح سچ ہیں۔

نیند میں بھی روح کی غیر حاضری خطروں سے خالی نہیں' اس لیے کہ اگر وہ کسی وجہ سے مستقل طور پر جسم سے دور کہیں رکی رہ گئی تو اس شخص کی موت لازمی ہے جو اس طرح اپنی قوت حیات سے محروم ہو جائے۔ جرمنوں کے ہاں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ روح سوتے آدمی کے دہن سے سفید چوہیا یا پدی کی شکل میں پھدک کر نکل آتی ہے اور اس چوہیا یا چڑیا کی واپسی میں کوئی رکاوٹ سونے والے کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ٹرانسلوینیا میں

لوگ کہا کرتے ہیں کہ سوتے میں بچے کا منہ کھلا نہیں رہنا چاہیے ورنہ اس کی روح چوہیا بن کر بھاگ نکلے گی اور بچہ کبھی نہیں جاگ پائے گا۔ نیند کی حالت میں روح کے غائب ہو کر رہنے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک خفتہ آدمی کی روح کی کسی اور خفتہ آدمی کی روح سے مڈبھیڑ ہو سکتی ہے اور ان دونوں روحوں کی آپس میں لڑائی ہو سکتی ہے۔ اگر گنی کا کوئی حبشی صبح جوڑوں میں درد لے کر اٹھے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ نیند میں اس کی روح کی کسی اور روح نے پٹائی کی ہے۔ یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ سونے والے کی روح کی کسی ایسے شخص کی روح سے ملاقات ہو جائے جو حال میں مرا ہوا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے کر چلی جائے۔ اسی وجہ سے جزائر آرو (شرق الہند) میں کسی کے گھر میں کوئی مر جائے تو گھر کے لوگ اس کے بعد آنے والی رات کو سویا نہیں کرتے' کیونکہ ان کے خیال میں متوفی کی روح اس وقت تک گھر میں موجود ہوتی ہے' اور انہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں وہ ان کے خواب میں نہ آ جائے۔ اس کے علاوہ کسی سوتے آدمی کی روح کی واپسی میں کوئی حادثہ یا طبعی قوت حائل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی دائک خواب میں اپنے آپ کو پانی میں گرتا دیکھ لیتا ہے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ حادثہ اصل میں اس کی روح کو پیش آیا ہے اور وہ کسی جادوگر کو بلا بھیجتا ہے۔ جادوگر آن کر پانی کے تسلے میں ایک دستی جال ڈالتا ہے اور اس کی روح کو پکڑ کر اس کے جسم میں لوٹا دیتا ہے۔ سانتال ایک آدمی کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ سوتے میں اس کی روح کو جو پیاس لگی تو وہ چھپکلی بن کر اس کے جسم سے نکل آئی اور اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک ٹھلیا میں گھس گئی۔ لیکن اتفاق سے عین اس وقت ٹھلیا کے مالک نے اسے ڈھانپ دیا۔ اس طرح روح اس آدمی کے جسم میں واپس نہ ہو سکی اور وہ سوتے کا سوتا ہی رہ گیا۔ جب اس کے دوست اور رشتے دار اس کی لاش کو جلانے لگے تو کسی نے پانی لینے کے لیے ٹھلیا پر سے ڈھکنا ہٹا دیا اور چھپکلی اس میں سے نکل کر اپنے جسم میں واپس چلی گئی اور اس میں فوراً جان پڑ گئی۔ وہ آدمی اٹھ بیٹھا اور اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ان کے رونے کا سبب پوچھنے لگا۔ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ اسے مردہ سمجھے ہوئے تھے اور اس کی لاش کو جلانے والے تھے۔ اس نے کہا کہ وہ پانی پینے ٹھلیا کے اندر گیا ہوا تھا لیکن اس میں واپس نہیں نکل سکتا تھا اور یہ کہ وہ ابھی ابھی لوٹا ہے۔ یہ سب ان کا چشم دید واقعہ ہے۔

غیر مہذب لوگوں کا یہ ایک عام دستور ہے کہ وہ سوتے کو جگایا نہیں کرتے' کیونکہ

نیند میں اس کی روح اس سے دور ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے جاگتے جاگتے وہ لوٹ نہ پائے۔ اس طرح اگر خفتہ آدمی اپنی روح کے بغیر بیدار ہو جائے تو وہ بیمار پڑ جاتا ہے۔ اور اگر اس کا جاگنا نہایت ضروری ہو تو اسے رفتہ رفتہ جگانا چاہیے تاکہ روح کو واپسی کی مہلت مل جائے۔ جزائر فجی میں ماتو کے ایک آدمی کی ذرا آنکھ لگی تھی کہ اس پر کسی کا پاؤں پڑ گیا' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور اپنی روح کو پکار پکار کر اور گڑگڑا کر واپس بلانے لگا۔ وہ عین اس وقت یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ وہاں سے دور ٹانگا میں پہنچا ہوا ہے اور اس طرح اچانک جاگ کر اپنے آپ کو ماتو کو میں پایا تو بے حد سراسیمہ ہوا اور اسے اپنی موت سر پر کھڑی نظر آئی جس سے بچنے کی صرف یہ صورت تھی کہ اس کی روح کو بہلا پھسلا کر جلد از جلد سمندر پر سے واپس بلا لیا جائے۔ اگر ایک عیسائی مبلغ اس کی تسکین قلب کے لیے اس وقت وہاں موجود نہ ہوتا تو وہ شخص شاید دہشت سے مر جاتا۔

غیر مہذب آدمی کے نزدیک سوتے کو اس کی جگہ سے ہٹانا یا اس کی شکل بدلنی اور بھی خطرناک ہے' کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو روح واپسی پر اپنے جسم کو نہیں پا سکے گی یا پہچان نہیں سکے گی اور اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ مینانگ کبایو سوتوں کے چہروں پر کالک ملنا یا انہیں گندہ کرنا نہایت نامناسب سمجھتے ہیں۔ وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں غیر حاضر روح اپنے مسخ شدہ جسم میں داخل ہونے سے گریز نہ کرے۔ ملایا کے پاتانیوں کے خیال کے مطابق سوتے میں اگر کسی شخص کا چہرہ رنگ دیا جائے تو اس کی روح جو اس وقت اس کے جسم سے باہر گئی ہوتی ہے' اسے پہچان نہیں سکے گی' اور جب تک اس کا منہ نہ دھویا جائے وہ پڑا سوتا ہی رہے گا۔ بمبئی میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سوتے ہوئے آدمی کے چہرے پر طرح طرح کے رنگ مل کر یا عورت کے چہرے پر مونچھیں لگا کر اس کا حلیہ بگاڑنا بہ منزل قتل کے ہے' اس لیے کہ جب روح لوٹے گی تو اپنے جسم کو شناخت نہیں کر سکے گی اور سونے والا مر جائے گا۔

لیکن کسی آدمی کے جسم سے اس کی روح کے جدا ہونے کے لیے اس کا نیند میں ہونا ضروری نہیں' وہ بیداری میں بھی اس کے جسم سے علیحدہ ہو سکتی ہے' جس کا نتیجہ اس آدمی کی بیماری' دیوانگی یا موت ہوتا ہے۔ چنانچہ آسٹریلیا میں دورین جری قبیلے کے ایک آدمی پر نزع کی کیفیت طاری ہو گئی' کیونکہ اس کی روح اس سے رخصت ہو چکی تھی۔ ایک طلسم

گر اس کی روح کے پیچھے روانہ ہوا اور راستے ہی میں اسے عین اس وقت جا پکڑا جب وہ پھولتی شفق یعنی اس روشنی میں غائب ہونے والی تھی جو مغرب میں' جہاں آفتاب غروب ہوتا ہے' عالم اسفل سے نکلتی ہوئی روحیں ڈال دی جاتی ہیں۔ اس اڑتی روح کو پکڑ کر اور اسے اپنی اونی کمال میں چھپائے وہ ماہر فن بیمار کے پاس پہنچا اور اس پر پڑ کر روح کو اس کے جسم میں دوبارہ داخل کر دیا اور کچھ دیر بعد وہ آدمی دوبارہ زندہ ہو گیا۔ برما کے کارینوں کو یہ تردد رہتا ہے کہ کہیں ان کی روحیں انہیں مرتا چھوڑ کر آوارہ گردی کے لیے نہ چلی جائیں۔ چنانچہ ان میں جب کسی آدمی کو یہ خوف ہو کہ اس کی روح یہ مہلک قدم اٹھانے والی ہے تو اسے روکنے یا واپس لانے کے لیے ایک رسم ادا کی جاتی ہے' جس میں سارے کنبے کو حصہ لینا پڑتا ہے۔ اس میں کھانا تیار کیا جاتا ہے جو ایک مرغ اور ایک مرغی' خاص قسم کے چاول اور کیلے کی گیل پر مشتمل ہوتا ہے۔ پھر صدر خاندان وہ پیالہ لیتا ہے جس میں چاول کی پیچ نکالی جاتی ہے اور اسے گھر کی سیڑھی کی انی پر تین مرتبہ مار کر یہ کہتا ہے "پرو! لوٹ آ روح! باہر نہ ٹھہر' بارش میں بھیگ جائے گی' دھوپ میں تپ جائے گی' تجھے مچھر بھنبوڑ ڈالیں گے' جونکیں کاٹ کھائیں گی' شیر ہڑپ کر جائے گا' برق و رعد پیس کر رکھ دیں گے۔ پرو لوٹ آ۔ یہاں تجھے ہر طرح کا آرام رہے گا' ہر چیز میسر ہو گی۔ آ ہوا اور طوفان سے محفوظ رہ اور کچھ کھا پی لے۔" اس کے بعد کنبے کے سب لوگ مل کر وہ کھانا کھا لیتے ہیں۔ پھر ہر شخص اپنے داہنے پہنچے پر جادوگر کی دی ہوئی ایک طلسمی ڈوری باندھتا ہے' جس پر یہ رسم ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شمال مغربی چین کے لولوؤں کا عقیدہ ہے کہ روح مزمن مرض میں آدمی کو چھوڑ جاتی ہے۔ اس صورت میں وہ ایک طولسی مناجات پڑھتے ہیں' جس میں روح کا نام لے کر اسے پکارا جاتا ہے اور اس سے التجا کی جاتی ہے کہ وہ پہاڑیوں' وادیوں' دریاؤں' جنگلوں' کھیتوں میں سے' یا جہاں کہیں پڑی پھر رہی ہو' وہاں سے لوٹ آئے۔ ساتھ ہی گھر کی دہلیز پر پانی' شراب اور چاول کے پیالے رکھ دیے جاتے ہیں کہ تھکی ماندی روح آئے تو کھا پی کر تازہ دم ہو جائے۔ جب یہ رسم پوری ہو جاتی ہے تو روح کو قید رکھنے کے لیے بیمار کے بازو سے ایک سرخ ڈوری باندھ دی جاتی ہے۔ یہ ڈوری جب تک گھس گھسا کر گر نہیں جاتی' اس طرح بندھی رہتی ہے۔

کانگو کے بعض قبیلوں کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے تو اس کی روح جسم کو چھوڑ جاتی ہے اور ادھر ادھر گھومتی پھرتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں جادوگر سے

رجوع کیا جاتا ہے کہ آوارہ روح کو گرفتار کر لائے اور بیمار کے جسم میں لوٹا دے۔ عام طور پر جادوگر آن کر یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے روح کا بڑی کامیابی سے تعاقب کیا ہے اور وہ ایک درخت کی شاخ میں جا گھسی ہے۔ اس قصبے کے تمام لوگ نکل آتے ہیں اور جادوگر کی معیت میں اس درخت کے پاس پہنچتے ہیں۔ یہاں سب سے تگڑے آدمیوں کو چن کر اس شاخ کو توڑنے پر لگا دیا جاتا ہے' جس کے اندر روح گھس گئی ہو۔ یہ آدمی شاخ کو توڑ کر اسے اپنے کندھوں پر لادے قصبے کا رخ کرتے ہیں اور اپنی حرکات و سکنات سے یہ ظاہر کرتے جاتے ہیں کہ ان پر بڑا بھاری بوجھ لدا ہوا ہے۔ جب شاخ بیمار کے جھونپڑے پر پہنچا دی جاتی ہے تو بیمار کو اس کے برابر سیدھا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور جادوگر کچھ عمل کرتا ہے' جس کے اثر سے ان لوگوں کے عقیدے کے بموجب روح اپنے جسم میں واپس چلی جاتی ہے۔

سوماٹرا کے باتک سمجھتے ہیں کہ روح کی غیر حاضری سے آدمی بیمار' دہشت زدہ اور ناتواں ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔ سب سے پہلے وہ چاول کے دانے ڈال کر روح کو واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں' پھر عام طور پر یہ شبد دہرائے جاتے ہیں: "اے روح! تو جنگل' پہاڑ یا وادی میں جہاں کہیں رہ گئی ہے' لوٹ آ۔ دیکھ میرے پاس تیرے لیے تو میرا براس ہے' راجا موئے لیے جا مرغی کا انڈا ہے' گیارہ صحت بخش بچے ہیں۔ اسے بن' پہاڑی اور وادی میں رو کو نہیں' ایسا نہ ہونے پائے' اے روح! سیدھی گھر لوٹ آ!" ایک دفعہ ایک سیاح جو لوگوں میں بہت مقبول تھا' ایک کایانی گاؤں سے اپنے سفر پر روانہ ہونے لگا تو مائیں اس خوف سے کہ کہیں ان کے بچوں کی روحیں اس کے ساتھ نہ چلی جائیں' ان تختوں کو اٹھا لائیں جن پر وہ اپنے شیر خوار بچوں کو لیے پھرتی ہیں اور اس سے یہ پرارتھنا کرنے کی التجا کی کہ بچوں کی روحیں اپنے اپنے تختوں کو لوٹ آئیں اور اس سیاح کے ساتھ لگ کر کسی دور دراز ملک کو نہ چلی جائیں۔ بچے کی آوارہ گرد روح کو باندھنے کے لیے ہر تختے سے ایک ایک پھندا لگا ہوا تھا' جس میں اس کی پھولی ہوئی انگلی ڈلوائی گئی تا کہ اس بات کا یقین کر لیا جائے کہ اس کی ننھی سی روح آوارہ گردی نہیں کرے گی۔

ایک ہندوستانی قصے میں ایک راجا اپنی روح کو ایک برہمن کی لاش میں منتقل کر دیتا ہے اور خود اس کے خالی جسم میں ایک کبڑا اپنی روح کو۔ اس طرح کبڑا راجا اور راجا برہمن بن جاتا ہے۔ تاہم کبڑے کو اس بات پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مرے ہوئے

طوطے میں اپنی روح ڈال کر اپنی مہارت کا ثبوت دے۔ ادھر راجا جو موقعے کی تاک میں رہتا ہے اپنے جسم پر دوبارہ قبضہ کر لیتا ہے۔ اسی قسم کی ایک کہانی فروعی اختلاف کے ساتھ ملایا والوں کے ہاں بھی ملتی ہے جو یوں ہے کہ کسی بادشاہ نے بلا کسی وجہ کے اپنی روح ایک بندر میں منتقل کر دی۔ اس پر چالاک وزیر نے جھٹ اپنی روح بادشاہ کے جسم میں پہنچا دی اور اس طرح سلطنت اور ملکہ کو ہتھیا لیا۔ اس دوران میں اصلی بادشاہ بندر کے روپ میں بڑا غم کھاتا رہا۔ لیکن ایک دن نقلی بادشاہ جو کھیلا کرتا تھا مینڈھے لڑوا رہا تھا کہ وہ مینڈھا جس پر اس نے بڑی بازی لگائی تھی مارا گیا۔ اس میں جان ڈالنے کی بہتیری کوششیں کی گئیں لیکن ایک بھی کارگر نہ ہوئی تا آنکہ بنے ہوئے بادشاہ نے ایک سچے کھلاڑی کی طرح اپنی جان مینڈھے میں ڈال دی اور وہ جی اٹھا۔ اتنے میں اصلی بادشاہ جو موقع کی تلاش میں تھا بڑی ہوشیاری سے اپنے پرانے جسم میں منتقل ہو گیا جسے وزیر بے سوچے سمجھے چھوڑ گیا تھا۔ اس طرح بادشاہ تو اپنے اصلی روپ میں آ گیا اور غاصب وزیر مینڈھا بنا کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ ایسا ہی ہرموٹمس کلے زومنے نامی ایک شخص کا یونانی قصہ ہے جس کی روح اپنے جسم کو چھوڑ کر دور دور کی خبریں لاتی تھی جنہیں وہ اپنے دوستوں کو سنایا کرتا۔ ایک دن اتفاق سے جب اس کی روح گھومتی پھر رہی تھی دشمنوں نے اس کے جسم پر قبضہ کر لیا اور اسے جلا ڈالا۔

لیکن روح ہمیشہ اپنی مرضی سے جسم کو نہیں چھوڑتی بلکہ بھوت پریت یا جادوگر بھی اسے زبردستی کھینچ سکتے ہیں۔ اسی لیے کارنوں کے ہاں جب کوئی جنازہ کسی گھر کے پاس سے گزرتا ہے تو بچوں کو ایک خاص ڈوری سے گھر کے کسی حصے کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے اور جب تک جنازہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتا بچے اسی طرح اس جگہ بندھے پڑے رہتے ہیں۔ جنازے کو قبر میں رکھ کر مٹی دینے سے پہلے مرنے والے کے سوگوار عزیز اور دوست احباب سب اپنے ایک ہاتھ میں ایک ایک چرا ہوا بانس لیے اور ایک میں ایک ایک چھوٹی سی لکڑی قبر کے گرد قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ہر شخص اپنا اپنا بانس قبر میں ڈالتا جاتا ہے اور اس کی نالی میں سے لکڑی نکال نکال کر اپنی روح کو بتاتا جاتا ہے کہ اس طرح وہ قبر میں سے اوپر نکل آئے۔ جب پھاوڑے سے مٹی قبر میں ڈالی جاتی ہے تو بانسوں کو بڑے احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے کہ مبادا ان میں روحیں موجود ہوں اور ان کی غفلت سے مٹی کے ساتھ قبر میں دب جائیں۔ جس وقت وہ مدفن سے روانہ ہوتے ہیں تو اپنی

روحوں سے ساتھ چلنے کی منتیں کرتے ہوئے ان بانسوں کو بھی لیتے جاتے ہیں۔ نیز وہاں سے لوٹتے ہوئے ہر کارن اپنے لیے تین چھوٹے چھوٹے چوبی ہک درختوں سے کاٹ لیتا ہے اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے اپنی روح کو ساتھ چلنے کے لیے للکارتے ہوئے اسے ہک پکڑنے کا اشارہ کرتا جاتا ہے۔ پھر اس ہک کو زمین میں گاڑ دیتا ہے۔ یہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ جیتوں کی روحیں مردوں کی روحوں کے ساتھ نہ رہ جائیں۔ سوماٹرا کے کارو باتک اپنے کسی مردے کو دفن کرنے کے بعد اس پر مٹی ڈالنے لگتے ہیں تو ایک جادوگرنی ہوا میں لکڑی چلاتی ہوئی دوڑتی ہے کہ زندوں کی روح کو وہاں سے مار بھگائے اس لیے کہ اگر ان میں سے کسی شخص کی روح قبر میں اتر گئی اور اس میں دب کر رہ گئی تو وہ مر جائے گا۔

جزائر لاٹیٹی کے ایک ٹاپو اویا میں غالباً مردوں کی روحوں کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اپنے اندر زندوں کی روحوں کو اڑا لے جانے کی طاقت رکھتی ہیں۔ چنانچہ جب کوئی آدمی بیمار پڑتا تو وہ جادوگر جو روحوں کا ماہر ہوتا بہت سے مردوں اور عورتوں کو لے کر قبرستان پہنچتا۔ یہاں روح کو لبھا کر گھر لوٹانے کے لیے مرد بانسریاں اور عورتیں آہستہ آہستہ سیٹیاں بجاتیں۔ کچھ دیر تک یہ ہوتا رہتا جس کے بعد روح کو ہتھیلیوں سے ہانکا دیتے ہوئے سب لوگ جلوس کی شکل میں گھر کی طرف روانہ ہوتے اور تمام راستہ مرد بانسریاں اور عورتیں سیٹیاں بجاتی چلتیں۔ پھر مریض کے گھر پہنچ کر باآواز بلند روح کو حکم دیا جاتا کہ وہ بیمار کے جسم میں واپس چلی جائے۔

اکثر صورتوں میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ بھوت پریت آدمی کی روح کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ چنانچہ چینی دوروں اور تشنج کی کیفیت کو بعض ایسی ارواح کی شرارت سمجھتے ہیں جنہیں آدمیوں کی روحوں کو جسموں سے کھینچ نکالنے میں لطف آتا ہو۔ اماے میں اس قسم کی ارواح جو بچوں کی روحوں کے ساتھ یہ کارروائی کرتی رہتی ہیں ''شہسوار فرشتوں'' اور ''فلک آشیاں ناموروں'' کے شاندار القاب سے ملقب ہیں۔ جب کسی شیر خوار بچے پر تشنج کے دورے پڑ رہے ہوں تو اس کی ماں گھبرا کر چھت پر چڑھ جاتی ہے اور ایک بانس گھما گھما کر جس سے بچے کا کوئی کپڑا بندھا ہوتا ہے یہ الفاظ بہ آواز بلند دہراتی جاتی ہے ''میرے بچے فلاں فلاں! لوٹ آ' گھر لوٹ آ!'' اس دوران میں گھر کا کوئی اور فرد بھٹکتی روح کو متوجہ کرنے کے لیے جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ اپنے لباس کو پہچان کر اس میں

گھس جاتی ہے' ایک گھنٹے تک ضربیں لگاتا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ روح گرفتہ کپڑا بچے کو پہنا دیا جاتا ہے یا اس کے برابر رکھ دیا جاتا ہے اگر بچہ مر نہ جائے تو اس کارروائی سے اس کا دیر یا سویر اچھا ہو جانا یقینی ہے۔ اسی صورت میں امریکہ کے بعض قدیم باشندے آدمی کی روح رفتہ کو اس کے بوٹ میں پکڑ کر لاتے ہیں اور اس بوٹ کو اس کے پاؤں میں پہنا کر اسے دوبارہ اس کے جسم میں ڈال دیتے ہیں۔

جزائر موکا میں اگر کسی کا جی اچھا نہ ہو تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی روح کو کوئی بھوت اپنے کسی شجر یا پہاڑی ٹھکانے پر اڑا کر لے گیا ہے۔ کسی جادوگر سے اس بھوت کا ٹھکانا معلوم کرنے کے بعد مریض کے دوست احباب پکھ خشکہ' پھل' مچھلی' کچے انڈے' ایک مرغی' ایک چوزہ' ایک ریشمی عبا' سونا بازو بند وغیرہ لیے وہاں پہنچ جاتے ہیں اور کھانے کی چیزیں ترتیب کے ساتھ رکھ کر ان الفاظ میں بھوت سے پرارتھنا کرتے ہیں: ''اے بھوت! ہم یہ کھانا' کپڑا' سونا وغیرہ تیری نذر کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ تو یہ لے اور اس مریض کی روح کو رہا کر دے' جس کے لیے ہم تجھ سے پرارتھنا کرتے ہیں۔ اسے مریض کے جسم میں واپس چلا جانے دے کہ جو اس وقت بیمار ہے وہ تندرست ہو جائے گا۔'' پھر وہ تھوڑا سا کھانا کھا لیتے ہیں اور مرغی کو مریض کی روح کے فدیے کے طور پر کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ انڈے بھی وہیں رکھ دیتے ہیں' البتہ ریشمی عبا' سونا اور بازو بند اپنے ساتھ واپس لے آتے ہیں اور مریض کے گھر پہنچتے ہی ان چیزوں کو ایک اٹھلواں برتن میں مریض کے سرہانے رکھ کر اس سے یہ کہتے ہیں ''لو اب تمہاری روح آزاد ہو گئی' تم ضرور اچھے ہو جاؤ گے اور بڑی عمر پاؤ گے۔''

جو لوگ پہلی مرتبہ نئے مکان میں داخل ہوتے ہیں' انہیں خاص طور پر بھوت پریت کا خوف ہوتا ہے۔ چنانچہ سیلیبز میں منہاسا کے الفوروں کے ہاں نئے گھر میں جانے کی جو تقریب ہوتی ہے اس میں گھر والوں کی روحوں کو واپس لانے کی غرض سے مذہبی پیشوا ایک رسم ادا کرتا ہے' جس میں وہ اس مقام پر جہاں بھینٹ چڑھائی جاتی ہے' ایک تھیلی لٹکا دیتا ہے اور پھر دیوتاؤں کی فہرست پڑھنی شروع کر دیتا ہے۔ وہ اتنے سارے ہیں کہ لگاتار ان کے نام گنواتے گنواتے تمام رات گزر جاتی ہے۔ صبح کو وہ ایک انڈا اور کچھ چاول ان دیوتاؤں کی نذر کرتا ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس وقت تک گھر والوں کی ساری روحیں

تھیلی میں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ چنانچہ پروہت تھیلی کو لے کر اسے گھر کے مالک کے سر پر پکڑے یہ کہتا ہے: ''یہ رہی تمہاری روح' جا (روح) کل پھر چلی جا۔'' اس کے بعد وہ گھر والی اور خاندان کے دوسرے افراد پر بھی یہی عمل دہراتا ہے۔ انہی الفوروں کے ہاں بیمار کے شفا بخشنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کی روح کو پکڑنے کے لیے ایک پیالہ تسمے کے ذریعے کھڑکی کے باہر لٹکا دیا جاتا ہے اور جب وہ اس میں آ پھنستی ہے تو سے کھینچ لیا جاتا ہے۔ نیز ان لوگوں میں جب کوئی پروہت بیمار کی روح کو پکڑے واپس لا رہا ہو تو اس پر ایک لڑکی خاص قسم کے کھجور کے ایک بڑے پتے کا چھتر کیے اس کے آگے آگے چلتی ہے کہ کہیں بارش ہو تو وہ روح سمیت بھیگ نہ جائے۔ اور اس کے جلو میں ایک شخص تلوار گھماتا چلتا ہے کہ دوسری روحیں اس گرفتار شدہ روح کو چھڑا کر لے جانے کی کوشش نہ کرنے پائیں۔

بعض وقت روح گم گشتہ کو مرئی صورت میں واپس لایا جاتا ہے۔ اور یگون کے سالیش یا چپٹے سر والے باشندوں کا عقیدہ ہے کہ آدمی کی روح کچھ عرصے کے لیے اس کے جسم سے جدا ہو سکتی ہے اور اس کے اس طرح چلے جانے سے نہ وہ مرتا ہے اور نہ اسے اس کی خبر ہونے پاتی ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ گمشدہ روح کا جلد پتا لگا کر اس کو آدمی کے جسم میں لوٹا دیا جائے۔ ورنہ وہ مر جائے گا۔ اس شخص کا نام جس کی روح اسے چھوڑ گئی ہو' خواب میں طلسم گر پر منکشف ہوتا ہے اور وہ بہ عجلت تمام مریضوں کے پاس پہنچ کر اسے اس کی اطلاع دیتا ہے۔ عام طور پر بیک وقت کئی آدمی اس طرح اپنی روحوں سے محروم ہو جاتے ہیں ان سب کے نام طلسم گر پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ سب کے سب ان کی بازیافت کے لیے اس سے رجوع کرتے ہیں۔ یہ بے روح آدمی گاؤں میں رات بھر ناچتے گاتے گھر گھر پھرتے ہیں اور پو پھٹتے ہی سب ایک علیحدہ مکان میں جمع ہو جاتے ہیں' جو چاروں طرف سے بند اور تیرہ و تار ہوتا ہے پھر اس کی چھت میں ایک چھوٹا سا چھید کر دیا جاتا ہے' جس میں سے طلسم گر پروں کی جھاڑو سے ہڈیوں کے ٹکڑوں اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی شکل میں روحوں کو مکان کے اندر جھاڑ دیتا ہے' جو اس کے پاس ایک چٹائی کے ٹکڑے پہ پہنچتی ہیں۔ اس کے بعد آگ جلائی جاتی ہے' سب سے پہلے وہ مردوں کی روحوں کی چھانٹی کرتا ہے۔ اس میں سے سب سے پہلے وہ مردوں کی روحوں کو چھانٹ کر الگ کر دیتا ہے' جو عموماً بہت سارے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ کسی زندہ آدمی کو مردے کی روح دے دے تو اس کا

کام اسی وقت تمام ہو جائے۔ اس کے بعد وہ یہ کرتا ہے کہ جتنے آدمی وہاں موجود ہوتے ہیں ان کی روحیں چن چن کر نکال لیتا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے روبرو بٹھا کر ہڈی' لکڑی یا سیپی کے ٹکڑے کی شکل میں ایک ایک روح کو اٹھاتا جاتا ہے اور بہت سے عمل پڑھتے اور بل کھاتے ہوئے اسے روح والے کے سر پر پھینکتا جاتا ہے' یہاں تک کہ روح اس شخص کے قلب میں اتر کر اپنے صحیح مقام پر واپس پہنچ جاتی ہے۔

بھٹکتی روحوں کو بھوتوں کے علاوہ آدمی' یعنی جادوگر بھی جسموں سے نکال کر قید کر سکتے ہیں۔ فجی میں اگر کوئی مجرم اقبال جرم سے انکار کرتا تھا تو قبیلے کے سردار "اس بدمعاش کی روح کو کھینچ نکالنے کے لیے" ایک گلوبند طلب کرتا۔ اس گلوبند کو دیکھ کر' بلکہ اس کا نام سنتے ہی مجرم عام طور پر سب کچھ قبول کر لیتا' اس لیے کہ وہ اگر ایسا نہ کرتا تو گلوبند اس کے سر پر ہلایا جاتا اور جب روح اس میں آ پھنستی تو اسے بڑی احتیاط سے تہہ کر کے سردار کی کشتی کے سرے میں ٹھونک دیا جاتا اور مجرم روح سے محروم ہو کر گھل گھل کر مر جاتا۔ ڈینجر آئی لینڈ کے جادوگر روحوں کو پھانسنے کے لیے دام بچھایا کرتے تھے۔ یہ دام پندرہ سے تیس فٹ لمبی مضبوط سایبنٹ پر مشتمل ہوتے' جن کی دونوں جانب روحوں کے حجم کے لحاظ سے مختلف ناپ کے پھندے لٹکے ہوتے۔ جب کوئی ایسا شخص بیمار پڑتا' جس سے جادوگروں کو عداوت ہوتی تو یہ روح گیر پھندے اس کے گھر کے قریب لگا دیئے جاتے اور روح کے پرواز کرنے کا انتظار کیا جاتا۔ اگر وہ چڑیا یا پروانے کی شکل میں آ پھنستی تو مریض جاں بر نہ ہو سکتا۔ مغربی افریقہ میں تو جادوگر اب تک ان روحوں کو پکڑنے کے لیے پھندے لگاتے رہتے ہیں' جو نیند میں جسموں سے نکل کر بھٹکتی پھرتی ہوں اور جب کوئی روح ان کے پھندے میں آ پھنستی ہے تو وہ اسے آگ پر لٹکا دیتے ہیں' جس کے تپ کر سوکھنے سے روح والا آدمی بیمار پڑ جاتا ہے۔ یہ کارروائی کسی خصومت کی بنا پر نہیں کی جاتی' بلکہ وہ محض ایک کاروبار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جادوگر کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کہ جو روح اس کے ہاتھ لگی ہے وہ کس کی ہے اور روح کا مالک جادوگر کو اپنی روح کی قیمت ادا کر دے تو وہ بخوشی اسے اس کے جسم میں پھیر دیتا ہے۔ بعض جادوگروں نے بھٹکتی روحوں کو پکڑ رکھنے کے لیے باقاعدہ روح خانے بنا رکھے ہیں' اور اس شخص کو جس کی روح کھوئی گئی ہو یا جو اپنی روح کو کہیں رکھ کر بھول گیا ہو' مقررہ فیس ادا کرنے پر روح خانے سے ہر وقت نئی روح مل سکتی

ہے۔ نجی روح خانے کھولے رکھنا یا آوارہ گرد روحوں کو پکڑنے کے لیے پھندے لگانا مذموم فعل نہیں سمجھا جاتا۔ یہ ان جادوگروں کا پیشہ ہے اور ان کے کاروبار کی پشت پر نفرت کا جذبہ نہیں ہوتا لیکن ان میں بعض شریر ایسے بھی ہیں جو محض بغض یا مال و زر کے لالچ سے دام بچھا کر اور چارہ لگا کر کسی آدمی کی روح کو پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس برتن میں جو چارے سے ڈھکا ہوتا ہے' چاقو اور نوکیلی کیلیں دبی ہوتی ہیں' تاکہ روح بے چاری چھلنی ہو جائے' اور یا تو اسی دام میں اس کا قصہ پاک ہو جائے یا اگر وہ بچ نکلے تو اس بری طرح گھائل ہو کہ مالک کے پاس لوٹنے پر وہ بیمار پڑ جائے۔ مس کنگسلے ایک کرومن سے واقف تھیں' جسے اپنی روح کی طرف سے بڑی تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ اسے خواب میں کئی رات تک چٹ پٹے خشک جھینگے کی خوشبو آتی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کے کسی بدخواہ نے خواب میں اس کی بھٹکتی روح کو پھانسنے کے لیے دام بچھا رکھا تھا اور اس میں چارے کے طور پر اس کا یہ من بھاتا کھاجا بھی لگا دیا تھا' جس کے ذریعے اس کو سخت جسمانی' بلکہ روحانی گزند پہنچانا مقصود تھا۔ اگلی کئی راتوں تک نیند میں اس کی روح کو بھٹکنے پھرنے سے روکنے کے لیے بڑے جتن کیے گئے اور وہ اس گرم خطے کی رات کی تپش میں کمبل کے اندر پڑا پسینے میں نہاتا اور خرخراتا رہتا تھا۔ اس کے نتھنوں اور منہ سے رومال باندھ دیا گیا تھا تاکہ اس کی بیش قیمت روح بچ کر نکلنے نہ پائے۔ ہوائی میں کچھ جادوگر تھے جو زندہ آدمیوں کی روحوں کو پکڑا کرتے تھے اور انہیں تونبوں میں بند کر کے لوگوں کو کھانے کے لیے دیا کرتے۔ کسی گرفتار شدہ روح کو اپنے ہاتھوں میں بھینچ کر وہ اس مقام کا کھوج لگا لیتے تھے جہاں لوگوں کو خفیہ طور پر دفن کیا گیا ہو۔

جزیرہ نمائے ملایا سے زیادہ شاید ہی کسی ملک میں روحوں کے اغوا کرنے کے فن کو فروغ یا کمال نصیب ہوا ہو۔ یہاں اس کام کے لیے مختلف ٹونکے رائج ہیں اور اسی طرح اس کے مقاصد بھی مختلف ہیں' بعض وقت روح کے اغوا کرنے سے جادوگر کو کسی دشمن کی جاں ہی مقصود ہوتی ہے اور بعض وقت کسی سنگ دل یا شرمیلی نازنین کا دل جیتنا۔ مثلاً اس دوسری قسم کے عمل میں حسب ذیل ہدایتیں دی جاتی ہیں تاکہ اس شخص کی روح کو مسخر کیا جا سکے جسے دیوانہ بنانا ہو۔ جب چاند تمتماتا ہوا افق مشرق سے ابھر آئے تو چاندنی میں نکل کھڑے ہو اور اپنے داہنے پاؤں کا انگوٹھا بائیں پاؤں کے انگوٹھے پر رکھے داہنے ہاتھ کی

مٹھی ترم کی طرح منہ پر لگا لو اور اس میں سے حسب ذیل عمل پڑھو:

ادم۔ میرا تیر اکارت جاتا ہے' میرا تیر اکارت جاتا ہے
چاند پر اداسی چھائی جاتی ہے۔ میرا تیر اکارت جاتا ہے کہ سورج گل
ہو گیا ہے۔ میرا تیر اکارت جاتا ہے کہ تارے مدہم ہوئے جاتے
ہیں۔ لیکن میرا نشانہ سورج نہیں' چاند نہیں' تارے نہیں۔ میرا نشانہ
دختر انجمن فلاں فلاں کا دل ہے۔ کٹ' کٹ! فلاں فلاں کی روح آ
اور میرے ساتھ چل! آ اور میرے پاس بیٹھ' آ اور میرے ساتھ ایک
تکیے پر سو' کٹ کٹ! او روح!

اس عمل کو تین مرتبہ دہراؤ اور ہر مرتبہ اپنی مٹھی کا ترم بجاؤ۔ یا تم پھر مطلوبہ روح کو اپنی پگڑی میں اس طرح پکڑ سکتے ہو: پونم کی رات اور اس سے اگلی دو راتوں کو چاندنی میں نکل کر چیونٹیوں کے ڈھیر پر بیٹھ جاؤ اور بخورات جلا کر حسب ذیل عمل پڑھو:

میں تیرے چبانے کو ایک پان کا پتا لایا ہوں'
اے شہزادہ غضبناک' اس پر چونا لگا کہ
شہزادہ سودائی کی بیٹی اسے چبائے'
تڑپے کوئی میرے عشق میں دیوانہ ہو جائے۔
تم جب اپنے ماں باپ کو یاد کرو تو میں تمہیں یاد آؤں'
تم جب اپنے گھر کو اور گھر کی سیڑھی کو یاد کرو تو میں تمہیں یاد آؤں'
جب بادل گرجیں تو میں تمہیں یاد آؤں'
جب ہوا بہے تو میں تمہیں یاد آؤں'
جب مرغ بانگ دے تو میں تمہیں یاد آؤں'
جب لال چڑی (روبن) اپنی کہانی سنائے تو میں تمہیں
یاد آؤں'
جب تم آفتاب کی طرف دیکھو تو میں تمہیں یاد آؤں'
جب تم مہتاب کی طرف دیکھو تو میں تمہیں یاد آؤں'
کیونکہ اس مہتاب میں' میں ہوں۔

کٹ کٹ! کسی کے دل! ادھر آ میرے پاس'
میں اپنا دل تجھے دینا نہیں چاہتا'
تو اپنے دل کو میرے دل میں آنے دے!

اس کے بعد ہر رات اپنی پگڑی کا ایک سرا سات مرتبہ چاند کی طرف ہلاؤ اور پھر گھر پہنچ کر اسے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لو اور اگر اسے تم دن میں پہننا چاہو تو بخورات جلا کر یہ کہو: ''پگڑی کہ میری بغل میں ہے میری نہیں' بلکہ کسی کی روح کی ہے۔''

برطانوی کولمبیا میں دریائے تاس کے باشندوں کے عقیدے کی رو سے معالج سہوا اپنے مریض کی روح کو نگل سکتا ہے۔ جس طبیب کے متعلق یہ خیال ہو کہ اس سے اس قسم کی غلطی سرزد ہو گئی ہے اسے اس کے شرکائے کار مریض پر کھڑا کر دیتے ہیں اور ان میں سے ایک معالج مذکور کے حلق میں انگلی ڈالتا ہے' دوسرا پوروں سے اس کا پیٹ دباتا ہے اور تیسرا اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔ اگر یہی ترکیب سارے اطباء آزما کے دیکھ لیں اور مریض کی روح اس میں موجود نہ ہو تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ صدر طبیب کے ڈبے میں ضرور بند ہو گی۔ لہٰذا اطباء کی ایک جماعت صدر طبیب کے گھر پہنچتی ہے اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سے یہ درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنا ڈبا نکال لائے۔ جب وہ ڈبا نکال کر اس میں سے تمام چیزیں ایک نئی چٹائی پر جھاڑ دیتا ہے تو وہ حکیم الیس لیمیس کے اس پرستار کو ایڑیوں سے پکڑ کر اور اس کے سر کو فرش میں ایک چھید کے اندر رکھ کر الٹا کھڑا کر دیتے ہیں اس حالت میں اس کا سر دھویا جاتا ہے اور ''نہاون کا جو پانی رہ گیا ہو اسے لے جا کر مریض کے سر پر بہا دیا جاتا ہے۔'' بلاشبہ مریض کی گمشدہ روح اس پانی کے اندر ہوتی ہے۔

روح سایہ اور عکس کی حیثیت سے:

لیکن وحشی کو صرف روحانی خطرے لاحق نہیں ہوتے جو پیچھے گنوائے گئے۔ اکثر وہ اپنے سائے یا عکس کو اپنی روح یا کم از کم اپنا جزو حیات سمجھتا ہے' اور اس حیثیت سے اس کے سائے یا عکس کا اس کے لیے خطرے کا باعث ہونا ضروری بات ہے۔ چنانچہ اسے روندا یا مارا جائے یا اس میں چاقو گھونپا جائے تو وہ اس کی تکلیف اس طرح محسوس کرے گا کہ گویا خود اس کو روندا' پیٹا یا چاقو مارا گیا ہے' اور اگر اس کا سایہ اس سے بالکل جدا ہو جائے (جیسا

کہ اس کے عقیدے کی رو سے ہو سکتا ہے) تو وہ مر جائے گا۔ جزیرہ ویتار (شرق الہند) میں ایسے جادوگر پائے جاتے ہیں جو کسی کی پرچھائیں پر برچھی گھونپ کے یا تلوار کا وار کر کے اسے بیمار کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں سنکار ابدھ مت والوں کا قلع قمع کر چکا تو کہا جاتا ہے کہ وہ نیپال پہنچا' جہاں اس کا دلائی لاما سے کچھ اختلاف رائے ہو گیا۔ وہ اپنے استدراج کا ثبوت دینے کے لیے ہوا میں اڑنے لگا' لیکن جس وقت وہ بلند ہوا تو دلائی لاما نے زمین پر اس کی جھولتی اور تھرتھراتی پرچھائیں کو دیکھ کر اس پر اپنا چاقو گھونپ دیا جس سے سنکار از مین پر آ رہا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔

جزائر بینک میں بعض عجیب قسم کے لمبوترے پتھر پائے جاتے ہیں' جنہیں ''کھانے والے بھوت'' کہا جاتا ہے' کیونکہ عام خیال کے بموجب ان میں بعض طاقتور اور خطرناک روحیں بستی ہیں۔ اگر کسی پتھر پر کسی شخص کا سایہ پڑ جائے تو بھوت اس کی روح کھینچ نکالے گا اور وہ شخص مر جائے گا۔ لہٰذا ایسے پتھر گھر میں حفاظت کے لیے رکھے جاتے ہیں اور وہ قاصد جسے گھر کے مالک نے کسی اور مقام سے گھر بھیجا ہو' موخر الذکر کا نام لے کر پکارتا ہے کہ کہیں پتھر کا بھوت یہ سمجھ کر کہ وہ کسی بری نیت سے آیا ہے' اس کے ساتھ کوئی شرارت نہ کر بیٹھے۔ چین میں جب کسی میت کے تابوت کو ڈھانکا جاتا ہے تو مرنے والے کے قریبی رشتہ داروں کے سوا باقی جتنے لوگ وہاں کھڑے ہوتے ہیں' چند قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں بلکہ کسی علیحدہ کمرے میں چلے جاتے ہیں کیونکہ اگر کسی شخص کا سایہ تابوت میں بند ہو جائے تو اس کی صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے اور جب تابوت قبر میں اتارا جانے لگتا ہے تو اکثر لوگ کچھ فاصلے پر ہٹ جاتے ہیں کہ کہیں ان کی پرچھائیں قبر میں نہ پڑ جائیں اور اس طرح انہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔ رمال اور اس کے نائب قبر کی اس جانب کھڑے ہوتے ہیں جو آفتاب کے رخ پر ہو' اور گورکن اور تابوت بردار کپڑے کی پٹیوں سے اپنی کمریں کس لیتے ہیں تا کہ ان کا سایہ جسموں سے لگا رہے یا پھیلنے نہ پائے۔ لیکن صرف انسان ہی اپنے سایوں کی بدولت جوکھوں میں نہیں ہوتے' بلکہ جانوروں کو بھی اسی طرح خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ ایک قسم کے چھوٹے سے گھونگے کے متعلق جو پیراک میں چونے کی پہاڑیوں کے آس پاس اکثر نظر آتا ہے یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ وہ مویشیوں کے سایوں کے ذریعے ان کا خون چوسا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جانور سوکھنے لگتے ہیں اور بعض وقت خون کی کمی سے مر

جاتے ہیں۔ اگلے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ عرب میں اگر کوئی چرخ کسی آدمی کے سایہ پر پاؤں رکھ دیتا ہے تو وہ گویائی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس میں چلنے پھرنے کی سکت باقی نہیں رہتی اور چاندنی میں کسی گھر کی چھت پر کھڑے ہوئے کتے کی پرچھائیں زمین پر پڑ رہی ہو اور اسے چرخ روند جائے تو کتا یوں نیچے آ رہے گا جیسے اسے رسی سے کھینچ لیا گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں سایہ اگر انسان یا جانور کی روح کے برابر نہیں تو کم از کم اس کی حیات کے ایک ایسے جزو کی حیثیت ضرور رکھتا ہے کہ اگر اسے کوئی گزند پہنچے تو اس کو انسان یا جانور اس طرح محسوس کرے جیسے وہ گزند خود اس کے جسم کو پہنچا ہو۔

دوسری طرف اگر سائے کی حیثیت انسان یا جانور کے جزو حیات کی ہے تو بعض حالات میں اس کا کسی سے چھو جانا اسی طرح خطرناک ہو گا جس طرح خود انسان یا جانور کا مس کر جانا۔ اسی وجہ سے وحشی اصولاً ایسے اشخاص کے سائے سے بچتا ہے' جن کے اثرات مختلف اسباب کی بنا پر خطرے کا باعث سمجھے جاتے ہوں۔ اسی قسم کے خطرناک لوگوں کے زمرے میں بالعموم سوگوار اشخاص اور عورتیں اور بالخصوص ساس کی ذات آتی ہے۔ امریکہ کے شواپ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر ایسے آدمی کا سایہ پڑ جائے جو کسی کا سوگ منا رہا ہو تو مقدم الذکر علیل ہو جائے گا۔ وکٹوریا کی کرنائی قوم میں لڑکوں کو ان کی رسم بلوغ پر متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر کسی عورت کا سایہ نہ پڑنے دیں' ورنہ اس کے اثر سے وہ لاغر کاہل اور کودن ہو جائیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک آسٹریلوی وحشی جو ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا' پر اس کی ساس کا سایہ پڑ گیا اور اس پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اس کا دم نکلتے نکلتے رہ گیا۔ غیر مہذب انسان کے دل و دماغ پر ساس کی جو ہیبت چھائی رہتی ہے وہ انسیات (Anthropology) کی ایک عام حقیقت ہے۔ نیو ساؤتھ ویلز کے یون قبیلے میں کسی شخص کا اپنی ساس سے رسم و راہ رکھنا سخت ممنوع تھا۔ وہ ساس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا اور جو کہیں داماد پر ساس کا سایہ پڑ جاتا تو یہ چیز طلاق کا موجب بن جاتی اور ایسی صورت میں اسے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا پڑتا جو میکے واپس چلی جاتی۔ نیو برٹن کے وحشیوں کا ذہن اس بات کا اندازہ کرنے سے قاصر ہے کہ داماد کا اتفاقاً ساس سے بات کر لینا کیسی کیسی شدید مصیبتیں لاتا ہے۔ غالباً ایسے شخص اور اس کی بیوی کے لیے خودکشی کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ ان وحشیوں کے ہاں بڑی سے بڑی قسم اگر ہو سکتی ہے تو وہ

یہ ہے: "جناب اگر میں سچ نہیں بول رہا ہوں تو اپنی سانس سے معافی کروں۔"

جہاں انسان کے سائے سے اس کی زندگی کا رشتہ اس قدر گہرا ہو کہ اس کے معدوم ہو جانے سے وہ نحیف و نزار ہو کر رہ جائے یا مر جائے وہاں یہ خیال پیدا ہونا قدرتی بات ہے کہ کسی کے سائے کا گھٹنا تشویش کی نظر سے دیکھا جاتا ہو اور قویٰ کے انحطاط کی علامت سمجھا جاتا ہو۔ چنانچہ جزائر امبوئینا اور یولیس میں جو خط استوا کے قریب واقع ہیں اور جہاں نصف النہار کو کوئی سایہ نہیں ہوتا' لوگوں نے اپنا یہ اصول بنا رکھا ہے کہ دوپہر کو گھر سے باہر نہ نکلیں' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں آدمی کی روح کا زیاں ہے۔ منگائیا (بحرالکاہل کا ایک جزیرہ) والے اپنے ایک ہیرو توکے تاوا کا قصہ سناتے ہیں' جس کا زور اس کے سائے کے ساتھ ساتھ گھٹتا بڑھتا تھا۔ صبح کو جب اس کا سایہ سب سے زیادہ لمبا ہوتا اس کی طاقت بھی' یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کو وہ انتہا درجے کم ہو جاتی۔ کسی سورما نے توکے تاوا کی طاقت کا یہ راز معلوم کر لیا اور عین دوپہر کو اس کا سر قلم کر ڈالا۔ جزیرہ نمائے ملایا کے بے سی سس نامی وحشی دوپہر کو اپنے مردے گاڑتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت ان کے سائے کے گھٹاؤ کے مشارک اثر سے ان کی عمریں کم ہو جاتی ہیں۔

جان اور سائے کے برابر ہونے کے متعلق جو عقیدہ پایا جاتا ہے' اس کی سب سے نمایاں مثال شاید وہ دستور ہیں جو جنوب مشرقی یورپ میں جاری ہیں۔ یونان جدید میں یہ دستور ہے کہ جب کسی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جاتا ہے تو مرغ' بکرا یا مینڈھا مار کر اس کا خون سنگ بنیاد پر بہا دیا جاتا ہے اور پھر اسی کے نیچے قربانی کے اس جانور کو دبا دیا جاتا ہے۔ اس قربانی سے عمارت کی پائیداری اور استواری مقصود ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں مکان بنانے والا جانور کی قربانی کرنے کے بجائے کسی آدمی کو بہلا پھسلا کر سنگ بنیاد کے پاس لے آتا ہے اور اس کی لاعلمی میں اس کے جسم کے کسی حصے یا سائے کو ناپ کر سنگ بنیاد کے نیچے دفن کر دیتا ہے۔ خیال ہے کہ وہ آدمی ایک سال سے زیادہ نہیں جیتا۔ ٹرانسلوینیا کے رومانوی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شخص جس کا سایہ اس طرح محبوس ہو جائے۔ چالیس دن کے اندر صدا سنائی دیتی ہے: "خبردار! کہیں وہ تیرا سایہ نہ لے لیں۔" کچھ عرصہ پیشتر تک اس علاقے میں ایسے لوگ موجود تھے جو سایوں کی تجارت کیا کرتے تھے اور دیواروں کو پائیدار بنانے کے لیے معماروں کو سائے بہم پہنچاتے۔ ان صورتوں میں

سائے کا ناپ خود سائے اور ناپ کا دفن کرنا آدمی کی جان یا روح کے دفن کرنے کے مساوی سمجھا جاتا ہے' اور جو آدمی یوں اپنی روح سے محروم ہو جاتا ہے' اس کی موت یقینی ہوتی ہے۔ اس طرح یہ رواج زندہ آدمی کو دیواروں میں چننے یا کسی عمارت کے سنگ بنیاد کے نیچے دفن کر دینے کے اس قدیم دستور کا بدل ہے' جس کا مقصد عمارت کو استوار اور پائیدار کرنا تھا۔ یا زیادہ واضح لفظوں میں' مذکورہ بالا دستور سے بظاہر مقصود یہ تھا کہ اس آدمی کی غضبناک روح جو اس طرح محبوس کر دی گئی ہو' عمارت میں منڈلاتی رہے اور اسے دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھے۔

جس طرح بعض قوموں کے نزدیک آدمی کی روح اس کے سائے میں داخل و شامل ہوتی ہے' اسی طرح بعض دوسری قوموں (یا ان ہی قوموں) کے عقیدے کے بموجب وہ پانی یا آئینے میں آدمی کے عکس سے عبارت ہے۔ چنانچہ "انڈمانی اپنے سائے کے بجائے (آئینے میں) اپنے عکس کو اپنی روح تصور کرتے ہیں۔" نیوگنی کے ماتوموتامی لوگوں نے جب آئینے میں پہلی مرتبہ اپنا عکس دیکھا تو انہوں نے اسے اپنی روح سمجھا۔ نیو کیلے ڈونیا کے بڑے بوڑھوں کے نزدیک کسی آدمی کی روح پانی یا آئینے میں اس کے عکس سے عبارت ہے۔ لیکن نوجوان' جنہوں نے کیتھولک پادریوں سے تعلیم پائی ہے' یہ رائے رکھتے ہیں کہ آدمی کا عکس ویسا ہی ہے جیسے پانی میں کھجور کے درخت کا عکس اور بس۔ عکسی روح کو جو آدمی کے باہر ہوتی ہے وہی کچھ خطرے لاحق ہوتے ہیں' جو سائے والی روح کو ہوتے ہوں۔ زولو کسی تاریک گڑھے میں نہیں جھانکتے کیونکہ ان کے خیال میں اس کے اندر ایک جانور بند ہوتا ہے جو آدمیوں کے عکس کو کھینچ لے جاتا ہے اور وہ مر جاتے ہیں۔ باسوتو کہا کرتے ہیں کہ مگرمچھ کے اندر آدمی کے سائے کو اس صورت سے گھسیٹ کر لے جانے اور اسے ہلاک کرنے کی قوت ہوتی ہے۔ جب ان میں سے کسی کی موت اچانک واقع ہو جائے اور اس کا بظاہر کوئی سبب نہ ہو تو اس کے عزیز وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اس کے عکس کو کسی وقت اس کے ندی پار کرتے میں کوئی مگرمچھ کھینچ کر لے گیا ہے۔ جزیرہ ساڈل (ملنیشیا) میں ایک جوہڑ ہے "جس میں اگر کوئی دیکھ لے تو مر جائے۔" اس جوہڑ کی خبیث روح جھانکنے والے کے عکس کے وسیلے سے اس کی جان اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے اس کے پیش نظر یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ قدیم عہد کے ہندوستانی اور یونانی اصولاً پانی میں اپنا عکس دیکھنے سے کیوں گریز کیا کرتے تھے اور یونانیوں کے ہاں خواب میں کسی شخص کا پانی کے اندر اپنا عکس دیکھ لینا اس کی موت کا شگون کیوں سمجھا جاتا تھا۔ انہیں یہ خوف تھا کہ آبی روحیں آدمی کو مرنے کے لیے بے روح چھوڑ کر اس کے عکس کو پانی میں گھسیٹ لے جاتی ہیں۔ یہی چیز غالباً حسین نارسی سس (یونانی صنمیات کی رو سے یہ دریائی دیوتا سے فی سس اور لاریوپے پری کا حسین وجمیل بیٹا تھا۔ اسے چشمے میں کہیں اپنا عکس نظر آ گیا' جسے وہ چشمے کی پری سمجھ کر اس پر سو جان سے فریفتہ ہو گیا اور اسے حاصل کرنے کی سعی لاحاصل میں غم کھا کھا کر مر گیا۔ مرنے کے بعد اس نے اس پھول یعنی نرگس کی صورت اختیار کر لی جو آج اسی کے نام سے موسوم ہے) والی کلاسیکی کہانی کی اصل ہے' جو پانی میں اپنا عکس دیکھ دیکھ کر گھل گھل کر مر گیا۔

نیز اب اس عام دستور کی وضاحت بھی ممکن ہے جس کے مطابق اگر گھر میں کوئی مر جائے تو آئینوں پر پردے ڈال دیے جاتے ہیں' یا انہیں دیوار کی طرف گھما دیا جاتا ہے۔ لوگوں کو یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں زندہ آدمی کی جان کو جو اس کا عکس بن کر آئینے پر پڑتی ہے' متوفی کی روح اپنے ساتھ لے کر نہ چلی جائے' جو ان کے خیال میں میت کی تدفین تک گھر کے آس پاس موجود رہتی ہے۔ یہ دستور بعینہٖ ویسا ہی ہے جیسے آرو والا وہ دستور' جس کے مطابق لوگ اس اندیشے سے گھر میں سویا نہیں کرتے تھے کہ زندہ آدمی کی روح کی ملاقات' جو خواب میں اس کے جسم سے نکل آتی ہے' کسی پر میت سے نہ ہو جائے اور مؤخر الذکر اسے اپنے ساتھ لے کر نہ چلا جائے۔ بیماروں کو جو آئینہ دیکھنے سے منع کیا جاتا ہے اور بیمار کے کمرے کے آئینے کو جو ڈھانپ دیا جاتا ہے اس کا سبب بھی واضح ہے۔ بیماری میں خاص طور پر' جبکہ روح آسانی سے پرواز کر سکتی ہے' آدمی کی روح کا عکس بن کر جسم سے نکلنا اور آئینے پر پڑنا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ بعض قوموں کے اس قاعدے کے بعینہٖ مشابہ ہے جس کی رو سے بیماروں کو سونے نہیں دیا جاتا' اس لیے کہ نیند میں روح جسم سے باہر نکل آتی ہے اور ہمیشہ یہ خطرہ رہتا ہے کہ وہ شاید لوٹ کر نہ آئے۔

سایوں اور عکسوں پر جو بات صادق آتی ہے وہی تصویروں پر بھی آتی ہے۔ ان کے متعلق بھی بسا اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں اس شخص کی روح مضمر ہوتی ہے جس

کی تصویر کھینچی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں' اپنی شبیہ اتروانے سے گریز کرتے ہوں گے' اس لیے کہ اگر تصویر اس شخص کی روح یا کم از کم جزو حیات ہے جس کی وہ شبیہ ہو' تو وہ جس کسی کے قبضے میں ہو گی وہ اس شخص کو اپنے اثر سے ہلاک کر سکتا ہے چنانچہ آبنائے بیرنگ کے اسکیموؤں کا عقیدہ ہے کہ جو لوگ سفلی فن سے شغف رکھتے ہیں وہ آدمی کا سایہ اڑا سکتے ہیں اور وہ اس کے بغیر گھل گھل کر مر جاتا ہے ایک دفعہ دریائے یوکون کے نچلے علاقے کے کسی گاؤں میں ایک سیاح نے کیمرا لگایا کہ گھروں کے آس پاس چلتے پھرتے لوگوں کی تصویر لے۔ وہ اپنے آلے کا فوکس درست کر رہا تھا کہ گاؤں کا سردار اس کے پاس آیا اور پردے میں منہ ڈال کر جھانکنے پر اصرار کرنے لگا جس کی اس کو اجازت دے دی گئی۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے زمین کش عدسے پر حرکت کرتے ہوئے پیکروں کو بغور دیکھا' پھر پردے میں سے منہ باہر نکال لیا اور اپنے لوگوں سے چیخ چیخ کر کہنے لگا "شاید اس نے تم سب کے سائے اس ڈبے میں بند کر لیے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ وہ سب بدحواس ہو کر بھاگے اور افتاں وخیزاں اپنے اپنے گھروں میں گھس گئے۔ میکسیکو کے ٹے پے ہوانوں کا کیمرے سے دم نکلتا تھا' انہیں تصویر کھنچوانے پر آمادہ کرنے کے لیے پانچ دن تک جھک جھک کرنی پڑی اور خدا خدا کر کے جب وہ راضی ہوئے تو ان کی اشکال سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی گردنیں ماری جانے والی ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فوٹوگرافر ان کی روحیں کھینچ کر لے جا سکتا ہے اور انہیں ہڑپ کر سکتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس وقت ان کی تصویریں فوٹوگرافر کے ملک میں پہنچیں گی تو ان کا خاتمہ ہو جائے گا یا ان پر کوئی افتاد پڑ جائے گی۔

جب ڈاکٹر کتاٹ اور ان کے چند ساتھی مڈغاسکر کے مغربی ساحل پر علاقہ بارا کی دریافت کی مہم میں مصروف تھے تو لوگ دفعتاً ان کی مخالفت پر اتر آئے۔ پچھلے دن ہی یہ سیاح شاہی خاندان کی تصویریں لینے کے مرتکب ہوئے تھے' گو اس میں انہیں دشواری ضرور پیش آئی تھی۔ اور اب ان پر یہ الزام تھا کہ وہ لوگوں کی روحیں لیے جاتے ہیں تاکہ فرانس پہنچ کر انہیں فروخت کر دیں۔ انہوں نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا سنا مگر بے سود۔ مجبوراً ملک کے دستور کے بموجب ان وحشیوں کی روحوں کو پکڑ کر ایک ٹوکری میں رکھا گیا اور ڈاکٹر کتاٹ کے حکم سے انہیں اپنے اپنے مالک کو لوٹا دیا گیا۔

سکم کے بعض دیہاتیوں کے آگے جب بھی کیمرے کا عدسہ یا بقول ان کے

"ڈبے کی چشم بد" پھیری گئی تو وہ بڑے خوفزدہ ہوئے اور منہ چھپانے لگے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آلہ ان کے عکس کے ساتھ ان کی روحیں بھی کھینچ کر لے جاتا ہے' اور اس طرح تصویروں کے مالک کے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ ان پر جادو ٹونا کرے۔ نیز ان کا دعویٰ تھا کہ کسی منظر کی تصویر کشی سے وہاں کی زمین خراب ہو جاتی ہے۔ سیام کے پچھلے بادشاہ کے عہد حکومت تک سیامی سکے پر بادشاہ کی تصویر کبھی نقش نہیں کی جاتی تھی" "اس لیے کہ اس زمانے میں تصویر کشی کے خلاف سخت تعصب پھیلا ہوا تھا' خواہ اس کا ذریعہ کچھ ہی ہو۔ وہ یورپی جو سفر کرتے ہوئے جنگلوں میں پہنچتے ہیں اپنے کیمرے کا رخ بھی مجمع کی طرف کر دیں تو وہ منتشر ہو جاتا ہے۔ جب کسی شخص کی تصویر کھینچ لی جائے تو اس کی جان کا ایک جزو بھی اس کے ساتھ کھنچ اٹھتا ہے۔ بادشاہ کے لیے' بجز اس کے کہ وہ عمر خضر لے کر آیا ہو' سکوں کے ساتھ ملک میں اپنی جان کے بٹوارے کی اجازت دینی مشکل تھی۔"

اس قسم کے عقائد یورپ کے مختلف حصوں میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا' یونان کے جزیرہ کارپتھس میں چند بوڑھیوں کی شبیہ اتاری گئی تو وہ بہت برا فروختہ ہوئیں کہ اس کے نتیجے میں وہ گھل گھل کر مر جائیں گی۔ مغربی اسکاچستان میں کچھ اشخاص ہیں" جو اس خوف سے اپنی شبیہ کھنچوانے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ ان پر کوئی افتاد نہ پڑ جائے۔ وہ اپنے متعدد دوستوں کی مثالیں دیتے ہیں جن کے فوٹو لیے جانے کے بعد ایک دن بھی ان کی صحت اچھی نہیں رہی۔"

◆○◆
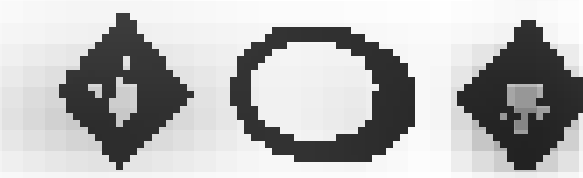
22

روح کی وراثت

قرون اولیٰ میں غیر مہذب نسلوں کی معیادی بادشاہت اور شاہ کشی کے نظریے پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس قسم کا کوئی دستور واقعی جاری رہا ہوتا تو شاہی خاندان نیست و نابود ہو جاتے۔ اس اعتراض کا ایک جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ بادشاہت اکثر و بیشتر کسی ایک خاندان تک محدود نہیں ہوتی' بلکہ باری باری کئی خاندانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اکثر صورتوں میں یہ منصب موروثی نہیں ہوتا اور اس پر کسی بھی خاندان کے افراد بلکہ وہ غیر ملکی بھی فائز ہو سکتے ہیں' جو ضروری شرائط پوری کر سکیں' جیسے کسی شہزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا یا بادشاہ وقت کو میدان کارزار میں شکست دینی۔ تیسرے یہ کہ اگر اس دستور سے خانوادہ شاہی کے خاتمے کا امکان بھی تھا تو اس چیز کی ان لوگوں کی نظر میں کیا اہمیت ہو سکتی تھی' جو ہماری طرح ناعاقبت اندیش تھے اور نہ جن کی نظر میں انسانی زندگی کی وہ وقعت تھی جو ہماری نظر میں ہے۔ بہت سے افراد کی طرح بہت سی نسلیں بھی ایسے رسوم و رواج کی پابند رہی ہیں' جن سے انجام کار ان کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا ناگزیر ہو۔ چنانچہ پولینیائی غالباً اپنے بچوں کے ایک ثلث کو باضابطہ قتل کر دیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مشرقی افریقہ کے بعض حصوں میں پیدائش پر بچوں کے قتل کا یہی تناسب ہے اور صرف وہی بچے زندہ رہنے دیئے جاتے ہیں' جو خاص شکل و شباہت لے کر آئے ہوں۔ انگولا کے ایک جارح و جنگ جو قبیلے جاگا کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں

بلا کسی استثناء کے تمام بچے مار دیے جاتے تھے' تاکہ کوچ کرتے وقت عورتوں پر ان کا بوجھ نہ رہے۔ یہ جاگا تیرہ یا چودہ سال کے ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کو متبنّیٰ کر کے اپنے جمعیت میں بھرتی کرلیا کرتے تھے' جن کے ماں باپ کو وہ موت کے گھاٹ اتار کے کھا گئے ہوں۔ جنوبی امریکہ کی ایم ماما قوم کی عورتیں آخری بچے یا اس کے بچے کے سوا' جسے انہوں نے آخری سمجھ لیا ہو' قتل کر دیتی تھیں۔ اگر ان میں کسی عورت کے ہاں اس بچے کے بعد کوئی اور اولاد ہوتی' تو وہ اسے ٹھکانے لگا دیتی۔ لہٰذا یہ امر چنداں باعث تعجب نہیں کہ مذکورہ بالا دستور کی وجہ سے اس قوم کی پوری ایک شاخ کا بیج مر گیا' جس نے برسوں اہل ہسپانیہ کے دانت کھٹے کر رکھے تھے۔ گر ان جاگو کے لنگواؤں کو عیسائی مبلغوں نے ایک ایسے دستور کا پابند پایا' جو انہی کے الفاظ میں "اسقاط حمل اور دوسری صورتوں سے طفل کشی کے ذریعے نسل کشی کا ایک سوچا سمجھا منظم طریقہ" تھا۔ لیکن وحشی قبیلے ایک طفل کشی ہی کے ذریعے خودکشی نہیں کرتے' اس کا ایک اسی قدر موثر طریقہ بے گناہی کے ثبوت میں زہر خوری بھی ہے۔

کچھ عرصہ ہوا ایک چھوٹا سا قبیلہ' جس کا نام اوبت تھا' مغربی افریقہ میں اپنے پہاڑی علاقے سے اتر کر دریائے کالابار کی بائیں جانب آباد ہو گیا۔ جب مسیحی مبلغ پہلے پہل اس مقام پر پہنچے تو انہیں وہاں خاصی آبادی نظر آئی' جو تین قریوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اس وقت سے متواتر آزمائشی زہر خوری کے سبب اب اس قبیلے کا قریب قریب خاتمہ ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ساری کی ساری آبادی نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے زہر کھا لیا۔ اس میں آدھے آدمی اسی وقت مر گئے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں جو باقی رہ گئے ہیں' وہ ابھی تک اس متوہمانہ دستور کے پابند چلے آتے ہیں اور جلد ہی ان کا بھی خاتمہ ہونے والا ہے۔

ان مثالوں کے پیش نظر ہمیں یہ مانتے ہوئے ہچکچانا نہیں چاہیے کہ جو دستور کسی ایک خاندان کے مٹنے کا موجب ہو' اس کی پابندی متعدد قبیلے بے تامل یا بے جھجک کرتے رہے۔ ایسے جاہلی رسم و رواج کے معاملے میں کسی قسم کے اخلاقی تذبذب کو وحشیوں سے منسوب کرنا انہیں یورپی تہذیب کے معیار پر جانچنا ہے اور یہ ایک ایسی غلطی ہے جو ہمیشہ دہرائی جاتی ہے۔ اگر قارئین میں سے کسی کا یہ خیال رہا ہو کہ ساری انسانی نسلیں تعلیم یافتہ انگریزوں کی طرح سوچتی اور عمل کرتی ہیں تو باطل عقائد اور متوہمانہ رسم و رواج کے متعلق اس کتاب میں جو شواہد یکجا کیے گئے ہیں' ان سے اس کی یہ شدید غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے۔

یہاں انسانی خداؤں کے قتل کے دستور کی جو توجیہ پیش کی گئی ہے' اس میں یہ بات مسلم ہے یا کم از کم اس سے ہم آہنگ ضرور ہے کہ وحشی کے خیال میں مقتول دیوتا کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ روح کے انتقال کے اس تصور کی میرے پاس شلوکوں کی ایک مثال کے سوا اور کوئی صریحی شہادت موجود نہیں' جن کے ہاں مقدس بادشاہ کے قتل کی ریت ایک مخصوص صورت میں ملتی ہے اور جن کا یہ جزو ایمان ہے کہ ان کے سلاطین کے سلسلے کے بانی دیوتا کی روح اس کے ہر مقتول جانشین کی ذات میں جاری و ساری رہتی ہے۔ لیکن اگر اس قسم کے عقیدے کے ثبوت میں صرف یہی ایک حقیقی مثال پیش کی جا سکتی ہے تو نظائر کی بنا پر یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ دوسری صورتوں میں بھی عام خیال کے بموجب مقتول دیوتا کی روح اس کے جانشینوں میں اسی طرح منتقل ہوتی رہتی ہے' گو روح کے اس فرضی انتقال کی کوئی بین شہادت موجود نہیں۔ چنانچہ کسی دیوتا کے ایک انسان کے روپ میں قضا کرنے کے بعد دوسرے انسان کی صورت میں تشکل و ظہور پر اعتقاد کی کیفیت پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے۔ اور اگر انسان دیوتا کی طبعی موت کی صورت میں ایسا ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں جو ہلاکت کی صورت میں بھی اسی طرح اس کا تناسخ واقع نہ ہو۔ جاہل اقوام یقیناً انسان کے انتقال روحانی کے اس تصور سے پوری طرح آشنا ہیں۔ نیاس کے دستور کی رو سے سرداری کے منصب پر باپ کے بعد اس کا بڑا بیٹا فائز ہوتا ہے' لیکن اگر وہ کسی ذہنی یا جسمانی نقص کے سبب سرداری کا اہل قرار نہ پائے تو باپ اپنی زندگی ہی میں اور بیٹے کو اپنا جانشین نامزد کر دیتا ہے۔ تاہم جس لڑکے کو باپ اس طرح منتخب کرے' اسے لازم ہے کہ اپنا حق وراثت منوانے کے لیے باپ کے مرتے وقت اس کی آخری سانس اور آخری سانس کے ساتھ اس کی روح کو اپنے منہ یا کسی تھیلی میں پکڑ لے' اس لیے کہ ہر وہ شخص جو سردار کے آخری سانس پکڑ لیتا ہے اس کے مقررہ جانشین کا ہمسر بن جاتا ہے۔ اسی لیے اس نامزد وارث کے دوسرے بھائی' بلکہ غیر لوگ بھی' سردار کی روح کو قفس عنصری سے پرواز کرتے وقت پکڑنے کے لیے اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ نیاس میں مکان ستونوں پر زمین سے اٹھا کر تعمیر کیے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ اتفاق سے سردار دم نزع فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا' ایک امیدوار نے جھٹ فرش میں چھید کر کے اس کے آخری سانس کو بانس کی نلکی کے ذریعے منہ میں کھینچ لیا۔ اگر سردار کے کوئی لڑکا نہ ہو تو اس کی روح کو ایک تھیلی میں پکڑ لیا

جاتا ہے۔ یہ متوفی کی ایک مورتی سے باندھ دی جاتی ہے اور پھر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس کی روح مورتی میں منتقل ہو گئی ہے۔

بعض صورتوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اور اس کے پیش رووں کے درمیان روحانی رشتہ موخر الذکر کے کسی نہ کسی ایسے جسمانی جزو کی بنا پر قائم ہوتا ہے' جس پر بادشاہ کا قبضہ ہو۔ جنوبی سیلبیز میں راج پاٹ کے لوازم عموماً متوفی راجاؤں کے اجزائے جسم پر مشتمل ہوتے ہیں' جنہیں تبرکات کے طور پر بڑی حفاظت سے رکھا جاتا ہے اور ان ہی کی بدولت راجا گدی کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اسی طرح جنوبی مڈغاسکر کے ساکالاوں میں متوفی بادشاہ کا مثلاً ناخن اور بالوں کی ایک لٹ مگرمچھ کے دانت میں سلاطین سلف کے ایسے ہی دوسرے آثار کے ساتھ بڑی احتیاط سے ایک علیحدہ مکان میں رکھے جاتے ہیں۔ تخت و تاج کا استحقاق ان تبرکات کے قبضے پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر سلطنت کا جائز وارث ان سے محروم ہو جائے تو رعایا پر اس کا کوئی اختیار نہیں رہتا اور جو شخص انہیں ہتھیا لے' وہ بے چوں و چرا بادشاہ تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ مغربی افریقہ میں جب سلطنت ایبوکوٹا کا بادشاہ اپنی قضا کرتا ہے تو وہاں کے سربرآوردہ لوگ اس کا سرتن سے جدا کر دیتے ہیں اور اسے مٹی کے ایک کشادہ برتن میں رکھ کر نئے بادشاہ کے حوالے کرتے ہیں۔ یہ سر بادشاہ کے لیے ایک متبرک فیٹش کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ بعض صورتوں میں نئے بادشاہ کو اپنے پیش رو کے مردہ جسم کا کوئی حصہ کھانا پڑتا ہے' جس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے اس کے اندر شاہی نسل کی سحری اور دوسری خصوصیات کے منتقل ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ چنانچہ ایبوکوٹا میں نہ صرف متوفی بادشاہ کا سر اس کے جانشین کو پیش کیا جاتا ہے بلکہ اس کی زبان بھی کاٹ کر موخر الذکر کو دی جاتی ہے کہ وہ اسے کھا جائے۔ اسی لیے جب اس ملک کے لوگوں کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ بادشاہ حکومت کرتا ہے تو وہ اس بات کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں: ''اس نے بادشاہ کو کھا لیا ہے۔'' اسی قسم کا ایک دستور مغربی افریقہ میں لاگوس کے ایک شہر اباد ان میں آج تک جاری ہے۔ جب یہاں کا فرمارروا مرتا ہے تو اس کا سر کاٹ کر ملک کے رسمی حاکم اعلیٰ اویو کے الافین کو بھیج دیا جاتا ہے' جو سرزمین یوروبا کا شہنشاہ ہے' لیکن اس کا دل اس کا وارث کھا جاتا ہے۔ چند ہی سال ہوئے کہ نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر یہ رسم ادا کی گئی تھی۔

مندرجہ بالا تمام شواہد کے پیش نظر یہ فرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جب مقدس بادشاہ

یا مذہبی پیشوا کو قتل کیا جاتا ہے تو عام عقیدے کی رو سے اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سفید نیل کے علاقے کے شلوکوں کے ہاں' جو اپنے مقدس سلاطین کو باضابطہ قتل کیا کرتے ہیں' ہر بادشاہ کو ایک رسم ادا کرنی پڑتی ہے' جس کی غرض و غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ نئے بادشاہ میں اس کے پیش رووں کی مقدس روح پھونک دی جائے۔

◆○◆

23
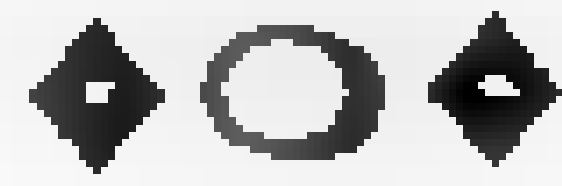
بدروحوں کا اخراج

خبیث یا بدروحوں کا تصور بھی تقریباً تمام تہذیبوں میں پایا جاتا ہے اور ان مختلف لنوع روحوں سے نجات کے لیے کئی قسم کے وسائل اختیار کیے جاتے رہے ہیں' جن کے کارن سارے سماج کی جان غضب میں ہو۔ بیک وقت کسی قوم کے مجموعی آلام و مصائب دور کرنے کی ایسی کوشش کم یاب نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ کوششیں بہت سے ملکوں میں کی گئی ہیں جن کی نوعیت شروع شروع میں اتفاقی ہوتی ہے اور ان کی تہہ میں جو ذہنی کیفیت کارفرما ہوتی ہے' ہماری سمجھ میں مشکل سے آئے گی۔ اصل میں ہماری ذہنی تربیت ایسے فلسفے کی مرہون منت ہے جس کی رو سے فطرت شخصی عنصر سے قطعی معرا ہے اور ان اثرات کی علت نامعلوم سے عبارت ہے' جو ایک ترتیب کے ساتھ ہمارے حواس پر مسلسل مرتب ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا ہمارے لیے انسان کی اس وحشیانہ حالت کا اندازہ وقت طلب ہے' جس میں ہمارے یہی حسی تاثرات روحوں کا روپ دھار کے سامنے آتے ہیں' یا روحوں کی کارستانی نظر آتے ہیں۔ روحوں کا لشکر جو کبھی ہمارے بالکل قریب تھا' سائنس کے معجزوں کی بدولت صدیوں سے پسپا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ گھر' کھنڈر' ویران عمارتیں' جنگل' تالاب وہ پھٹے پھٹے سیاہ بادل جن سے بجلیاں لپک لپک کر نکلتی ہیں" اور وہ دلکش بدلیاں جو چاند کے رو پہلے سر کے لیے تکیہ بن جاتی ہیں یا جن کے سرخ سرخ گالوں سے شام کی رنگینیوں کو چار چاند لگ جاتے ہیں' خالی ہو گئی ہیں۔ بلکہ وہ لشکر آسمان میں اپنے آخری مورچے کو بھی چھوڑ

گیا ہے جس کا گنبد نیلگوں اب فقط بچوں کو ایک ایسا پردہ معلوم ہوتا ہے جو بنی آدم کی نگاہوں اور عالم ملکوت کے درمیان حائل ہو۔ ہاں کبھی کبھی شاعر کے سپنوں یا وفور جذبات میں کسی خطیب کی پرواز تخیل میں اس بھاگتے ہوئے لشکر کے پرچم کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے۔ اس کی سیاہ کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ میں طنز آمیز قہقہے کی گونج یا ملکوتی موسیقی کی لہر سنائی دے جاتی ہے۔ لیکن وحشی کے لیے صورت حال مختلف ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں عالم ہنوز ان گوناگوں اور بوقلموں ہستیوں سے بھرا پڑا ہے جنہیں معقولات نے اپنے دائرہ فکر سے خارج کر دیا ہے۔ پریاں' بھوت پریت اور ارواح خبیثہ ابھی تک سوتے جاگتے اس کے آس پاس منڈلاتی ہیں۔ وہ اس کے ساتھ سائے کی طرح لگی رہتی ہیں' اس کے حواس مختل کر دیتی ہیں' اس کے اندر حلول کر جاتی ہیں یا سر پر سوار ہو جاتی ہیں اور بے شمار طریقوں سے ایسے ہراساں کرتی' فریب دیتی اور آزار پہنچاتی رہتی ہیں۔ اسے جو حادثے پیش آتے ہیں' نقصان برداشت کرنے اور دکھ انجانے میں اٹھانے پڑتے ہیں انہیں اگر وہ اپنے دشمنوں کے جادو سے منسوب نہیں کرتا تو روحوں کے بغض' غصے یا کون مزاجی کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ آٹھوں پہر ان کی موجودگی اس کے لیے مصیبت بن جاتی ہے اور ان کے پیہم عناد سے اسے طیش آ جاتا ہے۔ اس کا جی بری طرح چاہتا ہے کہ ان سے کسی طرح اس کی جان چھوٹے اور کبھی کبھی جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو وہ بعد غیظ و غضب اپنے ان موذی دشمنوں پر پلٹ پڑتا ہے اور جان پر کھیل کے ان کے سارے غول کو اپنے ملک کی سر زمین سے نکال باہر کرنے کی کوشش کرتا ہے' تا کہ وہ کم از کم وقتی طور پر اطمینان کا سانس لے سکے اور بے خوف آزادی سے چل پھر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جو جاہل اور غیر متمدن لوگوں کی دفع مصائب کی کوششیں عموماً شیاطین یا ارواح خبیثہ کی تلاش اور اخراج عام کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ان کم بخت موذیوں سے پیچھا چھڑا لیں تو انہیں نئی زندگی مل جائے گی' مسرتوں سے پر اور گناہوں سے پاک' عدن اور ست جگ (سنہری دور) کے قصے حقیقت بن جائیں گے۔

بلاؤں کا ہنگامی اخراج:

لہٰذا ہمارے لیے یہ سمجھنا چنداں دشوار نہیں کہ مصیبت کے دفع عام کی رسمیں جو

وحشی وقتاً فوقتاً ادا کرتا ہے' بھوتوں کے جبری اخراج کی شکل کیوں اختیار کر لیتی ہیں۔ ان خبیث روحوں میں دور جاہلیت کے انسان کو اپنی بیشتر نہیں تو بہت سی مصیبتوں کا اصل سبب نظر آ جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اگر ان سے چھٹکارا حاصل کر لے تو حالات اس کے موافق ہو جائیں گے۔ سارے سماج کے مجموعی مصائب کے اخراج کی اجتماعی کوششوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں ایک کا تعلق ان خارج شدہ مصائب سے ہے جو غیر مرئی یا غیر مادی ہوں اور دوسری کا ان مصائب سے جنہوں نے کسی جسمانی یا مادی وسیلے کی صورت اختیار کر لی ہو یا جو صدقے کے بکرے پر مشتمل ہوں۔ اول الذکر کو فوری یا براہ راست اخراج مصائب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور مؤخر الذکر کو بالواسطہ اخراج سے یا کسی صدقے کے بکرے کے ذریعے۔

جزیرہ روک میں جو نیوگنی اور نیو برٹن کے درمیان واقع ہے' جب کوئی آفت آتی ہے تو سب لوگ مل کے چیختے چلاتے کوسنے دیتے اور ہوا میں لکڑیاں چلاتے ہوئے دوڑتے ہیں کہ اس بھوت کو مار بھگایا جائے جو ان کے خیال میں باعث آفت ہوتا ہے۔ اس مقام سے جہاں وہ آفت آئی ہو' وہ اسے قدم بہ قدم ہانکتے سمندر تک لے جاتے ہیں۔ ساحل پر پہنچ کر اس بلا کو جزیرے کی حدود سے نکال باہر کرنے کے لیے ان کی چیخوں اور لکڑیوں کی ضربوں کا زور دوگنا ہو جاتا ہے۔ بھوت عموماً سمندر یا جزیرہ لوٹن میں چلا جاتا ہے۔ جزیرہ نیو برٹن کے دیسی بیماری' خشک سالی' فصلوں کی خرابی' غرض کہ جملہ مصائب کو بدروحوں کے اثر سے منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ جس وقت لوگوں کی بڑی تعداد بیمار ہو کر مر جاتی ہے' جیسا کہ بارش کے آغاز پر ہوتا ہے' کسی ضلع کے تمام باشندے سوٹوں اور درختوں کی شاخوں سے لیس ہو کے چاندنی رات میں کھیتوں پر پہنچتے ہیں' جہاں وہ بری طرح چیختے ہوئے زمین کو پیٹتے اور اس پر پیر پٹختے رہتے ہیں۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اس کارروائی سے بھوت بھاگ جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نیو کیلی ڈونیا کے دیسیوں کے عقیدے کے بموجب اصل الہلیات ایک طاقتور اور شریر روح ہے' لہٰذا اس روح سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ وقتاً فوقتاً ایک گڑھا کھودتے ہیں جس کے گرد قبیلے کے تمام افراد جمع ہو جاتے ہیں۔ اس بدروح پر تبرا بھیجنے کے بعد وہ اس گڑھے میں مٹی ڈال دیتے ہیں۔ اس کارروائی کو خبیث روح کا دفنانا کہا جاتا ہے۔ وسطی آسٹریلیا کے ڈائری

قبیلے میں جب کسی پر شدید مرض کا حملہ ہوتا ہے تو طلسم گر کوچی یا بھوت کو قبیلے کے پڑاؤ کے اندر اور باہر کانگرو کی بھس بھری دم زمین پر مار مار کر خارج کر دیتا ہے' یہاں تک کہ وہ بھوت پڑاؤ سے دور بھاگ جاتا ہے۔

جب کسی گاؤں پر تابڑ توڑ آفات نازل ہوتی رہی ہوں یا جو شدید وباؤ کا شکار رہا ہو تو سیلیبز کے منہاسا اس کے لیے شیاطین کو مورد الزام قرار دیتے ہیں جن کی گاؤں میں ریل پیل ہو گئی ہو اور جنہیں گاؤں سے نکال باہر کرنا لازمی ہو۔ چنانچہ ایک دن علی الصبح تمام لوگ' عورتیں مرد اور بچے سب گھر چھوڑ کر اور اپنا مال و اسباب ساتھ لے کے ان عارضی جھونپڑیوں میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں جو گاؤں کے باہر بنائی جاتی ہیں۔ یہاں وہ کئی دن قربانیاں دیتے اور آخری رسم کی تیاری کرتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ آخر کار بستی کے مرد' جن میں کچھ مصنوعی چہرے لگائے' کچھ اپنے چہروں پر کالک ملے' اور کچھ دوسرے روپ بھرے لیکن سب کے سب تلواروں' بندوقوں' نیزوں یا جھاڑیوں سے لیس دبے پاؤں اس اجاڑ گاؤں میں گھس جاتے ہیں اور پھر مذہبی پیشوا کے ایک اشارے پر وہ گھروں کے اندر اور گلی کوچوں کے نیچے (کیونکہ وہ زمین سے بلندی پر تودوں کے اوپر بنے ہوتے ہیں) دوڑتے پھرتے اور دیواروں' دروازوں اور کھڑکیوں کو پیٹتے چیختے چلاتے جاتے ہیں تاکہ شیاطین کو مار بھگائیں۔ پھر مذہبی پیشوا اور باقی لوگ متبرک آگ لیے پہنچتے ہیں اور اسے لیے لیے نو دفعہ ہر گھر کے اطراف چکر کاٹتے ہیں اور تین دفعہ اس سیڑھی کے گرد جو گھر پر چڑھنے کے لیے لگی ہوتی ہے۔ پھر وہ آگ باورچی خانے لے جائی جاتی ہے' جہاں تین دن متواتر اس کا جلتا رہنا ضروری ہے۔ اس کے بعد گاؤں شیاطین سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ سب لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔

الماہیرا کے الفور وبائی امراض کو اس بھوت سے منسوب کرتے ہیں جو انہیں لے جانے دوسرے گاؤں سے آیا ہے۔ چنانچہ جادوگر اس بھوت کو مار بھگاتا ہے تاکہ انہیں وبا سے نجات ملے۔ سارے گاؤں والے مل کے اسے بیش قیمت پوشاک دیتے ہیں۔ اسے وہ ان چار برتنوں میں ڈال دیتا ہے جنہیں لے کے وہ جنگل پہنچتا ہے اور اس مقام پر رکھ دیتا ہے اور پھر تمسخرانہ انداز میں بھوت سے کہتا ہے کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ جائے۔ نیوگنی کے جنوب مغرب میں جزیرہ کائی پر خبیث روحوں کا ایک زبردست لشکر

موجود ہے' جو مردوں کی روحوں یا پریتوں سے بالکل ممیز ہیں اور ایک زبردست غول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قریب قریب ہر درخت اور ہر غار ان میں سے کسی نہ کسی بھتنے کا مسکن ہے' نیز یہ روحیں بڑی تنک مزاج واقع ہوئی ہیں اور ذرا سے اشتعال پر اڑ جاتی ہیں۔ ان کا غضب' بیماری اور دوسرے مصائب کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ اس لیے وبا جیسی کسی آفت عام کی صورت میں جس کے علاج کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں بستی کے تمام لوگ مذہبی رہنما کی پیشوائی میں ایک ایسے مقام پر پہنچتے ہیں جو گاؤں سے کچھ فاصلے پر ہو۔ یہاں سورج ڈوبتے وقت دو کھمبے گاڑ دیے جاتے ہیں جن کے درمیان ایک آڑی بلی باندھ دی جاتی ہے' جس سے چاول کی بوریاں' لکڑی کی گھومتی بندوقیں' گھنٹیاں گھنٹے وغیرہ لگا دیے جاتے ہیں۔ پھر جب ان کھمبوں کے پاس ہر شخص اپنی اپنی جگہ جا پہنچتا ہے اور موت کی سی خاموشی چھا جاتی ہے تو مذہبی پیشوا کی آواز بلند ہوتی ہے' جو روحوں کو ان کی اپنی زبان میں یوں مخاطب کرتا ہے: "ہو! ہو! ہو! اے خبیث روحوں جو درختوں میں بستی ہو' غاروں میں رہتی ہو' زمین میں بسیرا کرتی ہو' ہم تمہیں یہ گھومتی بندوقیں یہ گھنٹیاں وغیرہ پیش کرتے ہیں' بیماری ختم ہو جائے اور بہت سی جانیں بچ جائیں۔" اس کے بعد ہر شخص اپنی پوری رفتار سے گھر واپس بھاگ جاتا ہے۔

جزیرہ نیاس میں جب کسی مریض کی حالت نازک ہو اور علاج کی دوسری تمام تدبیریں ناکام ہو گئی ہوں تو جادوگر اپنے عمل سے اس بھوت کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جو مرض کا باعث ہو۔ مکان کے سامنے ایک کھمبا گاڑ دیا جاتا ہے اور اس کھمبے کی انی سے بندھی کھجور کے پتوں سے بٹی ہوئی ایک رسی گھر کی چھت پر پھیلا دی جاتی ہے۔ پھر وہ جادوگر ایک سور لیے چھت پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں سور کو ہلاک کر کے اسے نیچے زمین پر لڑھکا دیتا ہے۔ بیماری کا بھوت سور کو حاصل کرنے کے لیے' جو دیکھتا ہے نہ تا؛ جھٹ کھجور کی رسی کے سہارے نیچے اتر آتا ہے اور ایک نیک روح' جسے جادوگر دہائی دے کر بلاتا ہے' بھوت کو دوبارہ اوپر چڑھنے سے روک دیتی ہے۔ اگر یہ علاج کارگر نہ ہو تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ گھروں میں ضرور کچھ اور بھوت چھپے ہوں گے۔ چنانچہ سب مل کے ان کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ ایک منگی دریچے کے سوا گھر کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بھیڑ دی جاتی ہیں۔ مرد جو گھر میں بند ہوتے ہیں' گھنٹوں کی جھنکار اور ڈھولوں کی ڈھما ڈھم میں اپنی

تلواریں دائیں بائیں چلانی شروع کر دیتے ہیں۔ اس حملے سے خوفزدہ ہو کے بھوت منگی دریچے سے بچ نکلتے ہیں اور کھجور کے پتوں کی رسی پر سے پھسل کر چمپت ہوتے ہیں۔ چونکہ چھت والے دریچے کے سوا گھر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند ہوتی ہیں' لہٰذا بھوت پھر گھر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ وبا کی صورت میں بھی کچھ اسی قسم کی کارروائی کی جاتی ہے۔ گاؤں کے سارے گیٹ بند کر دیے جاتے ہیں' سوائے ایک کے ہر شخص چیخنا شروع کر دیتا ہے ساری گھنٹیاں اور ڈھول بجنے لگتے ہیں اور ہر تلوار گھومنے لگتی ہے۔ اس طرح بھوتوں کو گاؤں سے نکال باہر کر دیا جاتا ہے اور ان کے پیچھے وہ آخری گیٹ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آٹھ دن تک گاؤں کا محاصرہ کیا جاتا ہے اور کسی کو اس میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

جب برما کے کسی گاؤں میں ہیضہ پھوٹ پڑتا ہے تو کچھ صحیح الجسم مرد گھر کی چھتوں پر ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چڑھ جاتے ہیں اور ان پر بانس اور جلانے کی لکڑیاں لیے لیٹ جاتے ہیں' جبکہ بستی کے دوسرے سارے پیر و جوان نیچے کھڑے ڈھول پیٹتے ہیں' سنکھ بجاتے بری طرح چیختے چلاتے' فرش' دروازوں' آنگن کی پراتوں اور ہر چیز کو پیٹتے ہوئے ایک ہنگامہ مچا دیتے ہیں۔ اس شور کا متواتر تین راتوں تک مچایا جانا ہیضے کے بھوتوں کو نکالنے کی مؤثر تدبیر سمجھا جاتا ہے۔ جنوب مشرقی ہند کے کومیوں نے جب پہلی مرتبہ چیچک کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ یہ اراکان سے آیا ہوا بھوت ہے۔ متاثرہ گاؤں کا محاصرہ کر لیا گیا اور ان میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ایک بندر زمین پر پٹخ کر مارا گیا اور اس کی لاش گاؤں کے دروازے پر ٹانگ دی گئی۔ اس کے خون میں دریائی سنگ ریزے ڈبو ڈبو کر اس کے چھینٹے تمام مکانوں پر اڑائے گئے۔ ہر گھر کی دہلیز کو اس بندر کی دم سے جھاڑا گیا اور بھوت کی منتیں کی گئیں کہ وہ چلا جائے۔

جب مغربی افریقہ کے گولڈ کوسٹ پر کسی وبا کا زور ہو تو کبھی کبھی لوگ بدروحوں کا مار بھگانے کے لیے ڈنڈوں اور مشعلوں سے لیس ہو کے نکل آتے ہیں مقررہ اشارے پر بستی کے تمام لوگ ایک ساتھ چیختے چلاتے گھروں کے کونے کونے پر ڈنڈے مارتے ہیں اور مشعلیں ہلاتے اور ہوا میں ڈنڈے چلاتے گلی کوچوں میں دیوانہ وار دوڑتے ہیں۔ یہ ہنگامہ اسی طرح برپا رہتا ہے حتیٰ کہ کوئی شخص یہ خبر سناتا ہے کہ مرعوب اور خوفزدہ شیاطین

قصبے یا گاؤں کے کسی دروازے سے بچ نکلے ہیں۔ لوگوں کا ایک ہجوم ان کے پیچھے نکل پڑتا ہے۔ جنگل میں کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا جاتا ہے اور انہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ پلٹ کر نہ آئیں۔ بھوتوں کے اخراج کی اس رسم کے بعد گاؤں یا قصبے کے تمام مرغوں کا قتل عام شروع ہو جاتا ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی بے وقت کی بانگوں سے بستی سے نکلے ہوئے ان بھوتوں کو اس سمت کا پتا چل جائے' جدھر جانے سے وہ اپنے پرانے گھروں کو لوٹ سکتے ہوں۔ جب ہیورانوں (ایک امریکی الاصل قوم) کے ایک گاؤں میں بیماری پھیلی ہوئی تھی اور علاج کی تمام صورتیں ناکام ہو گئیں تھیں تو اس قوم نے ایک رسم ادا کی تھی: ''ان کا کہنا ہے کہ یہ رسم گاؤں یا قبیلے سے ان بھوتوں یا خبیث روحوں کو نکالنے کی خاص ترکیب اور سب سے موزوں ذریعہ ہے' جو ان کی تمام ذہنی یا جسمانی علتوں کا سبب ہیں۔'' چنانچہ ایک شام مرد گاؤں میں دیوانوں کی طرح دوڑنے لگے اور وگ واموں (شمالی امریکہ کے دیسیوں کا خیمہ یا جھونپڑی جو کھالوں یا درخت کی چھال وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے) میں جو کچھ ان کے سامنے آیا اسے توڑ دیا یا الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ گلیوں میں انہوں نے انگارے اور جلتی لکڑیاں بکھیر دیں اور تمام رات مسلسل گاتے اور چیخیں مارتے دوڑتے رہے۔ پھر وہ دل ہی دل میں چند چیزوں کی خواہش کرتے' جیسے چاقو' کتا' کھال یا کچھوا اور پھر جب صبح ہوتی تو گھر گھر تحفے مانگتے پھرتے' جنہیں وہ بڑی خاموشی سے وصول کر کے چلے جاتے اور جب انہیں کسی جھونپڑی سے وہ خاص شے مل جاتی جو انہوں نے خواب میں دیکھی تھی تو خوشی کے نعرے لگاتے اور حاضرین کی مبارکباد کے شور میں وہاں سے بھاگ جاتے۔ ان کے عقیدے کے بموجب اس شخص کو جسے اپنی تصور کردہ شے مل جائے اس کی صحت و تندرستی یقینی ہو جاتی اور جو شخص اس سے محروم رہے اس کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

بعض وقت گھروں سے بیماری کے بھوتوں کو مار بھگانے کے بجائے وحشی انہیں اپنی جگہ پر سکون کے ساتھ چھوڑ دینا پسند کرتے ہیں اور خود وہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ان کا تعاقب نہ کرنے پائیں۔ چنانچہ جب پیا گونیا والوں پر چیچک کا حملہ ہوتا' جسے وہ کسی خبیث روح کی شرارت سمجھتے تو بیماریوں کو چھوڑ کر ہوا میں اپنے ہتھیار چلاتے اور پانی کے چھینٹے اڑاتے بھاگ جاتے تاکہ بھوت ان کا تعاقب چھوڑ دے اور جب کئی دن کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک ایسے مقام پر پہنچتے جو ان کی دانست میں بھوت کی رسائی سے باہر ہو تو ازراہ احتیاط اپنے تمام کاٹنے والے ہتھیار زمین میں گاڑ دیتے' اس طرح کہ ان کی دھاروں کا رخ اس سمت رہتا جدھر سے وہ آئے ہوں' جیسے وہ دشمن کے رسالے کے دستے کا حملہ روک رہے ہوں۔ اسی صورت سے جب گران چیکو کے لولیوں ور ٹوٹو کو ٹیوں پر کسی وبائی مرض کا حملہ ہوتا تو وہ باضابطہ اس سے بچ نکلنے کی کوشش کرتے۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ ہمیشہ پر پیچ راستہ اختیار کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسا کرنے سے جب بیماری ان کا پیچھا کرے گی تو راہ کے موڑ اور پیچ و خم اسے تھکا کر چور کر دیں گے۔ اور وہ انہیں نہ پا سکے گی۔ جب نیو میکسیکو کے قدیم باشندوں کی ایک معتدبہ تعداد چیچک یا کسی اور وبائی مرض کا شکار ہو جاتی تو وہ ہر روز اپنی جائے سکونت بدل دیا کرتے اور پہاڑوں کی نہایت سنسان اور چن چن کے سب سے خاردار کنج ہائے عزلت میں پناہ لیتے۔ انہیں یہ توقع ہوتی کہ چیچک اپنے کھرچے جانے کے ڈر سے کانٹوں میں ان کا پیچھا کرتی ہرگز نہ جائے گی۔ رنگون کی چن قوم کے لوگوں پر اپنے برما کے دوران سفر میں ہیضے کا حملہ ہوا تو انہوں نے ننگی تلواریں سونت لیں اور گشت کرنا شروع کر دیا کہ وبا کا بھوت ڈر کے بھاگ جائے۔ نیز وہ کچھ دن جھاڑیوں میں دبکے رہے کہ بھوت انہیں نہ پا سکے۔

بلاؤں کا معیادی اخراج:

کبھی کبھی رفع مصائب ہنگامی سے معیادی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور کسی مقررہ مدت کے اختتام پر' عموماً سال میں ایک مرتبہ ارواح خبیثہ سے نجات عام ضروری خیال کی جانے لگتی ہے تاکہ لوگ ان مضر اثرات یا قوتوں سے محفوظ ہو کر ایک نئی زندگی شروع کر دیں جو ایک عرصے سے جمع ہوتی رہی ہوں۔ بعض آسٹریلوی وحشی ہر سال اپنے علاقے سے مردوں کی ارواح کو نکالا کرتے تھے۔ اس کی رسم تقدس رڈلے نے دریائے باروان کے کنارے دیکھی تھی: ''کوئی بیس آدمیوں کا ایک طائفہ جس میں پیر و جوان شامل تھے' اپنے بوم رنگ (آسٹریلیوں کا چوبی ہتھیار جو پھینکنے والے کے پاس آ جاتا ہے) بجا بجا کے گا رہا تھا اچانک چھال کے ایک ٹکڑے میں سے ایک آدمی نکل پڑا جس کے جسم پر سفید مٹی (جس

کی ڈمیاں بنائی جاتی ہیں) ملی ہوئی تھی اور سر اور چہرے پر زرد اور سرخ لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ پروں کا ایک گچھا ایک چھوٹی سی لکڑی کے سہارے اس کی چندیا سے کوئی دو فٹ اونچا بندھا ہوا تھا۔ وہ آسمان پر نظریں گاڑے کوئی بیس منٹ تک بالکل چپ چاپ کھڑا رہا۔ ان میں ایک شخص نے جو میرے قریب کھڑا تھا' مجھے بتایا کہ وہ آدمی پرچھوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آخر کار وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا اور پھر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر پوری رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا' ساتھ ہی وہ ایک ٹہنی بھی اس طرح گھماتا جاتا تھا جیسے کچھ غیر مرئی دشمنوں کو مار بھگاتا ہو۔ میں سمجھا کہ یہ خاموش تماشا اب ختم ہوا جاتا ہے' لیکن اسی وقت کیا دیکھتا ہوں کہ دس اور آدمی اسی صورت سے آراستہ اچانک درختوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے اور ان کی ساری جماعت پراسرار حملہ آوروں کے ساتھ مصروف پیکار ہوگئی۔ کچھ واقعات سلسلہ وار بڑی تیزی سے پیش آ گئے جن کے مظاہرے میں انہوں نے اپنا سارا زور صرف کر ڈالا۔ آخر کار انہوں نے اپنی وحشیانہ سرگرمی کے بعد جو رات بھر اور دن نکلنے کے بعد بھی کچھ گھنٹے جاری رہی' آرام کیا۔ انہیں اطمینان ہو چکا تھا کہ ان کی اس کارروائی سے سال بھر کے لیے روحیں دفع ہو چکی ہیں۔ یہی رسم دریا کے کنارے جگہ جگہ ادا کی جا رہی تھی اور مجھے بتایا گیا کہ یہ ایک سالانہ دستور ہے۔"

بعض سالانہ موسم ایسے ہیں جو قدرتی طور پر شیاطین کے اخراج کے لیے موزوں نظر آتے ہیں۔ ایسا ایک موسم قطب شمالی کی سردیاں ہیں جن میں آفتاب ہفتوں اور مہینوں غائب رہنے کے بعد افق پر نمودار ہوتا ہے۔ چنانچہ پائنٹ بارو کے مقام پر' جو الاسکا اور قریب قریب امریکہ کا بھی منتہائے شمال ہے' اسکیموؤں نے ظہور آفتاب کو اپنے گھر سے خبیث روح ٹونا کے اخراج عام کا وقت قرار دے رکھا ہے۔ اس رسم کو ممالک متحدہ امریکہ کی قطب جو مہم کے وفد کے ارکان نے دیکھا تھا جنہوں نے سردیاں پائنٹ بارو پر گزاری تھیں۔ چنانچہ اس میں کونسل گھر کے سامنے ایک انگیٹھی بنائی گئی اور ہر گھر کی دہلیز پر ایک ایک بڑھیا متعین کر دی گئی۔ مرد کونسل کے گھر کے گرد جمع ہو گئے' جب کہ جوان عورتیں اور لڑکیاں اس خبیث روح کو نکالنے کے لیے تختوں اور ہرن کی کھالوں کے پیچھے بری طرح چھڑیاں مارنے لگیں' جس کے ساتھ وہ ٹونا سے کہتی جاتی تھیں کہ وہ دفع ہو جائے۔ جب انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ روح گھر کے ایک ایک کونے اور سوراخ سے نکالی جا چکی ہے تو

چیختے چلاتے اور دیوانوں کی سی حرکتیں کرتے اور اسے فرش سے دھکے دیتے ہوئے گھر کے باہر لے گئے۔ اس دوران میں ہر گھر کے دروازے پر متعین بوڑھی عورت ہوا میں ایک لمبا چھرا لہلاتی رہی تا کہ ٹونا لوٹ کے نہ آنے پائے۔ اس طرح ہر جماعت ٹونا کو ہانکتی انگیٹھی کی طرف لے گئی اور اسے کہتی گئی کہ وہ آگ میں چلی جائے۔ اس مرحلے پر سب لوگ ایک نیم دائرے کی صورت میں آگ گرد صف بستہ ہو گئے اور ان کے بہت سے رہنماؤں نے روح پر کچھ الزام لگائے' جن میں ہر ایک اپنی تقریر کے بعد اپنے کپڑوں پر برش پھیرتا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ روح سے کہتا جاتا کہ اسے چھوڑ کر آگ میں چلی جائے۔ اس کے بعد دو آدمی رائفلیں لیے' جن میں خالی کارتوس بھرے تھے' آگے بڑھے اور ایک تیسرا شخص پیشاب سے بھرا ہوا برتن لایا اور اسے آگ پر انڈیل دیا' ساتھ ہی اول الذکر آدمیوں سے ایک نے آگ پر بندوق داغ دی۔ جوں ہی اس سے دھواں اٹھا' دوسرا فائر ہوا جس سے ان کی دانست میں کچھ عرصے کے لیے ٹونا کا قصہ پاک ہو گیا۔

خزاں کے موسم میں جب زمین پر طوفانوں کا زور ہوتا ہے اور ان سے وہ برفانی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں جن سے ابھی سمندر پوری طرح مستفید نہیں ہوتا' جب برف کی سلیں کھسک کھسک کے ایک دوسرے سے ٹکراتی اور کڑکتی ہوئی پاش پاش ہو جاتی ہیں اور جب برف کے ٹکڑوں کے بے ترتیب انبار لگ جاتے ہیں تو جزیرہ فن لینڈ کے اسکیمو یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ان روحوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں جو شر آلود فضا میں بستی ہیں۔ پھر مردوں کی روحیں بری طرح جھونپڑیوں کے دروازوں کو کھٹکھٹانے لگتی ہیں' جن میں وہ داخل نہیں ہو سکتیں۔ ہائے وہ بدنصیب کہ جسے وہ پکڑ لیں! وہ بہت جلد بیمار ہو کے مر جاتا ہے۔ پھر ایک مہیب اور بے بال کتے کا سایہ حقیقی کتوں کو پیچھا کرتا ہے جسے دیکھتے ہی ان پر ایسا لرزہ طاری ہوتا اور تشنج کے دورے پڑتے ہیں کہ ان کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ ساری ارواح خبیثہ کا ٹڈی دل اس وقت باہر نکل آتا ہے اور بیماری اور موت' خراب موسم اور شکار میں ناکامی سارے مصائب اسکیموؤں پر توڑ دیتا ہے۔ ان تمام بلاؤں میں سب سے زیادہ خوفناک خاتون عالم اسفل سیڈنا اور اس کا باپ ہے جن کے حصے میں مردہ اسکیمو آتے ہیں۔ جبکہ دوسری روحیں پانی اور ہوا میں بستی ہیں' وہ زمین کے نیچے سے نکلتی ہیں۔ یہ موسم جادوگروں کی مصروفیت کا موسم ہے۔ اس وقت ہر گھر سے ان کا گانا اور دعائیں سنائی

دیں گی جس کی پشت پر ٹمٹماتے چراغ کی روشنی میں ایک پراسرار اداسی کے عالم میں بیٹھے وہ روحوں کی منتیں کرتے ہیں۔ سب سے مشکل کام سیڈنا کا نکالنا ہے اور یہ کام سب سے طاقتور جادوگر کے لیے مخصوص ہے۔ اس غرض سے کسی کشادہ جھونپڑی کے فرش پر رسی کی ایک کنڈلی اس طرح بنا دی جاتی ہے کہ اس کے اوپر سیل کی ناک کے چھید سے ملتا جلتا ایک سوراخ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دو جادوگر اس کے برابر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں ایک اس طرح نیزہ پکڑے کھڑا ہوتا ہے جیسے سیل کی تاک میں ہو اور دوسرا ایک ہارپون کی رسی تھامے۔ ایک تیسرا جادوگر جھونپڑے کی پشت پر جادو کے بول الاپتا رہتا ہے۔ تاکہ اس سے سیڈنا کھنچی چلی آئے۔ پھر جھونپڑی کے فرش کے نیچے کچھ آواز سنائی دیتی ہے' جیسے وہ آن پہنچی ہو اور لمبے لمبے سانس لے رہی ہو۔ اس کے بعد وہ کنڈلی کے چھید پر برآمد ہو جاتی ہے اور اسے ہارپون کی ضرب لگا دی جاتی ہے۔ اس پر وہ غصے کی حالت میں جلدی سے نیچے چلی جاتی ہے اور اپنے ساتھ ہارپون کو بھی گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔ ادھر دو آدمی اپنی پوری قوت سے ہارپون کی رسی کو تھامے رہتے ہیں۔ یہ کشمکش بڑی سخت ہوتی ہے لیکن انجام کار وہ زچ ہو کے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو چھڑا لیتی ہے اور پیڈلی دن میں اپنے مسکن کو لوٹ جاتی ہے۔ جب ہارپون کو اس چھید میں سے نکالا جاتا ہے تو اس پر خون کے چھینٹے نظر آتے ہیں اور اسے جادوگر بڑے فخر سے اپنی شجاعت کے ثبوت کے طور پر سب کو دکھاتے ہیں۔ اس طرح آخر سیڈنا اور دوسری بدروحوں کو نکال باہر کیا جاتا ہے اور اگلے دن جوان بوڑھے سب مل کے اس کی خوشی میں ایک بڑا تیوہار مناتے ہیں۔ انہیں اب بھی محتاط رہنا پڑتا ہے اس لیے کہ زخمی سیڈنا غضب ناک ہوتی ہے اور جھونپڑی کے باہر جو بھی مل جائے اسے پکڑ لیتی ہے' چنانچہ سب لوگ اپنی کلائیوں پر حرز باندھے رہتے ہیں تاکہ اس سے بچے رہیں۔ یہ حرز ان کپڑوں کی دھجیوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو پیدائش کے بعد انہیں پہنائے گئے ہوں۔

اراکوئی قوم (امریکہ کے متعدد جنگ جو قبائل کا مشہور اتحاد) ہوراتھیوں کے اس تیوہار کے سے ایک "خوابوں کے جشن" کے ساتھ جو خاص موقعوں پر منایا جاتا تھا' اپنے نئے سال کا آغاز جنوری' فروری یا مارچ میں (اس کا وقت بدلتا رہتا تھا) کرتے تھے۔ اس جشن کی رسمیں جن کی شکل ایک ہنگامہ عیش و نشاط کی سی تھیں' دنوں بلکہ ہفتوں جاری رہتیں۔ مرد

اور عورتیں بھانت بھانت کے بھیس بدلے گھر گھر پہنچتے اور جو کچھ ان کے ہاتھ لگتا اسے اٹھا اٹھا کر پھینکتے۔ ان ایام میں ہر ایک شخص کو آزادی تھی کہ جو جی چاہے کرے اور لوگوں کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں اور اس لیے دوران جشن میں وہ اپنے اعمال کے ذمہ دار نہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناپسندیدہ اشخاص کی بری گت بناتے: انہیں پیٹا جاتا' یخ سے ٹھنڈے پانی میں نہلایا جاتا اور ان پر گندگی یا گرم گرم راکھ ڈالی جاتی۔ اس پہلے شخص پر' جس سے اس کا آمنا سامنا ہوتا' بعض دوسرے لوگ جلتی لکڑیاں یا انگارے اٹھا اٹھا کے پھینکتے۔ ان اذیت دھندوں سے بچنے کی صرف ایک صورت تھی اور وہ یہ کہ اس چیز کا خیال کیا جائے جس کا انہوں نے خواب دیکھا ہو۔ ایام جشن میں ایک دن گاؤں سے ارواح خبیثہ کے اخراج کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ اس میں مرد جانوروں کی کھالیں اوڑھے ڈراؤنے مصنوعی چہرے لگائے اور ہاتھوں میں کچھوؤں کے خول پہنے خوفناک چیخیں مارتے جھونپڑی جھونپڑی پہنچتے۔ گناہوں کا اعتراف عام جو اس جشن سے پہلے عمل میں آتا ہو' غالباً برے اثرات سے نجات عام کی تیاری یا تمہید کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ لوگوں کو اپنے اعمال بد کے بار سے سبکدوش کرنے کی ایک صورت تھی تاکہ ان اعمال کو اکٹھا کر کے پھینک دیا جائے۔

ستمبر میں پیرو کے انکا ایک تیوہار مناتے تھے جو ستوایا یا سِتوا کے نام سے موسوم تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مملکت کی راج دھانی اور اس کے مضافات سے ہر قسم کی مصیبت اور بیماری کو دفع کیا جائے۔ یہ تیوہار ستمبر میں اس لیے آتا تھا کہ اس زمانے میں برسات شروع ہوتی تھی۔ پہلا چھینٹا اپنے ساتھ بالعموم بیماری لے کر آتا۔ اس کی تیاری میں لوگ اعتدال خریفی کے بعد چاند کی پہلی تاریخ کو روزہ رکھتے۔ دن بھر کے روزے کے بعد جب شام آتی تو مکئی کی گاڑھی لپٹی پکائی جاتی۔ یہ لپٹی دو قسم کی پکتی' ایک سادہ اور ایک ایسی کہ جس کا آٹا پانچ سے دس سال کے بچوں کے خون سے گوندھا جاتا' جو ان کے دونوں ابروؤں کے بیچ سے لیا جاتا۔ دو قسم کی یہ لپٹیاں الگ الگ پکائی جاتیں اس لیے کہ ان کے دو الگ الگ مصرف تھے۔ ہر خاندان کے افراد جشن منانے کے لیے سب سے بڑے بھائی کے گھر جمع ہوتے اور جن کا کوئی بڑا بھائی نہ ہو وہ اپنے کسی ایسے بزرگ کے گھر جو ان کا قریبی رشتہ دار ہو۔ اسی رات وہ تمام جنہوں نے دن میں روزہ رکھا ہو' غسل کرتے اور ذرا

ذرا سی خون والی لپٹی اپنے سر چھاتی کندھوں بازوؤں اور ٹانگوں پر ملتے۔ اس کارروائی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ لپٹے کے اثر سے ان کی ساری کمزوریاں دور ہو جائیں۔ اس کے بعد صدر خاندان یہ لپٹی گھر کی دہلیز پر ملتا اور اسے اس بات کی نشانی کے طور پر وہیں چھوڑ دیتا کہ اہل خانہ رسم طہارت ادا کر کے اپنے جسم پاک کر چکے ہیں۔ اس دوران میں ادھر پیشوائے اعظم سورج کے مندر میں ان ہی رسموں کی انجام دہی میں معروف ہوتا۔ جوں ہی سورج نکلتا تمام لوگ اس کی پوجا کرتے اور اس سے ملتجی ہوتے کہ وہ تمام بلاؤں کو شہر سے دور کر دے۔ پھر وہ اس لپٹی سے روزہ کھولتے جس میں خون کا جز و شامل نہ ہوتا۔ پوجا اور روزہ کشائی کے بعد جو وقت مقررہ پر عمل میں آتی تا کہ سب لوگ شخص واحد کی حیثیت سے سورج دیوتا کی پرستش کریں' شاہی خاندان کا ایک انکا سورج دیوتا کا ایلچی بنا' پرتکلف پوشاک زیب تن کیے عبا کو جسم سے کس کے پیٹے اور ہاتھ میں برچھی لیے قلعے سے نمودار ہوتا۔ برچھی پھل سے دستے تک رنگا رنگ پروں سے سجی ہوتی' نیز اس سے سونے کے چھلے بندھے ہوتے۔ وہ قلعے سے اپنی برچھی گھما گھما کے دوڑتا ہوا اترتا اور بڑے چوک کے بیچوں بیچ پہنچ جاتا' جہاں ایک مطلا سنہری مرتبان فوارے کی شکل کا رکھا ہوتا' جو مکئی کے جوش کردہ عرق کی نذر کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہاں شاہی خاندان کے چار اور ان کا ہاتھوں میں برچھیاں لیے اس کے منتظر ہوتے' ان کی عبائیں کسی ہوتیں تا کہ وہ اچھی طرح دوڑ سکیں۔ ایلچی اپنی برچھی سے ان چاروں کی برچھیوں کو چھوتا اور انہیں سورج دیوتا کا حکم سناتا کہ وہ اس کے قاصدوں کی حیثیت سے شہر کو بلاؤں سے پاک کر دیں پھر متذکرہ چار ان کا علیحدہ ہو جاتے اور ان چار شاہی سڑکوں پر دوڑنے لگتے جو شہر سے نکل کر چاروں سمت جاتی ہیں۔ جب یہ رواں دواں چلے جاتے تو تمام لوگ' کیا چھوٹے کیا بڑے' سب اپنے اپنے مکانوں کے دروازوں پر آ جاتے اور خوشی کے نعروں کے ساتھ اس طرح اپنے کپڑے جھٹکنے لگتے جیسے ان کی خاک جھاڑ رہے ہوں اور ساتھ ہی چیخ چیخ کر یہ کہتے جاتے: ''بلائیں دفع ہوں! ہمیں اس تیوہار کے کیسے کیسے ارمان تھے۔ اے خالق کل! ہمیں ایک اور سال تک جی لینے دے' تا کہ ہم ایسا ہی دوسرا جشن دیکھ سکیں!'' کپڑے جھٹکنے کے بعد وہ اپنے سروں' چہروں' بازوؤں اور ٹانگوں پر اس طرح ہاتھ پھیرتے جیسے غسل کرتے ہوں۔ یہ سب بلاؤں کو گھر سے نکالنے کے لیے کیا جاتا تا کہ

سورج دیوتا کے قاصد انہیں شہر بدر کر دیں۔ یہ صرف انہیں جگہوں میں نہیں کیا جاتا تھا جن میں سے انکا دوڑتے ہوئے گزرتے بلکہ شہر کے ایک ایک گوشے میں یہی کارروائی کی جاتی۔ سورج دیوتا کا ایلچی' نیز وہ سب مل کے رقص کرتے' جس میں ان کا بھی شامل ہو جاتا اور دریاؤں اور چشموں پر یہ کہتے ہوئے نہاتے کہ ان کے تمام مصائب ان سے خارج ہو جائیں گے۔ پھر وہ کچھ مشعلیں لے کے' جو پوال پر ڈوریاں لپیٹ کے تیار کی جاتیں' انہیں جلاتے اور ایک دوسرے کو ان سے مار مار کے تھماتے جاتے اور اس کے ساتھ یہ کہتے جاتے ''ساری مصیبت دور ہو'' اس دوران میں دوڑنے والے قاصد اپنی برچھیاں لیے شہر کے باہر کوئی ربع فرسخ تک دوڑتے' جہاں انہیں چار اور انکا تیار مل جاتے۔ یہ ان سے برچھیاں لے کے ان کی جگہ خود دوڑنے لگتے۔ اس طرح تیز رو قاصدان برچھیوں کو دست بدست کوئی پانچ یا چھ فرسخ تک لے جاتے اور اس کے بعد وہ دریا میں نہاتے اور اپنی اپنی برچھیاں اس سرحد کے نشانات کے طور پر گاڑ دیتے جن میں دفع شدہ بلائیں لوٹ کر نہ آ سکیں۔ گنی کے حبشی ہر سال بھوت کو مقررہ ایام میں بڑی دھوم دھام سے اپنی ساری بستیوں سے نکالا کرتے ہیں۔ گولڈ کوسٹ میں ایکسم کے مقام پر اخراج بلیات کی اس سالانہ رسم سے پہلے آٹھ دن تک ایک جشن منایا جاتا ہے۔ جس کے دوران میں بڑی رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں۔ اچھل کود ناچ گانا ہوتا ہے اور ہجو بازی کی پوری پوری آزادی ہوتی ہے۔ برائیوں کو خوب اچھالا جاتا ہے۔ لوگ بے خوف سزا بلکہ بغیر کسی مزاحمت کے اپنے سے برتر اور غیر اشخاص کی خطاؤں' بدمعاشیوں اور جعل و فریب کی ہجویں گاتے ہیں۔ آٹھویں دن وہ بھوت کو ایک اندوہ گیں شور کے ساتھ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور اسے رگیدتے ہوئے اس پر لکڑیاں' پتھر اور ہر وہ چیز جو ان کے ہاتھ لگ جائے' برسا دیتے ہیں۔ جب وہ اسے شہر سے خاصی دور نکال چکتے ہیں تو سب کے سب لوٹ آتے ہیں۔ نیز اس بات کا یقین کرنے کے لیے وہ گھروں میں لوٹ کر نہ آئے۔ عورتیں اپنے سارے لکڑی کے برتن مانجھتی اور دھوتی ہیں تا کہ انہیں ہر قسم کی نجاست اور بھوت سے پاک کیا جائے۔''

گولڈ کوسٹ ہی میں بمقام کیپ کوسٹ کاسل یہ رسم ایک انگریز نے 19 اکتوبر 1844ء کو دیکھی تھی' جس کا حال اس نے یوں قلم بند کیا ہے: ''آج رات خبیث روح ایبان سام کو دفع کرنے کی رسم ادا کی گئی۔ جوں ہی قلعے میں آٹھ بجے کی توپ چلی' لوگوں

نے بھوت کو ڈرانے کی غرض سے اپنے گھروں میں بندوقیں داغنی شروع کر دیں۔ سارا ساز و سامان اٹھا اٹھا کے گھروں سے باہر پھینکنے لگے۔ لکڑیوں وغیرہ سے گھروں کے ایک ایک کونے کو پیٹنا شروع کر دیا اور گلے پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگے۔ جب ان کے خیال میں خبیث روح گھروں سے نکالی جا چکی تو وہ مشعلیں پھینکتے چیختے چلاتے' لکڑیاں بجاتے' پرانے برتن کھنکناتے اور نہایت خوفناک شور مچاتے گلیوں میں نکل آئے' تاکہ اسے شہر سے سمندر کی طرف نکال دیں۔ اس رسم سے قبل چار ہفتوں تک مکمل خاموشی ہوتی ہے۔ جس کے دوران میں بندوق داغنی' ڈھول پیٹنا' آپس میں معاملے کی کوئی بات کرنا قطعی ممنوع ہے۔ اگر ان ہفتوں کے دوران میں دو دیسی کسی بات پر متفق نہ ہوں اور شہر میں غل مچانے لگیں تو بادشاہ کے حضور لے جایا جاتا ہے اور ان پر بھاری جرمانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی کتا یا سور' بھیڑ یا بکری گلیوں میں پھرتی مل جائے تو اسے کوئی بھی مار سکتا ہے یا اس پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اس کا پہلا مالک اس کیلئے کوئی ہرجانہ طلب کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس خاموشی سے ایبان سام کو دھوکا دینا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ اطمینان سے اپنے محافظوں سے علیحدہ ہو جائے اور اچانک اس پر یورش کر دی جائے' اور وہ اس مقام سے مارے ڈر کے نکل جائے۔ اگر زمانہ سکوت میں کوئی مر جائے تو جب تک اس پر چار ہفتے گزر نہ لیں اس کے رشتہ داروں کو رونے نہیں دیا جاتا۔"

بعض اوقات شیاطین کے سالانہ اخراج کی تاریخ زراعتی موسموں کے لحاظ سے مقرر کی جاتی ہے۔ چنانچہ مغربی افریقہ میں ٹوگولینڈ کے ہوسوں میں اخراج شیاطین کی رسم فصل کے نئے یام کھانے سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ اس وقت سردار مذہبی رہنماؤں اور جادوگروں کو طلب کر کے انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ شہر کو پاک اور بلاؤں کو دور کر دیں۔

جنوب مشرقی نیو گنی میں کری ویتا کے مقام پر جب یاموں کی نئی فصل اٹھائی جا چکتی ہے تو لوگ اس موقع پر کئی ہفتے تک جشن مناتے' رقص کرتے اور ایک چبوترے پر جو اس غرض سے تعمیر کیا جاتا بازو بندوں' دیسی سکہ وغیرہ کی قسم کے بہت سے مال کی نمائش کی جاتی۔ جب رنگ رلیاں ختم ہو جاتیں تو سب لوگ روحوں کو دفع کرنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے۔ جس کے لیے چیخا چلایا جاتا' گھروں کے کھمبوں کو پیٹا جاتا اور ہر اس چیز کو الٹ دیا جاتا جس میں چالاک روح کے چھپے ہونے کا احتمال ہو۔

شمال مشرقی ہند کی ہاس قوم میں سال کا بڑا تیوہار فصل کا تیوہار ہے جو جنوری میں منایا جاتا ہے' جب کہ تمام کھیت اناج سے بھرے ہوتے ہیں اور لوگوں پر شیطان غالب ہوتا ہے۔ "وہ اس عجیب و غریب وہم میں مبتلا ہیں کہ اس وقت مرد و زن سب پر برائی کا بھوت سوار ہوتا ہے اور کسی شخص کی سلامتی کے لیے یہ انتہا درجے ضروری ہے کہ گرمی خارج کرنے کے لیے کچھ عرصے تک جی کھول کے اپنی خواہشات پوری کرے۔" تیوہار کی رسموں کا آغاز ایک مرغا اور دو مرغیاں' جن میں ایک سیاہ ہونی چاہیے' گاؤں کے دیوتا پر بھینٹ چڑھانے سے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ پلاس کے کچھ پھول' چاول کے آٹے کی روٹی اور تل بھی نذر کیے جاتے ہیں۔ یہ بھینٹ اور نذریں گاؤں کا پجاری چڑھاتا ہے جو یہ پرارتھنا کرتا ہے کہ نئے سال کے دوران میں وہ اور ان کے بچے تمام آفتوں اور بیماریوں سے محفوظ رہیں اور ان کے ہاں وقت پر بارش اور فصلیں اچھی ہوں۔ بعض مقامات پر مردوں کی روحوں کے لیے دعا مانگی جاتی ہے۔ خیال ہے کہ اس زمانے میں اس مقام پر ایک بدروح کا عمل ہوتا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے عورتیں' مرد اور بچے ہاتھوں میں لکڑیاں لیے جلوس کی صورت میں گاؤں کے اطراف و اس کے گوشے گوشے میں ایک گیت الاپتے اور بری طرح ہنگامہ مچاتے اس طرح گھومتے ہیں جیسے شکار کو ہانکا دینے نکلے ہوں' یہاں تک کہ انہیں یقین آ جاتا ہے کہ یہ بدروح بھاگ گئی ہے۔ پھر وہ ضیافت اڑاتے ہیں تا آنکہ وہ اس عیاشی اور بدمستی کے قائل ہو جاتے ہیں جس کی نوبت اس کے بعد آتی ہے۔ اس مرحلے پر مذکورہ بالا "تیوہار رنگ رلیوں اور بدمستیوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے دوران میں ملازم اپنے آقاؤں کا احترام بھول جاتے ہیں۔ مرد عورتوں کا لحاظ اور عورتیں شرم و حیا اور تہذیب و شائستگی کو بالائے طاق رکھ دیتی ہیں۔ وہ سب کی سب باخوں کی جوگنیں بن جاتی ہیں۔" ہاس جو' کم آمیز ہوتے اور عورتوں کے ساتھ بڑے تکلف اور شائستگی کے ساتھ پیش آتے ہیں لیکن اس ہنگامہ عیش و نشاط میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فطرتیں عارضی طور پر بدل جاتی ہیں۔ "اولاد والدین کے ساتھ اور والدین اولاد کے ساتھ انتہائی بدکلامی کرتے ہیں۔ مرد و زن اپنی آتش ہوس ٹھنڈی کرنے کے لیے جانور بن جاتے ہیں۔" منڈاری بھی جو ہس قوم کے پڑوسی اور رشتے دار ہیں' یہ تیوہار کچھ اسی صورت میں مناتے ہیں" یہ سازمیلیا (قدیم اطالوی تیوہار

جو سارٹن دیوتا کے نام پر منایا جاتا تھا اور جس میں جی بھر کے دادِ عیش دی جاتی تھی) سے ہو بہو مشابہت رکھتا ہے۔

ان ہاس اور منڈاری قوموں کی طرح ہندوکش کے علاقے کے بعض قبائل میں بھی فصل کی کٹائی کے بعد شیاطین کا دفع عام عمل میں آتا ہے۔ جب خریف کی آخری فصل کٹ کے آ چکتی ہے تو کھیتوں کو ارواح خبیثہ سے پاک کرنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اس موقعے پر ایک قسم کا دلیہ کھایا جاتا ہے اور صدر خاندان اپنی توڑے دار بندوق گھر کے فرش میں چلا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ باہر نکل آتا ہے اور بندوق بھر بھر کے فائر پر فائر کرنا شروع کر دیتا ہے' حتیٰ کہ اس کے سینگ کا بارود ختم ہو جاتا ہے۔ اس دوران میں اس کے تمام پڑوسی بھی اس کارروائی میں لگے رہتے ہیں۔ دوسرے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ چترال میں یہ تیوہار دفع شیطان کہلاتا ہے۔ دوسری طرف ہندوستان کے کھونڈ کٹائی کے بجائے بوائی کے وقت بھوتوں کو دفع کرتے ہیں۔ اس زمانے میں وہ پیڑی پنو کی پوجا کرتے ہیں جو افزائش و منفعت کا دیوتا ہے' خواہ اس کی صورت کچھ بھی ہو۔ تیوہار کے پہلے دن کچھ لکڑیوں پر ایک ٹوکری رکھ کے ایک بھدی سی گاڑی تیار کی جاتی ہے اور پہیوں کی جگہ اس سے دو بیلن باندھ دیئے جاتے ہیں۔ پجاری یہ گاڑی لے کے پہلے قبیلے کے وارث اعلیٰ کے گھر جاتا ہے' جس کو زراعت کی جملہ رسموں میں سب پر تقدم حاصل ہوتا ہے۔ یہاں اس پجاری کو ہر قسم کے کچھ بیج اور کچھ پر ملتے ہیں۔ پھر وہ اس گاڑی کو لے کے گاؤں کے دوسرے گھروں پر پہنچتا ہے اور ہر گھر اسے بیج اور پروں کا اپنا اپنا حصہ دیتا ہے۔ آخر میں گاڑی گاؤں کے باہر لے جائی جاتی ہے جس کے ساتھ قبیلے کے تمام نوعمر ہو لیتے ہیں' جو لمبی لکڑیوں سے ایک دوسرے کو بری طرح پیٹتے چلے جاتے ہیں۔ جس بیج کو اس طرح نکالا جاتا ہے "بیج کو خراب کرنے والی روح خبیثہ" کا حصہ کہلاتا ہے۔ خیال ہے کہ یہ روحیں گاڑی کے ساتھ نکل جاتی ہیں اور جب گاڑی اور اس میں موجود ساز و سامان ان کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے تو لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ روحوں کے لیے باقی بیج پر دست درازی کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہا۔

جاوا کے مشرق میں ایک جزیرہ بالی کے لوگوں کے ہاں مقررہ معیاد کے اختتام پر بڑے پیمانے پر شیاطین کے دفع عام کا عمل میں آتا ہے۔ اس رسم کے لیے عام طور پر جو دن

منتخب کیا جاتا ہے وہ نویں مہینے میں "تاریک چاند" کا دن ہوتا ہے۔ جب شیاطین ایک عرصہ بلا کسی آزار کے گزار لیتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ "ملک گرم" ہو چکا ہے اور بڑا پجاری حکم جاری کرتا ہے کہ انہیں زبردستی ملک سے نکال دیا جائے' مبادا سارا بالی ناقابل سکونت ہو کے رہ جائے۔ مقررہ دن گاؤں یا ضلع کے لوگ بڑے مندر میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک چوراہے پر بھوتوں کے لیے نذریں رکھ دی جاتی ہیں۔ جب پجاری پوجا پاٹ ختم کر چکے ہیں تو قرنا پھونک کے ان بلایا جاتا ہے کہ وہ اس کھانے کو تناول کر لیں' جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کئی آدمی آگے بڑھتے ہیں اور اس مقدس چراغ سے اپنی مشعلیں روشن کر لیتے ہیں جو بڑا پجاری کے آگے جلتا رہتا ہے۔ اس کے بعد فوراً وہ تماشائیوں کو اپنے پیچھے لیے مختلف سمتوں میں بکھر جاتے ہیں اور گلی کوچوں میں یہ چیختے پھرتے ہیں "دفع ہو! دور ہو!" یہ جہاں جہاں سے گزرتے ہیں وہاں وہ سب لوگ جو گھروں میں رہ گئے ہوں جھپٹ جھپٹ کے اپنے دروازے کھڑکیاں وغیرہ زور زور سے پیٹنے لگتے ہیں تا کہ شیاطین کے دفع عام میں حصہ لے سکیں۔ شیاطین گھروں سے نکل نکل کے دوڑتے ہیں کہ اس ضیافت میں شریک ہوں جن کا لوگوں نے ان کے لیے انتظام کر رکھا ہو۔ لیکن یہاں پجاری ان کا لعنتوں کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں اور یہ چیز ضلع سے ان کا بالکل منہ کالا کر دیتی ہے۔ جب آخری بھوت رخصت ہو چکتا ہے تو شور دب جاتا ہے اور موت کی سی خاموشی چھا جاتی ہے جو اگلے دن بھی جاری رہتی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بھوت اپنے پرانے گھروں میں لوٹنے کی فکر میں رہتے ہیں اور انہیں یہ باور کرانے کے لیے بالی' بالی نہیں بلکہ کوئی اور ویران جزیرہ ہے' چوبیس گھنٹے تک کوئی اپنے گھر سے جنبش نہیں کر سکتا۔ گھر کے معمولی کام مع کھانے پکانے کے ترک کر دیئے جاتے ہیں۔ چوکیداروں کے سوا گلیوں میں کوئی نہیں نکل سکتا۔ تمام دروازوں پر کانٹوں اور پتوں کے ہار ٹانگ دیئے جاتے ہیں' تا کہ اجنبی متنبہ ہو جائیں اور گھروں میں داخل نہ ہوں۔ جب تک تیسرا دن نہ آ جائے یہ محاصرہ اسی طرح جاری رہتا ہے' بلکہ اس دن دھان کے کھیتوں میں کام کرنا یا بازار میں خرید و فروخت ممنوع ہے اور بیشتر لوگ گھروں ہی پر رہتے ہیں اور تاش اور جوئے میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔

ٹانکوئن (مشرق بعید) میں تھکیڈا یا ارواح خبیثہ کے دفع عام کی رسم سال میں

ایک مرتبہ ادا کی جاتی تھی' خاص کر جب آدمی سپہ سالار کے اصطبل کے گھوڑے اور ہاتھی اور ملک کے مویشی بہ کثرت مرنے لگیں" جس کو ایسے آدمیوں کے پریتوں یا شریر روحوں کی کارستانی پر محمول کرتے ہیں جن کو غداری' بغاوت' بادشاہ' سپہ سالار یا شہزادوں کے قتل کی سازش کی پاداش میں سزائے موت دی گئی ہو۔ وہ اس سزا کا بدلہ لینے کے لیے ہر چیز کو برباد کرنے اور تشدد پر تلی رہتی ہیں۔ ان بلاؤں کے انسداد کے لیے لوگوں نے اپنے توہم کی بنا پر حکیکڈا کی طرح ڈال دی' جو انہیں دفع شیاطین اور ملک کو ارواح خبیثہ سے پاک کرنے کا سب سے بڑا موثر ذریعہ نظر آیا۔" اس رسم کے لیے عموماً پچیس فروری کا دن مقرر کیا جاتا ہے جو ان کے سال نو کے آغاز یعنی 25 جنوری کے ایک مہینے بعد پڑتا تھا۔ یہ سارا درمیانی مہینہ ضیافتوں' رنگ رلیوں اور ہر قسم کی بے اعتدالیوں کے لیے مختص تھا۔ اس کے دوران میں مہر سلطنت سر کے بل الٹی ایک صندوق میں بند کر دی جاتی اور قانون گویا تعطل کی حالت میں ہوتا۔ ساری عدالتیں بند کر دی جاتیں' قرضداروں کو پکڑا نہ جا سکتا۔ چھوٹے چھوٹے جرائم جیسے چوری' جھگڑے فساد کی کوئی سزا نہ تھی۔ صرف غداری اور قتل قابل دست اندازی تھے' جس کی پاداش میں مجرموں کو اس وقت تک نظر بند رکھا جاتا' جب تک کہ مہر سلطنت کا عمل پھر نہ شروع ہو جاتا۔ اس ہنگامہ آزادی و نشاط کے خاتمے پر خبیث روحوں کا دفع کیا جاتا۔ جب پیادہ فوج اور توپ خانے کے زبردست دستے پرچم لہراتے ہوئے جنگی طمطراق کے ساتھ صف بستہ ہو جاتے تو" سپہ سالار جرائم پیشہ شیاطین اور خبیث روحوں کو (کیونکہ اسی طرح ان لوگوں کے ہاں پھانسی دینے سے پہلے مجرموں کو اچھی طرح کھلا پلا دیا جاتا ہے) کھانا پیش کرتا ہے اور انہیں دعوت دیتا ہے کہ وہ آن کر کھا پی لیں جس کے بعد ہی وہ ان روحوں کو حرفوں اور تصویروں کے ذریعے عجیب و غریب بولی میں ان پر نقض امن اور اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں کی جان لینے وغیرہ وغیرہ کے سلسلے میں ان متعدد جرائم کا الزام لگاتا ہے' جس کا انہوں نے ارتکاب کیا ہو۔ جن کی پاداش میں وہ ارواح خبیثہ از روئے انصاف گوشمالی اور ملک سے نکالے جانے کی مستوجب تھیں۔ اس پر بطور آخری اشارے کے تین بڑی توپیں چلا دی جاتی ہیں اور اس کے بعد ساری توپیں اور بندوقیں داغ دی جاتی ہیں' تاکہ ان کے دھاکوں اور خوفناک شور سے بھوت دفع ہو جائیں۔ اور وہ اس قدر ناسمجھ واقع ہوئے ہیں کہ انہیں اس بات کا پورا پورا یقین ہوتا

ہے کہ وہ اس طرح واقعی بھوتوں کو نکال باہر کرتے ہیں۔"

بھوتوں اور چڑیلوں یا ارواح خبیثہ کے اخراج کی سالانہ رسمیں یورپ کے بت پرستوں میں عام رہی ہوں گی' جیسا کہ ان آثار و نقوش سے اندازہ ہوگا کہ جو ان کی موجودہ نسل کے رسم و رواج میں رہ گئے ہیں۔ چنانچہ مشرقی روس کی ووٹیاک کے نام کی ایک بت پرست فنی قوم میں سال کے آخری دن یا سال نو کے یوم آغاز پر گاؤں کی تمام نو عمر لڑکیاں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں۔ یہ ایسی لکڑیوں سے لیس ہوتی ہیں' جن کی انیاں نو جگہ سے پھٹی ہوتی ہیں۔ یہ وہ گھر کے ہر کونے اور صحن پر مارتی جاتی ہیں' جس کے ساتھ ساتھ یہ کہتی جاتی ہیں "ہم شیطان کو گاؤں سے نکال رہے ہیں۔" اور جیسے جیسے وہ ندی کے دھارے پر بہتی جاتی ہیں' شیطان بھی ان کے ساتھ ساتھ دوسرے گاؤں چلا جاتا ہے' جہاں سے اس کا اسی طرح دفع کیا جانا لازمی ہے۔ بعض گاؤں میں شیطان کے اخراج کی صورت اس سے مختلف ہے۔ وہاں کنواروں کو گاؤں کے ہر گھر سے کٹا ہوا دانہ' گوشت اور برانڈی دی جاتی ہے۔ انہیں لے کے وہ کھیتوں پر پہنچتے ہیں۔ صنوبر کے ایک درخت کے نیچے آگ جلا کے وہ دانہ ابالتے ہیں اور یہ الفاظ دہرا کے اپنے ساتھ لائی ہوئی چیزیں کھا لیتے ہیں "صحرا میں چلا جا' گھر میں نہ آ۔" اس کے بعد کنوارے گاؤں واپس ہوتے ہیں اور ہر اس گھر میں جاتے ہیں جہاں جوان عورتیں ہوں۔ ان عورتوں کو پکڑ کے وہ یہ کہتے ہوئے برف پر پھینک دیتے ہیں "تمہیں بیماری کی بلائیں چھوڑ جائیں۔" پھر باقی ماندہ غلہ اور کھانے کی دوسری چیزیں ہر گھر کے چندے کے تناسب سے تمام گھروں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں اور ہر خاندان اپنا اپنا حصہ کھا لیتا ہے۔ ضلع مالمیز کے ایک ووٹیاک کے بیان کے بموجب جو کوئی ان کے ہاتھ لگتا ہے اسے برف میں پھینک دیتے ہیں اور یہ کارروائی "دفع شیطان" کہلاتی ہے۔

عہد باطل پرستی کے دفع شر کے قدیم سالانہ دستور کے کچھ نقش جدید مسیحی یورپ میں موجود ہیں۔ چنانچہ کالابریا (اٹلی) کے بعض گاؤں میں مارچ کے مہینے کا آغاز جادوگرنیوں یا چڑیلوں کے اخراج عام سے ہوتا ہے۔ یہ رسم رات کے وقت گرجا گھروں میں گھنٹوں کی گونج میں ادا کی جاتی ہے' جس میں لوگ یہ چیختے ہوئے گلیوں میں دوڑتے ہیں "مارچ آن پہنچا!" ان کا کہنا ہے کہ جادوگرنیاں مارچ میں گھومتی پھرتی ہیں اور یہ کارروائی اس مہینے کے دوران میں ہر

جمعہ کی شب عمل میں آتی ہے۔ جیسا کہ خیال پیدا ہو سکتا ہے' عہد باطل پرستی کی یہ قدیم رسم اکثر صورتوں میں کلیسائی تیوہاروں کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہے۔ چنانچہ البانیہ میں ایسٹر کی رات نوعمر لوگ رال دار لکڑی کی مشعلیں جلائے انہیں گھماتے ہلاتے ہوئے جلوس کی صورت میں گاؤں سے گزرتے ہیں۔ آخر میں وہ ان مشعلوں کو اس نعرے کے ساتھ دریا میں پھینک دیتے ہیں "ہا کورے! ہم تمہیں ان مشعلوں کی طرح دریا برد دیتے ہیں کہ تم لوٹ کے نہ آؤ!" سی لیشیا کے دیہاتیوں کے عقیدے کی رو سے گڈ فرائی ڈے کو جادوگرنیاں گشت پر نکلتی ہیں اور ان میں آزار پہنچانے کی بڑی طاقت ہوتی ہے اسی لیے اسٹرے لٹس کے قریب قصبہ اولس کے آس پاس لوگ اس دن پرانی جھاڑیوں سے مسلح ہو کے ہر گھر' باڑے اور تھان سے ایک ہنگامہ مچاتے اور کھڑ بڑ کرتے جادوگرنیوں کو نکالتے ہیں۔

وسط یورپ میں جادوگرنیوں سے نجات عام کا پسندیدہ وقت یوم بہار یا مئی کی رات ہے یا کبھی تھا۔ خیال تھا کہ اس وقت اس موذی مخلوق کی شرانگیز قوتیں شباب پر ہوتی ہیں۔ مثلاً ٹیرول میں نیز دوسرے مقامات پر اس دن دفع بلیات کو "جادوگرنیوں کا جلانا" کہا جاتا ہے۔ یہ رسم یوم بہار کو ادا کی جاتی ہے۔ لوگ دنوں پہلے اس کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں کسی جمعرات کی شب کوئی بارہ بجے رال دار لکڑی کی چھپٹیوں' سرخ و سیاہ دھوئیں والے شکران' کیز روز میری اور آلوچہ کی ٹہنیوں کے گٹھے باندھ لیے جاتے ہیں وہ آدمی جنہیں کلیسا سے گناہوں کی مکمل معافی مل گئی ہو' انہیں اپنے پاس رکھتے اور یوم مئی کو جلاتے ہیں۔ اپریل کے آخری تین دن تک تمام گھروں کی صفائیاں ہوتی ہیں اور انہیں ایک قسم کی صنوبری جھاڑی کے پھلوں اور سداب سے دھونی دی جاتی ہے۔ یوم بہار کے جھٹ پٹے میں جب شام کا گھنٹہ بج چکتا ہے تو "جادوگرنیوں کو جلانے" کی رسم شروع ہوتی ہے۔ بالغ مرد اور لڑکے چابکوں' گھنٹیوں' برتنوں اور پراتوں سے ایک بے پناہ شور مچا دیتے ہیں' عورتیں عود دان لیے گھومتی ہیں۔ کتوں کی زنجیریں کھول دی جاتی ہیں جو بھونکتے پھرتے ہیں۔ جوں ہی گرجے کا گھنٹہ بجنا شروع ہوتا ہے' درختوں کی شاخوں کے مذکورہ بالا گٹھوں میں جو بلیوں سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں' آگ لگا دی جاتی ہے اور ان کی خوشبو پھیلنے لگتی ہے۔ پھر گھروں کے تمام فانوس' کھانے کی گھنٹیاں اور برتن بجا دیے جاتے ہیں۔ کتے بھونکنے لگتے ہیں۔ ایسے میں ہر شخص کا غل مچانا لازمی ہے۔ اس غل غپاڑے میں سب

لوگ گلے پھاڑ پھاڑ کے یہ الفاظ دہراتے ہیں "جادوگرنی بھاگ جا' یہاں سے بھاگ جا' ورنہ تیری خیر نہیں!" پھر وہ سات دفعہ مکانوں' باڑوں اور گاؤں کے طواف کرتے ہیں۔ اس صورت سے جادوگرنیوں کو ان کی کمین گاہوں سے دھونی دے دے کر نکالا اور دفع کیا جاتا ہے۔ یوم مئی کی رات جادوگرنیوں کے اخراج عام کا یہ دستور بویریا کے متعدد علاقوں اور بوہیمیا کے جرمنوں میں آج تک جاری ہے یا چند سال پیشتر تک جاری تھا۔ چنانچہ کوہستان بوہمر والڈ میں کسی رات' بعد از مغرب گاؤں کے تمام نوعمر لوگ کسی بلند مقام خاص کر چوراہے پر جمع ہو جاتے ہیں اور کچھ دیر تک اپنی پوری قوت سے کوڑے بجاتے رہتے ہیں۔ اس سے جادوگرنیاں بھاگ جاتی ہیں' اس لیے کہ جہاں تک کوڑوں کی آواز سنائی دیتی ہے یہ مردم آزار ہستیاں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتیں۔ بعض مقامات پر جس وقت نوجوان چابک کڑکاتے رہتے ہیں چرواہے اپنے اپنے سنکھ پھونکتے رہتے ہیں اور ان کے لمبے سُر جو رات کی خاموشی میں دور دور تک سنائی دیتے ہیں' جادوگرنیوں کا بڑا موثر دفعیہ ہیں۔

ساحرات کے شر کا ایک اور زمانہ وہ بارہ دن ہیں جو کرسمس اور یوم ظہور مسیح کے درمیان پڑتے ہیں۔ اس لیے سی لیشیا کے بعض علاقوں میں لوگ کرسمس سے پہلی جنوری تک رات رات بھر صنوبر کی رال جلاتے رہتے ہیں تاکہ جادوگرنیاں اس کی تیز دھوئیں کی تاب نہ لا کے مکان کی حدود سے نکل جائیں اور کرسمس اور یکم جنوری کی شب کھیتوں اور مرغزاروں پر جھاڑیوں اور درختوں میں بندوقیں داغی جاتی ہیں اور میوے کے درختوں کے اطراف پوال لپیٹ دی جاتی ہے تاکہ روحیں انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔ یکم جنوری کی شب جو سینٹ سلویسٹر کے عرس کا دن ہے' بوہیمائی لڑکے بندوقوں سے مسلح ہو کے حلقے باندھے ہوائی فائر کرتے ہیں۔ یہ کارروائی "جادوگرنیوں کو گولی مارنے" کے نام سے موسوم ہے اور خیال ہے کہ اس سے وہ ڈر کے بھاگ جاتی ہیں۔ ان ایام مخفیہ کا آخری دن یوم ظہور مسیح یا بارھویں کی رات ہے اور اسے یورپ کے مختلف حصوں میں شرانگیز قوتوں سے نجات کے لیے بجا طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ چنانچہ جھیل لوسرین کے کنارے برونین میں جنگل کی دو مونث روحوں اسٹروڈیلی اور اسٹرائیلی کو ڈرا کے بھگانے کے لیے لڑکے بارھویں کی رات مشعلیں لیے اور قرناؤں' گھنٹیوں' کوڑوں وغیرہ وغیرہ سے ایک شور مچاتے جلوس کی

سورت میں نکلتے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر انہوں نے شور مچانے میں کوتاہی کی تو اس سال پھل نہ ہوگا۔ نیز جنوبی فرانس کے ضلع لابرژیر میں بارہویں کی رات لوگ گھنٹیاں بجاتے' کیتلیاں کھڑکھڑاتے اور ہر وہ حرکت کرتے جس سے ناگوار شور پیدا ہو' گلی کوچوں میں دوڑتے ہیں۔ پھر مشعلوں اور جلتی ہوئی لکڑیوں کی روشنی میں وہ ایک زبردست ہلڑ اور ایسا غل مچاتے ہیں کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں۔ انہیں امید ہوتی ہے کہ ان کی اس کارروائی سے ساری بھٹکتی روحیں اور شیاطین خارج البلد ہو جائیں گے۔

◆○◆